بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۲

اللہ تعالیٰ کی بندگی

کا تفسیری شعبہ حج بیت اللہ

استاذ التفسیر مفتی جمیل الرحمن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33۔ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۝

اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تیسرا شعبہ: حجِّ بیت اللہ

خلاصہ تفسیر القرآن

جلد رابع

استاذ تفسیر حضرۃ مولانا حمید الرحمٰن عباسی مدظلہ

پبلشرز، بک سیلرز

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ
اُردو بازار لاہور

297.16
ح 378
92105
جلد ۴

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اول : نومبر
نام کتاب : خلاصہ تفسیر جلد رابع اللہ تعالیٰ کی بندگی ج
مولف : استاد تفسیر حمید الرحمٰن عباسی
مدرسہ قاسم العلوم، شیرانوالہ لاہور
تعداد : گیارہ سو

مکتبۃ الحسن
پبلشرز، بک سیلرز
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-7241355,042-7018002,0300-4339699

فہرستِ مضامین

مضامین	صفحہ
خصوصیات اور تعارف ہذا	۹
تمہید	۱۱
بیت اللہ کی بنا اول اور اس کا حج ہر غنی مسلمان پر فرض ہے	۱۳
بیت اللہ کی تعمیر جدید اور اس کے حج کا احیاء	۱۵
نبی اکرمؐ کی امت کو حکم حج اور عمرہ	۶۱
حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے	۶۱
فضائل حج	۶۵
محرم کے سوا عورت پر حج فرض نہیں	۷۰
نابالغ بچے کے حج کا ثواب والدین کو ملتا ہے	۷۱
حج بدل کا طریقہ	۷۲
عورتوں پر بھی حج فرض ہے	۷۵
حیض اور نفاس والی عورت طواف کے سوا سارے ارکان ادا کرے	۷۶
استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے اور یہودی و عیسائی میں فرق نہیں ہے	۷۷
حج و عمرے کے لئے گداگری حرام ہے اور تجارت جائز ہے	۷۹
اگر معتمر کے راستے میں رکاوٹ ہو تو ہدیہ دے اور اس کے ذبح ہونے تک احرام نہ کھولے	۸۰
حج اور عمرہ ملا کر ادا کرنے کے دنیاوی اور اخروی فضائل کا بیان	۸۲
صرف عمرے کے فضائل کا بیان	۸۳
نبی ﷺ کے حج اور عمروں کا بیان	۸۴
حج کا پہلا فرض احرام باندھنا	۸۵

مضامین	صفحہ
○ میقات حج و عمرہ	۸۷
○ احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بیان	۸۹
○ پہلا ادب طہارت بدنی	۹۵
○ دوسرا ادب خالص رضائے الٰہی	۹۶
○ تیسرا ادب انکساری	۹۶
○ چوتھا ادب شرک سے برات اعلان	۹۸
○ پانچواں ادب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا	۹۹
○ چھٹا ادب اللہ تعالیٰ کی مالکیت کا اقرار کرنا	۱۰۰
○ ساتواں ادب اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کو بہتر سمجھنا	۱۰۱
○ آٹھواں ادب حاجی نے تلبیہ باآواز بلند پڑھنا ہے	۱۰۲
○ نواں ادب اللہ کی محبت سے حج کرنا	۱۰۳
○ دسواں ادب اختتام تلبیہ پر رضائے الٰہی داخلہ جنت اور دوزخ سے نجات کی دعا	۱۰۴
○ حج قمری حساب سے کرنا ہے	۱۰۵
○ اوقات حج اور محرم کو جن چیزوں سے بچنا چاہئے	۱۰۶
○ وہ لباس جس سے محرم کو بچنا چاہئے	۱۰۸
○ محرم سینگیاں کھچوا سکتا ہے	۱۱۰
○ عورت کا احرام میں ممنوع لباس	۱۱۱
○ حالت احرام میں نکاح اور منگنی جائز نہیں	۱۱۳
○ حالت احرام میں جائز کاموں کا بیان	۱۱۵
○ محرم کو جنگلی شکار کھیلنے کی ممانعت اور اس کی اخروی اور دنیاوی سزا کا بیان	۱۱۶
○ حالت احرام میں مندرجہ ذیل جانوروں کو مارنا جائز ہے	۱۱۹
○ غیر محرم کا شکار محرم کو کھانا مباح ہے	۱۲۰
○ نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کا اجمالی واقعہ	۱۲۵

مضامین	صفحہ
o مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حاجی کے لئے غسل کرنا مستحب ہے	۱۶۷
o رئیت بیت اللہ کی وقت کی دعائیں	۱۶۹
o طواف بیت اللہ باوضو ہو کر کرنا ہے	۱۷۱
o طواف قدوم کا طریقہ	۱۷۲
o عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف جائز ہے	۱۷۹
o طواف کے فضائل اور اس کے مابین پڑھنے کے الفاظ اور دعائیں	۱۸۱
o حجر اسود اور مقام ابراہیم یہ دونوں جنتی پتھر ہیں اس لئے ان کی تعظیم کی جاتی ہے	۱۸۵
o حاجی پر صفاو مروہ کی سعی کرنا لازمی ہے اور اس کے سات چکر لگانا ہے	۱۸۷
o صاحب عذر صفاو مروہ کی سعی سوار ہو کر کر سکتا ہے	۱۹۱
o سعی صفا سے شروع کرنا ہے اور مروہ پر ختم کرنا ہے	۱۹۲
o بوڑھے اور معذور کے لئے سعی ضروری نہیں ہے ان کی معمول کی چال جائز ہے	۱۹۴
o صفا اور مروہ کی سعی کا مقصد اسلامی شوکت کا مظاہرہ کرنا ہے	۱۹۴
o آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں جاکر قیام کرنا ہے اور ظہر عصر مغرب اور عشا کی نمازیں وہاں پڑھنا ہیں اور	
o نویں کی نماز فجر پڑھ کر عرفات کو جانا ہے	۱۹۶
o حجاج منیٰ سے عرفات جاتے وقت تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے جائیں	۱۹۸
o وقوف عرفات فرض ہے	۲۰۲
o جناب نبی اکرم ﷺ کا خطبہ عرفات	۲۰۳

	مضامین	صفحہ
o	حجاج عرفات میں جہاں چاہیں وقوف کر سکتے ہیں	۲۰۴
o	عرفات میں حکم استغفار اور دعاؤں کا بیان	۲۰۷
o	قیام مشعر الحرام (مزدلفہ) میں ذکر اللہ کا حکم	۲۲۶
o	مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھنا ہے	۲۲۷
	مزدلفہ میں صبح کی نماز سویرے پڑھ کر مشعر الحرام کے پاس آنا ہے اور اچھی طرح سفیدی تک دعا وغیرہ میں مصروف رہنا ہے اور طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کو روانہ ہونا ہے	۲۳۲
o	ضعیفوں بچوں اور عورتوں کو وقوف مزدلفہ سے پہلے منیٰ بھیجنا جائز ہے	۲۳۷
o	حاجی مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت تلبیہ پڑھتے ہوئے اور سکون سے آئیں اور جمرات کو مارنے کے لئے چنے کے برابر کنکریاں وہیں سے ساتھ لائے	۲۳۹
o	منیٰ میں قیام ثانی کے زمانہ میں احکامات حج کے ساتھ ذکر اللہ اور دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا ہے	۲۴۲
o	دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں پہنچ کر پہلے آخری جمرے پر سات کنکریاں مارنے کا طریقہ	۲۴۴
o	دسویں ذی الحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد دوسرا کام ہدیہ ذبح کرنا ہے	۲۵۰
o	اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں سے دو ندے جانور کی قربانی جائز ہے	۲۵۳
o	مندرجہ ذیل عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے	۲۵۵
o	بطور علامت ہدیہ کے جانور کو ہار ڈالنا اور کوہان پر کچھ زخم کرنا جائز ہے	۲۵۸
o	گائے اور اونٹ کی قربانی میں سے سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں	۲۶۰

مضامین	صفحہ
o بوقتِ مجبوری ہدیہ کے جانور پر آدمی سوار ہو سکتا ہے	۲۶۲
o راستہ میں ہلاک ہونے والے ہدیہ کا حکم	۲۶۳
o ہدایا کا گوشت کھانا جائز ہے اور اس کا توشہ بنانا بھی جائز ہے	۲۶۶
o قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ نیت اور دعا	۲۶۹
o اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہئے	۲۷۱
o قصاب کو اجرت میں ہدیے کا گوشت اور چمڑہ دینا جائز نہیں	۲۷۱
o فضائل قربانی اور ہدایا	۲۷۳
o ہدایا ذبح کرنے کی جگہ	۲۷۴
o مقصد قربانی اور ہدایا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے	۲۵۷
o متمتع اور قارن پر ہدیہ واجب ہے	۲۷۶
o دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں تیسرا کام حجامت بنوانا ہے	۲۷۸
o دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں حلق یا تقصیر کے بعد چوتھا کام ایفاء نذر ہے	۲۸۵
o دسویں ذی الحجہ کے الوداعی خطبہ میں نبی ﷺ نے ہر مومن کے لئے مال، جان اور آبرو کو بھی حرمات اللہ میں شامل فرمایا	۲۸۶
o دسویں ذی الحجہ کو پانچواں کام طواف زیارت ہے	۲۹۶
o افعال حج میں تقدیم و تاخیر کے متعلق آپ کے فتووں کا بیان	۳۰۰
o منیٰ میں گیارہویں ذی الحج کو نبی ﷺ کا خطبہ حج	۳۰۳
گیارہویں ذی الحج کو منیٰ میں قیام اور تینوں جمرات کو کنکریاں مارنے کا طریقہ	۳۰۷
o منیٰ میں بارہویں اور تیرہویں کی رمی بھی بعد الزوال کرنا ہے	۳۱۲
o قربانی اور جمرات کو کنکریاں مارنے کا پس منظر	۳۱۵

مضامین	صفحہ
o حاجی بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ جا سکتا ہے	۳۲۱
o منیٰ سے مکہ جاتے وقت کچھ دیر قیام ابطح سنت ہے	۳۲۲
o حجاج طواف وداع کر کے مکہ سے واپس ہوں	۳۲۵
o حجاج کرام کو چشمہ اسماعیلی سے آب زمزم نوش کرنا چاہئے	۳۲۷
o چشمہ زمزم کا پس منظر	۳۳۰
o حاجی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہو تو ہدیہ دے کر احرام کھولے	۳۳۱
o اللہ تعالیٰ نے دعا ابراہیمؑ سے مکہ کو دار الامان بنایا	۳۳۷
o دعا امام الانبیاء سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو دار لامان بنایا	۳۴۶

خصوصیات اور تعارف جلد ہذا

خلاصہ تفسیر کی یہ جلد رابع اسلام کے رکن خامس حج پر مشتمل ہے۔ اس کا انداز تالیف و تدوین اور ترتیب بھی خلاصہ تفسیر کی دوسری جلدوں کی طرح ہے یعنی پہلے ایک عنوان قائم کیا ہے اور پھر اس کے متعلق جو جو آیات قرآن میں موجود ہیں وہ لکھی ہیں۔ پھر ان کا ترجمہ اور تفسیر لکھی ہے اور پھر اسی عنوان کے متعلق جو جو احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (بخاری و مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ موطا امام محمد تفسیر ابن کثیر وغیرہ) سے ملی ہیں وہ نقل کر کے ان کا ترجمہ بھی نقل کر دیا ہے اور پھر ان آیات اور احادیث کو آپس میں تطبیق دے دی ہے اور اس سلسلہ میں ضعیف اور قوی حدیث کا خیال نہیں رکھا بلکہ جو بھی حدیث ان مجمل آیات کی تفسیر نظر آئی ہے وہ لکھ کر تطبیق دے دی ہے اور اس انداز تالیف کا مقصد کے اس غلط تاثر کو مٹانا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور قرآن اور چیز ہے اور حدیث اور چیز ہے اور ناچیز نے جگہ جگہ یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث قرآن کی تفسیر ہے اور قرآن احادیث

کے سوا سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہ سب اللہ تعالی کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

مولف

تمہید

حمد و ثنا اس ذات بے مثل اور بے ہمتا کو زیبا اور لائق ہے جو اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اپنا تعارف کرانے کے لئے صدہا انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان کے ذریعے اپنے ساتھ تعلق پیدا کرانے کے لئے انہیں اپنی بندگی کے طریقہ بتائے ہیں۔ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ حج بھی ہے اور بقیہ عبادات کی طرح حج بھی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی شروع ہوا ہے اور ہر پیغمبر کے دور میں یہ حج بیت اللہ کیا جاتا رہا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مشرک قوموں نے جس طرح عقیدہ توحید و قیامت اور عقیدہ رسالت کو بگاڑ دیا تھا اور بقیہ عبادات میں تبدیلی کی تھی اسی طرح حج کے اندر بھی انہوں نے تبدیلی کی ہوئی تھی مثلاً بیت اللہ شریف کا جب وہ طواف کرتے تھے تو ساتھ ساتھ بتوں کا بھی طواف کرتے تھے اور ننگے بدن طواف کرتے تھے اور صفا مروہ کی جب سعی کرتے تھے تو ساتھ ساتھ بتوں کی بھی سعی کررے تھے اور جب اللہ کی نذر و نیاز دیتے تھے تو غیر اللہ کے نام کی بھی نذر و نیاز دیتے اور حج کا رکن اعظم میدان عرفات کا وقوف نہیں کرتے تھے صرف مزدلفہ تک ہی جاتے تھے اور حج کے ایام اور مہینوں کو بھی تبدیل کیا ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ذریعے ان تمام غلط باتوں کی اصلاح فرمادی تھی جو جلد ہذا میں تفصیلاً بیان کردی گئی ہے اور حج کا اصلی اور حقیقی نمونہ پیش کردیا گیا ہے۔

حج در حقیقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعلیٰ ترین نمونہ اور بہت بڑی عملی مشق ہے اور یہ اسلام کا آخری کورس ہے نماز بھی تو ایسا ہی نمونہ ہے مگر اس میں وقت تھوڑا لیا ہوا ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ایسا ہی نمونہ ہے مگر اس میں بھی نماز کی نسبت وقت زیادہ لیا ہوا ہے اور حج میں وقت روزے سے بھی زیادہ لیا ہوا ہے اور حاجی کو عاجزی کے لباس میں مختلف پہاڑیوں اور میدانوں میں پھیرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان بنے اور اس سے مختلف قسم کی عبادتیں کراتا ہے اور دعائیں کراتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول فرماتے ہیں اور اس سے انسان کے دل میں ایک ایسی قلبی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے اللہ پر یقین آجاتا ہے اور حج کے ان ایام میں حاجی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسا تعلق خویش و اقارب میں سے بھی کسی کے ساتھ نہیں ہوتا اور اتنے عرصے میں حاجی سے جو پابندیاں کراتا ہے اور کچھ حلال طیب چیزیں بھی اس سے چھڑاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اے بندے جس طرح تو نے یہ چیزیں رضائے الٰہی کے لئے یہاں چھوڑی ہیں اسی طرح پوری زندگی میں وہی کام کرو جن پر اللہ راضی ہو اور وہ کام ہرگز نہ کر جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔

شعر

نمے گویم کہ از عالم جدا باش ولے ہر جا کہ باشی با خدا باش

از مؤلف

بیت اللہ کی بنا اوّل اور اس کا حج ہر غنی مسلمان پر فرض ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکہ مبرکا" وھد"ی للعلمین ○ فیہ آیت بینت مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امنا" وللہ علے الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین ○

بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں برکت والا ہے اور جہاں کے لوگوں کے لئے راہ نما ہے اس میں ظاہر نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو پھر اللہ تعالیٰ جہاں والوں سے بے پرواہ ہے۔

تفسیر

مذکورہ آیت میں ساری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ یعنی کعبہ کا شرف اور افضلیت کا بیان ہے' اور یہ شرف و فضیلت کئی وجہ سے ہے'

اول اس لئے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے'

دوسرے کہ وہ برکت والا ہے'

تیسرے یہ کہ وہ پورے جہاں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے' آیت کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے' اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو' اس سے پہلے نہ کوئی عبادت

خانہ ہو نہ دولت خانہ' حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں' ان کی شان سے کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے زمین پر آنے کے بعد اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر یعنی عبادت کی جگہ بنائی ہو' اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر' مجاہد' قتادہ' سدی' وغیرہ صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں' ان حضرات نے حکم کی تعمیل کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں' اور ان سے کہا گیا کہ آپ اوّل النّاس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں' اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے' یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہو (ابن کثیر) ضعفہ ابن کثیر بابن لہیعہ ولا یخفی انہٗ لیس بمتروک الحدیث مطلقا ولا سیما فی ہذا المقام فان الروایتہ قد تایدت باشارات الکتاب۔

تفسیر طبری اور بغوی میں کہ نوح علیہ السلام ۱۰ ماہ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ چھ مہینہ تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی۔ جب بیت اللہ شریف کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا۔ یا تو حضرت نوح علیہ السلام کو اندازہ ہوگا کہ یہاں بیت اللہ ہے اور یا اللہ تعالیٰ نے اسے بلند کر کے غرق سے بچالیا ہوگا۔ (معارف القرآن) ہمارا مقصد یہ ہے کہ حج ہر غنی مسلمان پر فرض ہے اور اس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی اور ہمیشہ مسلمان حج کرتے آئے ہیں اور مذکورہ بالا حوالہ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ

السلام بھی حج کرتے تھے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ تمام پیغمبر اس بیت اللہ کا حج کرنے آتے تھے اور اسی کو قبلہ مانتے تھے۔

بیت اللہ کی تعمیر جدید اور اس کے حج کا احیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

واذ جعلنا البیت مثابتہ" للناس وامنا" ط واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے" ط وعھدنا الی ابراھیم واسمعیل ان طھرا بیتی للطآئفین والعکفین والرکع السجود○

ترجمہ:۔ "اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی' اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے"۔

حل لغات:۔ مثابتہ" یہ لفظ ثاب یثوب ثوبا" ومثابا" سے ماخوذ ہے' جس کے معنی لوٹنے کے ہیں اس لئے مثابہ کے معنی مرجع کے ہوگئے جہاں آدمی بار بار لوٹ کر جائے۔

خلاصہ تفسیر:۔ او وہ وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور (آخر میں امت محمدیہؐ کو حکم دیا برکت حاصل کرنے کے لئے) مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو' اور ہم نے (بناء کعبہ کے وقت) حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک و (صاف) رکھا کرو' بیرونی اور مقامی لوگوں کی (عبادت کے) واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے کے واسطے۔

اس آیت میں بیت اللہ کعبہ کی تاریخ کی طرف اشارہ اور حضرت خلیل اللہ اور اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر جدید' نیز بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی چند خصوصیات اور بیت اللہ کے احترام سے متعلقہ احکام مذکور ہیں۔ یہ مضمون قرآن کی بہت سی آیات میں مختلف سورتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس جگہ مختصر طور پر اس کو بیان کیا جاتا ہے' جس سے مذکورہ آیات کا مضمون واضح ہو جائے گا' یہ مضمون سورۃ حج کی آیت نمبر۲۶ میں اس طرح مذکور ہے:

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا" وطھر بیت للطآئفین والقآئمین والرکع السجود ○ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا" وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

"یعنی وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا' اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے' پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز کے راستوں سے پہنچی ہوں گی۔"

تفسیر ابن کثیر میں ائمہ تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ملک شام میں مقیم تھے' اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیرخوار بچے تھے۔ جس وقت حق تعالیٰ کا ان کو یہ حکم ملا کہ ہم خانہ کعبہ کی جگہ آپ کو بتلاتے ہیں' آپ اس کو پاک صاف کرکے طواف و نماز سے آباد رکھیں' اس حکم کی تعمیل کے لئے جبریل امین براق لیکر حاضر ہوئے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور اسمٰعیل علیہ السلام کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے سپرد کرکے سفر کیا۔ راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت جبرئیل امین سے دریافت کرتے کہ کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے تو حضرت جبرئیل امین فرماتے کہ نہیں آپ کی منزل آگے

ہے۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی، جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا، اس خطہ زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے جن کو عمالین کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلہ کی شکل میں تھا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس جگہ پہنچ کر جبریل امین سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے، تو فرمایا کہ ہاں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مع اپنے صاحبزادے اور حضرت ہاجرہ کے یہاں اتر گئے، اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کو یہاں ٹھہرادیا، ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت یہاں ٹھہرنے کا حکم نہ تھا۔ وہ اس شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ کو حوالہ بخدا کرکے واپس ہونے لگے، جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس لق و دق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں، جس میں نہ کوئی مونس و مددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور چلنے لگے، حضرت ہاجرہ ساتھ اٹھیں، پھر بار بار یہی سوال دہرایا، حضرت خلیل اللہ کی طرف سے کوئی جواب نہ تھا، یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات پڑی اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے۔

اس کو سن کر حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ پھر آپ شوق سے جائیں جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا۔ ابراہیم علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل میں یہاں سے چل کھڑے ہوئے مگر شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ کا خیال لگا ہوا تھا۔ جب راستہ کے موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ نہ دیکھ سکیں تو ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی جو سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر

۳۶،۳۷ میں اس طرح مذکور ہے:۔

رب اجعل ھذا البلد امنا" واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام سورۃ ابراہیم
اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنادیجئے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے"۔

پھر دعاء میں عرض کیا:۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون○

"یعنی اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردیجئے اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ شکر کریں۔"

سابقہ حکم جس کی بنا پر شام سے ہجرت کراکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو یہاں لایا گیا تھا اس میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ میرے گھر کو پاک رکھنا حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام جانتے تھے کہ پاک رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ظاہری نجاسات اور گندگی سے بھی پاک رکھا جائے اور باطنی نجاست کفر و شرک سے بھی فرمان الٰہی میں مقصود ہے۔ اس لئے یہاں ٹھہر کر جو دعائیں فرمائیں ان میں اول تو اس بستی کے محفوظ و مامون رہنے اور جائے امن ہونے کی دعا فرمائی پھر یہ دعاء کی کہ مجھے اور میری اولاد کو شرک و بت پرستی سے بچایئے کیونکہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو معرفت حق تعالیٰ کا وہ مقام حاصل تھا جس میں انسان کو اپنا وجود ہی نابود نظر آتا ہے۔

اپنے تمام افعال و اعمال اور ارادوں کو یہ محسوس کرتا ہے کہ سب کچھ حق تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی کی مشیت و ارادہ سے سب کام

ہوتے ہیں' اس لئے کفرو شرک سے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم ملا تھا۔ اس میں حق تعالیٰ ہی سے امداد طلب کی اس دعا کے اندر کفرو شرک سے محفوظ رہنے کی التجاء میں ایک خاص راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کا حکم ہوا تو یہ احتمال بھی تھا کہ آئندہ چل کر کوئی ناواقف اس بیت اللہ ہی کو معبود نہ بنالے۔ اور اس طرح شرک میں مبتلا ہوجائے اس لئے یہ دعاء فرمائی کہ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک سے محفوظ رکھا جائے۔

اس کے بعد شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ پر شفقت کے پیش نظر یہ دعاء فرمائی کہ میں نے ان کو آپ کے حکم کے مطابق آپ کے محترم گھر کے پاس ٹھہرا تو دیا ہے لیکن یہ جگہ زراعت کے قابل بھی نہیں۔ جہاں کوئی اپنی محنت سے ضروریات زندگی حاصل کرسکے۔ اس لئے آپ ہی اپنے فضل سے ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمادیں۔

یہ دعا کرکے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو اپنے وطن شام کی طرف روانہ ہوگئے ادھر حضرت ہاجرہ کا کچھ وقت تو اس توشہ کھجور اور پانی کے ساتھ کٹ گیا جو حضرت خلیل اللہ چھوڑ گئے تھے۔ پانی ختم ہونے کے بعد خود بھی پیاس سے بے چین اور شیر خوار بچہ بھی۔ اس وقت پانی کی تلاش میں ان کا نکلنا اور کبھی کوہ صفا پر کبھی کوہ مروہ پر چڑھنا اور ان دونوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر راستہ طے کرنا تاکہ حضرت اسمیل آنکھوں کے سامنے آجائیں عام مسلمانوں میں معروف ہے اور حج میں صفاو مروہ کے درمیان سعی کرنا آج تک اسی کی یادگار ہے۔

اس قصہ کے آخر میں حضرت جبریل امین کا بحکم خداوندی وہاں پہنچنا اور چشمہ زمزم کا جاری کرنا اور پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں آکر مقیم ہوجانا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جوان ہونے کے بعد قبیلہ جرہم کی ایک بی بی سے شادی ہوجانا' یہ سب صحیح بخاری کی روایت میں تفصیل کے ساتھ مذکور

ہے۔ روایت حدیث کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سورۃ حج کی آیت میں جو بیت اللہ کو آباد کرنے اور پاک صاف رکھنے کا حکم حضرت خلیل اللہ کو ملا تھا اس وقت اتنا ہی عمل مقصود تھا کہ اس جگہ کو حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کے ذریعہ آباد کردیا جائے۔ اس کے مخاطب صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ اسمٰعیل علیہ السلام ابھی شیر خواری کے عالم میں تھے۔ اس وقت بیت اللہ کی تعمیر میں جدید کا حکم نہ ملا تھا' سورۃ بقرہ کی یہ آیت جو اس وقت زیر نظر ہے۔ وعھدنا الی ابراہیم واسمعیل ان طھرا بیتی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی شریک کرلیا گیا ہے' یہ حکم اس وقت کا ہے جب کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان اور متاہل ہوچکے تھے اس وقت دونوں کو بنا بیت اللہ کا حکم دیا گیا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب عادت حضرت اسمٰعیل کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا کہ اسمٰعیل علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنارہے ہیں۔ والد ماجد کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے ملاقات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے کیا تم اس میں میری مدد کرو گے؟ لائق فرزند نے عرض کیا کہ بسرو چشم کروں گا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جہاں بیت اللہ تھا کہ مجھے اس کی تعمیر کا حکم ہوا ہے۔ بیت اللہ کے حدود اربعہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بتلادیئے تھے۔ دونوں بزرگوار اس کام میں لگے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں۔ انہی پر دونوں نے تعمیر شروع کردی۔ اگلی آیت میں اسی کا بیان ہے:۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بانی بیت اللہ اصل حضرت خلیل علیہ السلام ہیں اور اسمٰعیل علیہ السلام مددگار کی حیثیت سے شریک ہیں۔

ان تمام آیات پر غور کرنے سے وہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو بعض روایات حدیث اور تاریخ میں مذکور ہے کہ بیت اللہ پہلے سے دنیا میں موجود تھا کیونکہ تمام آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتلادینے کا ذکر ہے کہیں اس کو پاک صاف رکھنے کا ذکر ہے یہ کہیں مذکور نہیں کہ آج کوئی نیا گھر تعمیر کرانا ہے اس کی تعمیر کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا وجود اس واقعہ سے پہلے موجود تھا' پھر طوفان نوح کے وقت منہدم ہوگیا یا اٹھالیا گیا تھا صرف بنیادیں موجود تھیں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کے پہلے بانی نہیں بلکہ بنائے سابق کی بنیادوں پر جدید تعمیران کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پہلی تعمیر کس نے اور کس وقت کی؟ اس میں کوئی صحیح اور قوی روایت حدیث کی منقول نہیں۔ اہل کتاب کی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی تعمیر آدم علیہ السلام کے اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی فرشتوں نے کی تھی پھر آدم علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی۔ یہ تعمیر طوفان نوح تک باقی رہی طوفان نوح میں منہدم ہو جانے کے بعد سے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ ایک ٹیلہ کی صورت میں باقی رہی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے از سر نو تعمیر فرمائی اس کے بعد اس تعمیر میں شکست و رفعت تو ہمیشہ ہوتی رہی' مگر منہدم نہیں ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریش مکہ نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیا جس کی تعمیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاص شرکت فرمائی۔

احکام و مسائل

ا۔ لفظ مثابہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی ہے کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہے گا اور لوگ بار بار اس کی طرف جانے اور لوٹنے کے آرزو مند رہیں گے۔ امام تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا لا یقضی احد منها وطرا" (قرطبی) یعنی کوئی آدمی اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا

بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت و طواف کا شوق لے کر لوٹتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ قبول حج کی علامات میں سے ہے کہ وہاں سے لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پائے۔ چنانچہ عام طور پر اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جتنا شوق زیارت بیت اللہ کا ہوتا ہے دوسری مرتبہ کے لئے اس شوق میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جوں جوں بار بار زیارت کرتا رہتا ہے یہ شوق اور بڑھتا جاتا ہے۔

یہ معجزہ بیت اللہ ہی کی خصوصیت ہوسکتی ہے ورنہ دنیا کے بہتر سے بہتر مناظر کو انسان ایک دو مرتبہ دیکھ لینے کے بعد سیر ہوجاتا ہے اور پانچ سات مرتبہ دیکھنے کے بعد تو دیکھنے کا دھیان بھی نہیں آتا اور یہاں تو نہ کوئی خوش منظر سبزی نہ وہاں پہنچنا کچھ آسان ہے نہ وہاں دنیا کے کاروبار ہی کی کوئی اہمیت ہے اس کے باوجود لوگوں کے دل میں اس کی تڑپ ہمیشہ موجزن رہتی ہے۔ ہزاروں روپیہ خرچ کرکے سینکڑوں مشقیں جھیل کر وہاں پہنچنے کے مشتاق رہتے ہیں۔

۲۔ لفظ امنا" اس جگہ مامن یعنی جائے امن کے معنی میں ہے اور لفظ بیت سے مراد صرف بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ نہیں بلکہ پورا حرم مراد ہے قرآن کریم میں بیت اللہ اور کعبہ کا لفظ بول کر پورا حرم مراد لینے کے اور بھی شواہد موجود ہیں جیسے ارشاد ہے ھدیا" بالغ الکعبہ اس میں لفظ کعبہ بول کر پورا حرم مراد لیا گیا ہے کیونکہ اس میں ذکر قربانی کا ہے اور بیت کعبہ کے اندر تو قربانی نہیں ہوتی اور نہ وہاں قربانی کرنا جائز ہے اس لئے معنی آیت کے یہ ہوئے کہ ہم نے حرم مکہ کو جائے امن بنادیا ہے اور جائے امن بنادینے سے مراد لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل و قتال اور انتقام سے بالاتر رکھیں۔ (ابن عربی)

چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاتھ میں ملت ابراہیمی کے جو کچھ آثار باقی رہ گئے تھے ان میں یہ بھی تھا حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے اور عام جنگ و قتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے

تھے۔ شریعت اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی رکھا گیا۔ فتح مکہ کے وقت صرف چند گھنٹوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال کو جائز کیا گیا تھا مگر اسی وقت پھر ہمیشہ کے لئے حرام کردیا گیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں اس کا اعلان فرمادیا۔ (صحیح بخاری) اب رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص حرم کے اندر ہی کوئی ایسا جرم کرے جس پر حد یا قصاص شرعاً عائد ہوتا ہے تو حرم اس کو امن نہیں دیگا بلکہ اس پر باجماع امت حدود و قصاص جاری کئے جائیں گے۔ (احکام القرآن جصاص و قرطبی) کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے فان قاتلوکم فاقتلوھم "یعنی اگر تم سے لوگ حرم میں قتال کرنے لگیں تو تم بھی وہیں ان کو قتل کردو"

البتہ یہاں ایک مسئلہ ائمہ مجتہدین میں مختلف فیہ ہے' وہ یہ کہ کوئی شخص باہر سے جرم کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا' اس میں بعض ائمہ اس پر بھی حرم میں حدود و قصاص کی سزائیں جاری کرنے کا حکم دیتے ہیں' اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو سزا سے چھوڑنا تو نہیں' کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو جرائم کرکے سزا سے بچنے کا راستہ کھل جائے گا' اور عالم میں فساد برپا ہوجائے گا' اور حرم مجرموں کا ٹھکانا بن جائے گا' لیکن احترام حرم کے سبب حرم کے اندر سزا نہ دی جائے گی' بلکہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکلے' وہاں سے نکلنے کے بعد سزا جاری کی جائے گی۔

۳۔ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی' اس میں مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قدم مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا' اور جس کو تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ نے استعمال کیا تھا۔ (صحیح بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش دیکھا ہے' مگر لوگوں کے بکثرت چھونے اور ہاتھ لگانے سے اب وہ نشان ہلکا پڑ گیا ہے۔ (قرطبی)۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ سے مقام ابراہیم کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ پورا حرم مقام ابراہیم ہے' ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں جن کو مقام ابراہیم پر پڑھنے کا حکم اس آیت میں ہے' اس حکم کی تعمیل پورے حرم میں کسی جگہ بھی یہ رکعتیں پڑھنے سے ہو جائے گی' اس پر اکثر فقہاء امت متفق ہیں۔

۴۔ آیت مذکورہ میں مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا حکم ہے اس کی وضاحت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں بیت اللہ میں اپنے قول و عمل سے اس طرح فرمادی کہ آپؐ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس پہنچے جو بیت اللہ کے سامنے تھوڑے فاصلہ سے رکھا ہوا ہے وہاں پہنچ کر یہ آیت تلاوت فرمائی: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی اور پھر مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا استقبال ہو جائے۔ (صحیح مسلم) اسی لئے فقہاء امت نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو مقام ابراہیم کے پیچھے مصلا جگہ نہ ملے وہ کتنے ہی فاصلے پر بھی جب اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم بھی اس کے سامنے رہے اور بیت اللہ بھی تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔ ۵۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں واجب ہیں۔ (جصاص مناسک ملا علی قاری)

البتہ ان دو رکعتوں کا خاص مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا سنت ہے' اور حرم میں کسی دوسری جگہ بھی ادا کرے تو کافی ہوگا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان رکعتوں کا بیت اللہ کے دروازے سے متصل پڑھنا بھی ثابت ہے' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس جگہ پڑھنا منقول ہے۔ (جصاص) اور ملا علی قاری نے کتاب مناسک میں فرمایا ہے کہ یہ دو رکعت طواف تو واجب ہیں' اور سنت یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کی جائیں' لیکن اگر کسی وجہ سے وہاں ادا نہ کرسکا تو پھر حرم میں یا حرم سے باہر جہاں کہیں ممکن ہو ادا کرنے سے واجب ادا ہو جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حضرت

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایسا ہی اتفاق ہوا کہ ان کو واجب طواف نماز پڑھنے کا وہاں موقع نہ ملا تو مسجد حرام بلکہ مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بعد ادا کی' اور ضرورت حرم سے باہر ادا کرنے پر جمہور علماء کے نزدیک کوئی دم بھی واجب نہیں ہوتا' صرف امام مالک وجوب دم کے قائل ہیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

٦۔ طھرا بیتی اس میں بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے اور باطنی نجاسات کفر و شرک اور اخلاق رذیلہ بغض و حسد' حرص و ہوا' تکبر و غرور' ریا و نام و نمود سے پاکی بھی شامل ہے اور اس حکم طہارت کے لئے لفظ بیتی میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے۔ کیونکہ ساری مساجد بیوت اللہ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ فی بیوت اذن اللہ عن ترجع۔

حضرت فاروق اعظم نے مسجد میں ایک شخص کی آواز سنی تو فرمایا' تمہیں خبر نہیں کہ تم کہاں کھڑے ہو (قرطبی) یعنی مسجد کا ادب و احترام چاہیے' اس میں غیر مشروع آواز بلند نہیں کرنا چاہیے۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح بیت اللہ کا تمام ظاہری اور باطنی نجاسات سے پاک رکھنا ضروری ہے اسی طرح تمام مساجد کو بھی پاک رکھنا واجب ہے' یعنی مساجد میں داخل ہونے والوں پر لازم ہے کہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بھی تمام نجاسات اور بدبو کی چیزوں سے پاک صاف رکھیں اور اپنے دلوں کو شرک و نفاق اور تمام اخلاق رذیلہ' تکبر' حسد' بغض' حرص و ریاء وغیرہ کی نجاسات سے پاک کرکے داخل ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص پیاز' لہسن وغیرہ بدبودار چیز کھاکر مسجد میں نہ جائے' اور چھوٹے بچوں اور دیوانوں کو مسجدوں میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے کہ ان سے نجاست کا خطرہ رہتا ہے۔

۷۔ للطائفین والعکفین والرکع السجود آیت کے ان کلمات سے

چند احکام و فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ بناء بیت اللہ کا مقصد طواف' اعتکاف اور نماز ہے' دوسرے یہ کہ طواف نماز سے مقدم ہے (کماروی عن ابن عباس) تیسرے یہ کہ اطراف عالم سے جانے والے حجاج کے لئے طواف بہ نسبت نماز کے افضل ہے' چوتھے یہ کہ بیت اللہ کے اندر نماز علی الاطلاق جائز ہے فرض ہو یا نفل (جصاص)

واذ قال ابرھیم رب اجعل ھذا بلدا" امنا" وارزق اھله من الثمرت من امن منهم بالله والیوم الاخر۔ قال ومن کفر فامتعه قلیلا" ثم اضطره الی عذاب النار۔ وبئس المصیر○ واذ یرفع ابرھیم القواعد من البیت و اسمعیل -ربنا تقبل منا۔ انک انت السمیع العلیم ○ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امه مسلمه لک۔ وارنا مناسکنا وتب علینا۔ انک انت التواب الرحیم○

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر فرمایا اور جو کفر کرے اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبرا" بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی' اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا' اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

معارف و مسائل

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی راہ میں قربانیاں دیں۔ مال و منال اہل و عیال اور خود اپنے نفس کی خواہشات کو نظر انداز کر کے تعمیل

احکام ربانی میں مسارعت کے جو کارنامے پیش کئے وہ عجائب روزگار میں سے ہیں۔

اس کے ساتھ اہل و عیال پر شفقت و محبت ایک طبعی اور فطری امر ہونے کے ساتھ حکم ربانی بھی ہے۔ مذکور الصدر آیات اس کا مظہر ہیں انہوں نے اپنے اہل و عیال کے لئے دین و دنیا کی آسائش و راحت کے لئے دعائیں مانگی ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ئیں:۔ دعا کو شروع لفظ رب سے کیا ہے، جس کے معنی ہیں اے میرے پالنے والے " ان الفاظ میں دعا مانگنے کا سلیقہ سکھایا ہے، کہ خود یہ الفاظ حق تعالیٰ کی رحمت اور لطف و کرم کو متوجہ کرنے پر موثر دواعی ہیں۔ پھر سب سے پہلی دعا یہ فرمائی کہ اس چٹیل میدان کو جس میں آپ کے حکم کے مطابق میں نے اپنے اہل و عیال کو لا ڈالا ہے آپ ایک شہر بنادیں تاکہ یہاں کی سکونت میں ان کو وحشت نہ ہو اور ضروریات زندگی باسانی میسر آجائیں۔ یہی دعا سورۃ ابراہیم میں ھذا البلدا امنا کے الفاظ سے آئی ہے جس میں البلد کو الف لام کے ساتھ ذکر کیا ہے جو عربی زبان کی اصطلاح میں معرفہ کہلاتا ہے فرق کی وجہ غالباً" یہ ہے کہ پہلی دعا جو آیت سورۃ بقرہ میں بلدا" کے لفظ سے آئی ہے یہ اس وقت کی گئی ہے جب یہ جگہ جنگل تھی شہر بنا نہیں تھا۔ اس وقت بلد کو بغیر الف لام کے نکرہ استعمال کیا اور دوسری دعا بظاہر اس وقت کی ہے جب مکہ کی بستی بس گئی اور وہ شہر معروف بن گیا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ سورۃ ابراہیم کی آخری آیات میں ہے، الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمعیل واسحق جس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دعا حضرت اسحق کی پیدائش کے بعد کی ہے اور حضرت اسحق حضرت اسمٰعیل سے تیرہ سال بعد میں پیدا ہوئے (ابن کثیر)

دوسری دعا اس میں یہ ہے کہ اس شہر کو امن والا شہر بنادیجئے یعنی جو قتل و غارت گری سے کفار کے تسلط سے اور آفات سے مامون و محفوظ رہے۔

حضرت خلیل اللہ کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکہ مکرمہ ایک ایسا آباد شہر ہو گیا کہ اس کی اپنی آبادی کے علاوہ ساری دنیا کا مرجع بن گیا۔ اطراف عالم سے مسلمان وہاں پہنچنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور مامون و محفوظ بھی ہو گیا کہ بیت اللہ کے مخالف کسی قوم اور کسی بادشاہ کا اس پر تسلط نہیں ہو سکا۔ اصحاب فیل کا واقعہ خود قرآن میں مذکور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر حملے کا قصد کیا تو پورے لشکر کو تباہ و برباد کردیا گیا۔

یہ شہر قتل و غارت گری سے بھی برابر محفوظ چلا آیا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی زمانہ جاہلیت والے کتنی ہی خرابیوں اور کفر و شرک کی رسموں میں مبتلا ہونے کے باوجود بیت اللہ اور اس کے ماحول حرم کی تعظیم و تکریم کو ایسا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے کیسا ہی دشمن وہاں کسی کو مل جائے حرم میں اس سے قصاص یا انتقام نہ لیتے تھے بلکہ سکان حرم کی تعظیم و تکریم بھی پورے عرب میں عام تھی اسی لئے مکہ والے ملک شام اور یمن سے تجارتی در آمد و بر آمد کا سلسلہ رکھتے تھے اور کوئی ان کی راہ میں حائل نہ ہوتا تھا۔

حدود حرم میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بھی امن دیا ہے' اس میں شکار جائز نہیں' ایسا ہی جانوروں میں بھی یہ قدرتی احساس پیدا فرمادیا ہے' کہ حدود حرم میں آکر جانور اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے' کسی شکاری آدمی سے نہیں گھبراتا۔

حرم محترم کے مامون ہونے کے یہ احکام جو دعاء ابراہیمی کا نتیجہ ہیں زمانہ جاہلیت سے قائم چلے آتے تھے' اسلام اور قرآن نے ان کو اور زیادہ نکھارا' اور تقویت پہنچائی۔ حجاج ابن یوسف اور پھر قرامطہ کے ظلم و ستم اور بدکاریوں سے جو قتل و قتال حرم میں ہوا اول تو وہ خود اسلام کا نام لینے والوں کے ہاتھوں ہوا' کوئی کافر قوم حملہ آور نہ تھی' اور کوئی شخص خود اپنے گھر کو آگ لگائے تو وہ امن کے منافی نہیں' اس کے علاوہ یہ واقعات شاذہ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے لے کر آج تک ہزاروں سال کی مدت میں گنے چنے ہیں' اور قتل و قتال کے بعد ایسا کرنے والوں کا انجام بد بھی سب کے سامنے آگیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعاء ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایک مامون شہر اور تمام دنیا کے لئے امن کی جگہ قدرتی طور پر بھی بنادی ہے' یہاں تک کہ دجال کو بھی حرم میں داخل ہونے کی قدرت نہ ہوگی' اور شرعی طور پر بھی یہ احکام جاری فرمادیئے کہ حرم میں باہمی قتل و قتال تو کیا جانوروں کا شکار بھی حرام کردیا گیا۔

تیسری دعا یہ فرمائی کہ اس شہر کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے۔ مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کی زمین نہ کسی باغ و چمن کی متحمل تھی' نہ وہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان تھا' مگر حق تعالیٰ نے دعاء ابراہیمی کو قبول فرمایا' اور مکہ کے قریب ہی طائف کا ایک ایسا خطہ بنادیا جس میں ہر طرح کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے اور مکہ مکرمہ آکر فروخت ہوتے ہیں' بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف دراصل ملک شام کا خطہ تھا' جس کو بحکم خداوندی جبرئیل امین نے یہاں منتقل کردیا۔

حکمت ابراہیمی:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ نہیں فرمایا کہ مکہ اور اس کے ماحول کو گلزار اور پھلوں کی زمین یا قابل کاشت بنادیجئے' بلکہ دعا یہ فرمائی کہ یہ چیزیں پیدا کہیں اور ہوں مگر مکہ میں پہنچا کریں' اس میں شاید یہ راز ہو کہ حضرت خلیل یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد کاشتکاری یا باغبانی کے کاموں مشغول ہوجائے' کیونکہ ان کو اس جگہ آباد کرنے کا منشاء تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود یہ فرمایا ربنا لیقیموا الصلوۃ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اپنی اولاد کا اصل مشغلہ بیت اللہ کی حفاظت اور نماز کو رکھنا چاہتے ہیں' ورنہ کیا مشکل تھا کہ خود مکہ مکرم کو ایسا گلزار بنادیا جاتا کہ دمشق و بیروت اس پر رشک کرتے۔

رزق ثمرات تمام ضروریات زندگی کو شامل ہے:۔ لفظ ثمرات جو ثمرہ کی جمع ہے اس کے معنی پھل کے ہیں' اور بظاہر اس سے مراد درختوں کے پھل ہیں' لیکن سورۃ قصص آیت نمبر۵۷ میں اس دعاء کی قبولیت کا اظہار ان الفاظ میں فرمادیا ہے۔ یجبی الیہ ثمرات کل شئی ان الفاظ میں ایک تو اس کی تصریح ہے کہ خود مکہ میں یہ پھل پیدا کرنے کا وعدہ نہیں' بلکہ دوسرے مقامات سے یہاں لائے جایا کریں گے' کیونکہ لفظ یجبی کا یہی مفہوم ہے' دوسرے ثمرات کل شجر نہیں فرمایا' بلکہ ثمرات کل شئی فرمایا' اس تغیر لفظی سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہاں ثمرات کو عام کرنا مقصود ہے' کیونکہ ثمرہ عرف میں ہر چیز سے حاصل ہونے والی پیداوار کو کہا جاتا ہے' درختوں سے پیدا ہونے والے پھل جس طرح اس میں داخل ہیں اسی طرح مشینوں سے حاصل ہونے والا کل سامان بھی مشینوں کے ثمرات ہیں' اسی طرح مختلف دستکاریوں سے بننے والا سامان ان دستکاریوں کے ثمرات ہیں' اس طرح ثمرات کل شئی میں تمام ضروریات زندگی داخل ہوجاتی ہیں' اور حالات و واقعات کا مشاہدہ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ ارض حرم کو نہ کاشت کی زمین بنایا ہے نہ صنعتکاری کی' لیکن دنیا بھر میں پیدا ہونے والی..... اور بننے والی چیزیں یہاں عام طور پر مل جاتی ہیں' اور یہ بات شاید آج بھی کسی بڑے سے بڑے تجارتی یا صنعتی شہر کو حاصل نہ ہو کہ دنیا بھر کی مصنوعات بکثرت و باسانی وہاں مل جاتی ہیں۔

حضرت خلیل اللہ کی احتیاط:۔ اس آیت میں جبکہ اہل مکہ کے لئے امن اور فراخی عیش کی دعاء کی گئی' تو ان میں مومن کافر سب داخل تھے' اور اس سے پہلے حضرت خلیل اللہ نے جب ایک دعاء میں اپنی پوری ذریت کو بغیر امتیاز مومن و کافر جمع کیا تھا' تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد آیا تھا کہ یہ دعاء مومنوں کے حق میں قبول ہے' ظالم مشرکوں کے حق میں قابل قبول نہیں' وہ

دعاء تھی امامت و اقتدار کی۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو جو مقام خلت پر فائز اور خشیتہ اللہ سے لبریز تھے' اس جگہ بھی وہ بات یاد آئی تو اپنی دعاء میں یہ قید لگادی کہ یہ معاشی خوش حالی اور امن و امان کی دعاء صرف مومنین کے لئے کرتا ہوں' حق تعالیٰ کی طرف سے اس خشیت واحتیاط کی قدر کی گئی اور فرمایا ومن کفر یعنی یہ دنیوی خوش حالی اور اقتصادی فراخی ہم سبھی اہل مکہ کو عطا کریں گے 'اگرچہ وہ ظالم مشرک و کافر ہوں' البتہ مومنین کی یہ خوش حالی جس طرح دنیا میں دی جائے گی اسی طرح آخرت میں بھی عطا ہوگی' اور کافروں کو آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

اپنے نیک عمل پر بھروسہ اور قناعت نہ کرنے کی تعلیم:۔ ربنا تقبل منا' حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم ربانی کی تعمیل میں ملک شام کے ہرے بھرے خوش منظر خطہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ کے خشک پہاڑوں کے درمیان اپنے اہل و عیال کو لاڈالا' اور بیت اللہ کی تعمیر میں اپنی پوری توانائی خرچ کی۔ یہ موقع ایسا تھا کہ ایسے مجاہدے کرنے والے کے دل میں عجب پیدا ہوتا تو وہ اپنے عمل کو بہت کچھ قابل قدر سمجھتا' لیکن یہاں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ہیں' رب العزت کی بارگاہ عزت وجلال کو پہچاننے والے ہیں کہ کسی انسان سے اللہ تعالیٰ کے شایان شان عبادت و اطاعت ممکن نہیں' ہر شخص اپنی قوت و ہمت کی مقدار سے کام کرتا ہے' اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا عمل کرے تو اس پر ناز نہ کرے' بلکہ الحاح و زاری کے ساتھ دعاء کرے کہ میرا یہ عمل قبول ہوجائے' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بناء بیت اللہ کے عمل کے متعلق یہ دعاء فرمائی کہ "اے ہمارے پروردگار آپ ہمارے اس عمل کو قبول فرمالیں' کیونکہ آپ تو سننے والے اور جاننے والے ہیں' ہماری دعاء کو سنتے ہیں اور ہماری نیتوں کو جانتے ہیں۔"

ربنا واجعلنا مسلمین لک' یہ دعا بھی اسی معرفت و خشیت کا نتیجہ ہے'

جو حضرت خلیل کو حاصل تھی' کہ اطاعت و فرمانبرداری کے بے مثال کارنامے بجالانے کے بعد بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنالیجئے" وجہ یہ ہے کہ جتنی کسی کو حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی جاتی ہے' اتنا ہی اس کا یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ ہم حق وفاداری ور حق فرمانبرداری پورا ادا نہیں کررہے۔

ومن ذریتنا' اس دعاء میں بھی اپنی اولاد کو شریک فرمایا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اولاد کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے' ان کو اپنی اولاد سے کس قدر محبت ہوتی ہے' مگر اس محبت کے صحیح تقاضوں کو پورا کرتے ہیں جہاں تک عوام کی رسائی نہیں' عوام تو اولاد کی صرف جسمانی صحت و راحت کو جانتے ہیں' ان کی ساری شفقت و راحت اسی کے گرد گھومتی ہے' مگر اللہ کے مقبول بندے جسمانی سے زیادہ روحانی اور دنیوی سے زیادہ اخروی راحت کی فکر کرتے ہیں' اس لئے دعاء فرمائی کہ میری اولاد میں سے ایک جماعت کو پورا فرمانبردار بنادیجئے' اپنی ذریت کے لئے دعاء میں ایک حکمت اور بھی ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ قوم میں بڑے مانے جاتے ہیں ان کی اولاد اگر ان کے راستہ پر قائم رہے تو عوام میں ان کی مقبولیت فطری ہوتی' انکی صلاحیت صلاح عوام کا ذریعہ بنتی ہے۔ (بحر محیط)

حضرت خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی کہ آپ کی ذریت میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہے ہیں جو دین حق پر قائم اور اللہ کے فرمانبردار بندے تھے۔ جاہلیت عرب میں جبکہ پوری دنیا کو خصوصاً عرب کو شرک و بت پرستی نے گھیر لیا تھا' اس وقت اولاد ابراہیم میں ہمیشہ کچھ لوگ عقیدہ توحید و آخرت کے سچے معتقد اور اطاعت شعار رہے ہے' جیسے اہل جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے' رسول کریم ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب بن ہاشم کے متعلق بھی یہی روایت ہے کہ وہ شرک و بت پرستی سے بیزار تھے۔ (بحر محیط)

ارنا مناسکنا' مناسک' منسک کی جمع ہے' اعمال حج کو بھی مناسک حج کہاجاتا ہے' اور مقامات حج عرفہ' منیٰ' مزدلفہ کو بھی' یہاں دونوں مراد ہوسکتے ہیں' اور دعا کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اعمال حج اور مقامات حج پوری طرح سمجھادیجئے' اسی لئے لفظ ارنا استعمال فرمایا جس کے معنی ہیں ''ہمیں دکھلادیجئے'' وہ دیکھنا آنکھوں سے بھی ہوسکتا ہے اور قلب سے بھی' چنانچہ مقامات حج کو بذریعہ جبرئیل امین دکھلاکر متعین کردیا گیا' اور احکام حج کی واضح تلقین و تعلیم فرمادی گئی۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتک ویعلمھم الکتاب والحکمہ ویزکیھم ط انک انت العزیز الحکیم○

ترجمہ:۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلائے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

حل لغات:۔ یتلواعلیھم ایتک' امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ لفظ تلاوت صرف کلام الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے دوسرے کسی کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہہ سکتے' ویعلمھم الکتب اس میں کتاب سے مراد کتاب اللہ ہے' اور الحکمہ کا لفظ عربی لغت میں کئی معنے کے لئے آتا ہے' حق بات پر پہنچنا' عدل و انصاف' علم وحلم وغیرہ (قاموس) امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں' اور جب غیراللہ کے لئے بولا جائے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں' اور لفظ حکمت عربی زبان میں کئی معنی کے لئے بولا جاتا ہے' علم صحیح' نیک عمل' عدل و انصاف' قول صادق وغیرہ۔ (قاموس و راغب)

اس لئے دیکھنا ہے کہ اس آیت میں لفظ حکمت سے کیا مراد ہے' مفسرین

صحابہ و تابعین جو معانی قرآن کی تشریح آنحضرت ﷺ سے سیکھ کر کرتے ہیں' اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں' لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے' یعنی سنت رسول اللہ ﷺ' امام تفسیر ابن کثیر وابن جریر نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا' اور کسی نے کہا کہ ایسے احکام الہیہ کا علم جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہوسکتے ہیں' ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث وسنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

لفظ یزکیھم زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں طہارت اور پاکی' اور یہ لفظ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے۔

فوائد ومسائل

تشریح مذکور سے آیت کا مفہوم واضح ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آئندہ نسل کی فلاح دنیا و آخرت کے واسطے حق تعالیٰ سے یہ دعاء کی کہ میری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجئے جو ان کو آپ کی آیات تلاوت کرکے سنائے اور قرآن و سنت کی تعلیم دے' اور ان کو ظاہری وباطنی گندگیوں سے پاک کرے' اس میں حضرت خلیل اللہ نے اس رسول کے لئے اپنی اولاد میں ہونے کی اس لئے دعاء فرمائی کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لئے سعادت و شرف ہے' دوسرے ان لوگوں کے لئے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ رسول جب انہی کی قوم اور برادری کے اندر ہوگا' تو اس کے چال و چلن سیرت وحالات سے یہ لوگ بخوبی واقف ہوں گے' کسی دھوکہ فریب میں مبتلا نہ ہوں گے' حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس دعا کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ آپ کی دعاء قبول کرلی گئی' اور یہ رسول آخری زمانہ میں بھیجے جائیں گے۔ (ابن جریر وابن کثیر)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا، جبکہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا، اور میں آپ لوگوں کو اپنے معاملہ کی ابتداء بتلاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد ان کا یہ قول ہے: مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد، اور والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے، پھر قرآن میں حضور ﷺ کی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے دو جگہ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ اور سورۃ جمعہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں یہاں مذکور ہیں، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسولؐ کے بھیجنے کی دعاء فرمائی تھی وہ آنحضور ﷺ ہی ہیں، آیت کے الفاظ کی تشریح اور اس کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اس پر غور کیجئے،

سورۃ بقرہ کی اس آیت میں اور سورۃ آل عمران اور سورۃ جمعۃ کی آیات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک ہی مضمون ایک ہی طرح کے الفاظ میں آیا ہے، جن میں آنحضرت ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ ﷺ کے عہدہ نبوت و رسالت کے فرائض منصبی تین بیان کئے گئے ہیں، ایک تلاوت آیات، دوسرے تعلیم کتاب و حکمت تیسرے لوگوں کا تزکیہ اخلاق وغیرہ۔

یہاں پہلی بات قابل غور ہے کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے، اور تعلیم کا معانی سے، یہاں تلاوت و تعلیم کو الگ الگ بیان کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ قرآن کریم میں جس طرح معانی مقصود ہیں، اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود

ہیں' ان کی تلاوت و حفاظت فرض اور اہم عبادت ہے' یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد اور مخاطب خاص وہ حضرات تھے جو عربی زبان کے نہ صرف جاننے والے بلکہ اس کے فصیح وبلیغ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کے سامنے قرآن عربی کا پڑھ دینا بھی بظاہر انکی تعلیم کے لئے کافی تھا' ان کو الگ سے ترجمہ و تفسیر کی ضرورت نہ تھی' تو پھر تلاوت ایک علیحدہ مقصد اور تعلیم کتاب کو جداگانہ دوسرا مقصد رسالت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی' جبکہ عمل کے اعتبار سے یہ دونوں مقصد ایک ہی ہوجاتے ہیں' اس میں غور کیا جائے تو دو اہم نتیجے آپ کے سامنے آئیں گے' اول یہ کہ قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب نہیں جس میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں۔ الفاظ ایک ثانوی حیثیت رکھتے ہیں' ان میں اگر معمولی تغیروتبدل بھی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں سمجھاجاتا' ان کے الفاظ بغیر معنی سمجھے ہوئے پڑھتے رہنا بالکل لغووفضول ہے بلکہ قرآن کریم کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں' اور الفاظ قرآن کے ساتھ خاص خاص احکام شرعیہ بھی متعلق ہیں' یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ میں قرآن کریم کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ ھوالنظم والمعنی جمیعا یعنی قرآن نام ہے الفاظ اور معنی دونوں کا جس سے معلوم ہوا کہ اگر معانی قرآن کو الفاظ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یا دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں' اگرچہ مضامین بالکل صحیح درست ہی ہوں' ان مضامین قرآنیہ کو بدلے ہوئے الفاظ میں اگر کوئی شخص نماز میں پڑھ لے' تو نماز ادا نہ ہوگی' اسی طرح وہ تمام احکام جو قرآن سے متعلق ہیں اس پر عائد نہیں ہوں گے' قرآن کریم کی تلاوت کا جو ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے' وہ بدلی ہوئی زبان یا بدلے ہوے الفاظ پر مرتب نہیں ہوگا' اور اس لئے فقہائے امت نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ بلامتن قرآن کے لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا ہے جس کو عرف میں اردو کا

قرآن یا انگریزی کا قرآن کہدیا جاتا ہے' کیونکہ درحقیقت جو قرآن اردو یا انگریزی میں نقل کیا گیا وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب سے علیحدہ تلاوت آیات کو جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ قرآن کریم میں جس طرح اس کے معانی مقصود ہیں' اسی طرح اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں' کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے' معانی کی نہیں' اسی لئے جس طرح رسول کے فرائض میں معانی کی تعلیم داخل ہے' اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے' اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے' محض اس کے الفاظ رٹ لینے پر قناعت کر کے بیٹھ جانا قرآن کریم کی حقیقت سے بے خبری اور اس کی بے قدری ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ جب تک قرآن کریم کے الفاظ کے معانی نہ سمجھے طوطے کی طرح اس کے الفاظ پڑھنا فضول ہے' یہ میں اس لئے واضح کررہا ہوں کہ آج کل بہت سے حضرات قرآن کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنی نہ سمجھیں تو اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا وقت ضائع کرنا ہے' مگر قرآن کریم میں ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے' کیونکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے' جس طرح ان کے معانی کا سمجھنا اور اس کے دیئے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلی عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل عبادت اور ثواب عظیم ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام جو معانی قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے تھے' انہوں نے محض معنی سمجھ لینے اور عمل کرلینے کو کافی نہ سمجھا' سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ

پڑھ لینا کافی ہوتا' انہوں نے ساری عمر تلاوت قرآن کو حرز جان بنائے رکھا' بعض صحابہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے' بعض دو دن میں اور اکثر حضرات تین دن میں ختم قرآن کے عادی تھے' اور ہر ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کا تو پوری امت کا معمول رہا ہے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں اسی ہفتہ داری معمول کی علامت ہیں' رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ عمل بتلارہا ہے کہ جس طرح قرآن کے معانی کا سمجھنا اور عمل کرنا اصلی عبادت ہے' اسی طرح اس کے الفاظ کی بھی تلاوت بجائے خود ایک اعلی عبادت اور موجب انواروبرکات اور سرمایہ سعادت و نجات ہے' اس لئے رسول اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات ایک مستقل حیثیت دی گئی' مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان فی الحال معانی قرآن کو نہیں سمجھتے وہ اس بد نصیبی میں مبتلا نہ ہوجائیں کہ الفاظ کو فضول سمجھ کر اس سے بھی محروم ہوجائیں' کوشش کرتے رہنا ضروری ہے کہ وہ قرآن کے معانی کو سمجھیں تاکہ قرآن کریم کے حقیقی انواروبرکات کا مشاہدہ کریں اور نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا ہو' قرآن کو معاذ اللہ جنتر منتر کی طرح صرف جھاڑ پھونک میں استعمال کی چیز نہ بنائیں اور بقول اقبال مرحوم سورۃ یٰسٓ کو صرف اس کام کے لئے نہ سمجھیں کہ اس کے پڑھنے سے مرنے والے کی جان سہولت سے نکل جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں فرائض رسول بیان کرتے ہوئے تلاوت آیات کو مستقل فرض کی حیثیت دے کر اس پر تنبیہہ کردی گئی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک اس لب و لہجہ میں پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں' ایک مستقل فرض ہے' اسی طرح تلاوت آیات کے فرض کے ساتھ تعلیم کتاب کو جداگانہ فرض قرار دینے سے ایک دوسرا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن فہمی کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ تعلیم رسول کی ضرورت ہے جیسے کہ تمام علوم وفنون میں یہ بات

معلوم و مشاہد ہے کہ کسی فن کی کتاب کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے محض اس کتاب کی زبان جاننا بلکہ زبان کا ماہر ہونا بھی کافی نہیں' جب تک کہ اس فن کو کسی ماہر استاذ سے حاصل نہ کیا جائے' مثلاً" آج کل ڈاکٹری' ہومیوپیتھک اور ایلوپیتھک کی کتابیں عموماً" انگریزی زبان میں ہیں' لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ محض انگریزی زبان میں مہارت پیدا کرلینے اور ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کرلینے سے کوئی شخص ڈاکٹر نہیں بن سکتا' انجینئرنگ کی کتابیں پڑھنے سے کوئی انجینئر نہیں بن سکتا' بڑے فنون تو اپنی جگہ پر ہیں' معمولی روزمرہ کے کام محض کتاب کے مطالعہ سے بغیر استاد سے سیکھے ہوئے حاصل نہیں ہوسکتے' آج تو ہر صنعت و حرفت پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں' فوٹو دے کر کام سکھانے کے طریقے بتائے ہیں' لیکن ان کتابوں کو دیکھ کر نہ کوئی درزی بنتا ہے نہ باورچی یا لوہار' اگر محض زبان جان لینا کسی فن کے حاصل کرنے اور اس کی کتاب سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دنیا کے سب فنون اس شخص کو حاصل ہوجاتے جو ان کتابوں کی زبان جانتا ہے' اب ہر شخص غور کرسکتا ہے کہ معمولی فنون اور ان کے سمجھنے کے لئے جب محض زبان دانی کافی نہیں' تعلیم استاد کی ضرورت ہے تو مضامین قرآن جو علوم الہیہ سے لے کر طبعیات' فلسفہ تک تمام گہرے دقیق علوم پر مشتمل ہے وہ محض عربی زبان جان لینے سے کیسے حاصل ہوسکتے ہیں' اور اگر یہی ہوتا تو جو شخص عربی زبان سیکھ لے وہ معارف قرآن کا ماہر سمجھا جائے تو آج بھی ہزاروں یہودی اور نصرانی عرب ممالک میں عربی زبان کے بڑے ماہر ادیب ہیں وہ سب سے بڑے مفسر قرآن مانے جاتے' اور عہد رسالتؐ میں ابوجہل' ابولہب قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔

غرض یہ ہے کہ قرآن کریم نے ایک طرف تو رسول کے فرائض میں تلاوت آیات کو ایک مستقل فرض قرار دیا' دوسری طرف تعلیم کتاب کو جداگانہ فرض قرار دے کر بتلادیا کہ محض تلاوت آیات کا سن لینا فہم قرآن کے

لئے عربی زبان جاننے والوں کے واسطے بھی کافی نہیں' بلکہ تعلیم رسول ہی کے ذریعہ قرآنی تعلیم کا صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے' قرآن کو تعلیمات رسول سے جدا کرکے خود سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں' اگر مضامین قرآنی کو بتلانے سکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو رسول کو بھیجنے ہی کی کوئی حاجت نہ تھی' اللہ کی کتاب کسی دوسری طرح بھی انسانوں تک پہنچائی جاسکتی تھی' مگر اللہ تعالیٰ علیم و حلیم ہیں' وہ جانتے ہیں کہ مضامین قرآنی کی تعلیم و تفہیم کے لئے دنیا کے دوسرے علوم و فنون سے زیادہ تعلیم استاد کی ضرورت ہے' اور یہاں پر عام استاد بھی کافی نہیں' بلکہ ان مضامین کا استاد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے بذریعہ وحی شرف ہمکلامی حاصل ہو' جس کو اسلام کی اصطلاح میں نبی و رسول کہا جاتا ہے' اس لئے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معانی واحکام کی شرح کرکے بیان فرمائیں' ارشاد ہے لتبین للناس مانزل الیھم یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں" تعلیم کتاب کے ساتھ آپ کے فرائض میں دوسری چیز تعلیم حکمت بھی رکھی گئی ہے' اور میں نے اوپر بتلایا ہے کہ حکمت کے عربی زبان کے اعتبار سے اگرچہ کئی معنی ہو سکتے ہیں' لیکن اس آیت میں اور اس کے ہم معنی دوسری آیات میں صحابہ و تابعین نے حکمت کی تفسیر سنت رسول اللہ ﷺ سے کی ہے' جس سے واضح ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے ذمہ جس طرح معانی قران کا سمجھانا بتلانا فرض ہے' اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے' ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے اور اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انما بعثت معلما" ۔میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اور یہ ظاہر ہے کہ جب آپ کا مقصد وجود معلم ہونا ہے' تو آپ کی امت کا مقصد وجود متعلم اور طالب ہونا لازم ہوگیا اس لئے ہر مسلمان مرد و

عورت بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک طالب علم ہونا چاہئے جس کو تعلیمات رسول کریم ﷺ کی لگن ہو' اگر علوم قرآن و سنت کی مکمل تحصیل اور اس میں مہارت کے لئے ہمت و فرصت نہیں ہے تو کم از کم بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کی فکر چاہئے۔

تیسرا فرض آنحضرت ﷺ کے فرائض منصبی میں تزکیہ ہے' جس کے معنی ہیں' ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا' ظاہری نجاسات سے تو عام مسلمان واقف ہیں' باطنی نجاسات کفر اور شرک' غیراللہ پر اعتماد کلی اور اعتقاد فاسدہ' نیز تکبر و حسد' بغض' حب دنیا وغیرہ ہیں' اگرچہ علمی طور پر قرآن و سنت کی تعلیم میں ان سب چیزوں کا بیان آگیا ہے' لیکن تزکیہ کو آپ کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کردیا گیا' کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے میں کوئی فن حاصل نہیں ہوتا' اسی طرح نظری و علمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی مشق کرکے عادت نہ ڈالے۔ سلوک و تصوف میں کسی شیخ کامل کی تربیت کا یہ مقام ہے کہ قرآن و سنت میں جن احکام کو علمی طور پر بتلایا گیا ہے ان کو عملی طور پر عادت ڈالی جائے۔

اب اس سلسلہ کی دو باتیں اور قابل نظر ہیں۔ اول یہ کہ اللہ جل شانہ نے ابتدا آفرینش سے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے ہمیشہ ہر زمانے میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک دو سلسلے جاری رکھے ہیں' ایک آسمانی کتابوں کا دوسرے اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا۔ جس طرح محض کتاب نازل فرمادینے کو کافی نہیں سمجھا' اسی طرح محض رسولوں کے بھیجنے پر بھی اکتفا نہیں فرمایا' بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے۔ اللہ جل شانہ کی اس عادت اور قرآن کریم کی شہادت نے قوموں کی صلاح و فلاح کے لئے ان دونوں سلسلوں کو یکساں طور پر جاری فرماکر ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا کہ انسان کی صحیح

تعلیم و تربیت کے لئے نہ صرف کتاب کافی ہے' نہ کوئی مربی انسان' بلکہ ایک طرف آسمانی ہدایات اور الٰہی قانون کی ضرورت ہے جس کا نام کتاب یا قرآن ہے' دوسری طرف ایک معلم اور مربی انسان کی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم و تربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایات سے روشناس کرکے ان کا خوگر بنائے' کیونکہ انسان کا اصلی معلم انسان ہی ہوسکتا ہے' کتاب معلم یا مربی نہیں ہوسکتی' ہاں تعلیم و تربیت میں معین و مددگار ضرور ی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام کی ابتداء ایک کتاب اور ایک رسول سے ہوئی' اور ان دونوں کے امتزاج نے ایک صحیح اور اعلیٰ مثالی معاشرہ دنیا میں پیدا کردیا' اسی طرح آگے آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایک طرف شریعت مطہرہ اور دوسری طرف رجال اللہ کا سلسلہ رہا' قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی ہدایتیں دی ہیں' ایک جگہ ارشاد ہوا:

یایھاالذین امنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین ط

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔"

دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف بیان کرکے فرمایا:

اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ط

"اور یہی لوگ سچے ہیں' اور یہی ہیں پرہیزگار۔"

پورے قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے' اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔ یہاں بھی صراط مستقیم کا پتہ دینے کے لئے بجائے اس کے کہ صراط القرآن یا صراط الرسول یا صراط السنۃ فرمایا جاتا' کچھ اللہ والے لوگوں کا پتہ دیا گیا کہ ان سے صراط مستقیم حاصل کی جائے' ارشاد ہوا:

صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ۝

"یعنی صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے نہ کہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہوگئے۔"

دوسری جگہ ان کی مزید تعیین اور توضیح قرآن میں وارد ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے فاولٰئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصلحین اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنے بعد کے لئے کچھ حضرات کے نام متعین کرکے دینی معاملات میں آپ کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے:

یاایھاالناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔ (ترمذی)

"اے لوگوں میں تمہارے لئے اپنے بعد میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں' اور دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہنا تو تم گمراہ نہ ہوگے' ایک کتاب اللہ دوسری میری اولاد اور اہل بیت"۔

اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے:

اقتدوابالذین من بعدی ابی بکروعمر

"یعنی میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اتباع کرو۔"

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین۔

"میرے طریقہ کو اختیار کرو' اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان ہدایات اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قوموں کی اصلاح و تربیت کے لئے ہر قرن ہر زمانے میں دو چیزیں ضروری ہیں قرآنی ہدایات اور ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا سلیقہ حاصل کرنے کے لئے ماہرین شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم و تربیت' اور اگر مختلف علوم و فنون اور ان کے سیکھنے سکھانے کے طریقوں پر ناقدانہ نظرڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اصول تعلیم و تربیت کچھ دین اور دینیات ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام علوم و فنون کی

صحیح تحصیل اسی پر دائر ہے کہ ایک طرف ہر فن کی بہترین کتابیں ہوں تو دوسری طرف ماہرین کی تعلیم و تربیت، ہر علم و فن کی ترقی و تکمیل کے یہی دو بازو ہیں، لیکن دین اور دینیات میں ان دونوں بازوؤں سے فائدہ اٹھانے میں بہت سے لوگ افراط و تفریط کی غلط روش میں پڑ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ بجائے فائدہ اٹھانے کے نقصان اور بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے۔

بعض لوگ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے صرف علماء و مشائخ ہی کو قبلہ مقصود بنا لیتے ہیں اور ان کے متبع شریعت ہونے کی تحقیق نہیں کرتے، اور یہ اصلی مرض یہود و نصاری کا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا معبود اور قبلہ مقصود بنالیا"۔ ظاہر ہے کہ یہ راستہ شرک و کفر کا ہے اور لاکھوں انسان اس راستہ میں برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں اس کے مقابلہ میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو علوم قرآن و حدیث کے حاصل کرنے میں کسی معلم و مربی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے نہ ماہر علماء کی ضرورت، نہ تربیت یافتہ مشائخ کی حاجت۔ یہ دوسری گمراہی ہے، جس کا نتیجہ دین و ملت سے نکل کر نفسانی اغراض کا شکار ہونا ہے کیونکہ ماہرین کی امداد و اعانت کے بغیر کسی فن کا صحیح حاصل ہو جانا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ ایسا کرنے والا یقیناً" غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے اور یہ غلط فہمی بعض اوقات اس کو دین و ملت سے بالکل نکال دیتی ہے۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ان دو چیزوں کو اپنے اپنے مقامات اور حدود میں رکھ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ حکم اصل میں صرف ایک وحدہ لاشریک لہ کا ہے اور اطاعت اصل میں اسی کی ہے رسول بھی اس پر عمل کرنے اور کرانے کا ایک ذریعہ ہے، رسول کی اطاعت بھی محض اسی نظر سے کی جاتی ہے کہ وہ بعینہ اللہ جل شانہ کی اطاعت ہے ہاں اس کے ساتھ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اور ان کے احکام پر عمل کرنے میں جو علمی یا عملی مشکلات سامنے

آئیں اس کے لئے ماہرین کے قول و فعل سے امداد لینے کو سرمایہ سعادت و نجات سمجھنا ضروری ہے۔ آیت مذکورہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب کو داخل فرمانے سے ایک دوسرا فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب قرآن فہمی کے لئے تعلیم رسول ضروری ہے اس کے بغیر قرآن پر صحیح عمل ناممکن ہے تو جس طرح قرآن قیامت تک محفوظ ہے اس کا ایک ایک زیر و زبر محفوظ ہے ضروری ہے کہ تعلیمات رسول بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں' ورنہ محض الفاظ قرآن کے محفوظ رہنے سے نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں جن کو سنت یا حدیث رسول کہا جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کا وہ اللہ جل شانہ کی طرف سے اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہے جس درجہ کی حفاظت قرآن کے لئے موعود ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون○

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیر زبر تک بالکل محفوظ چلے آئے ہیں' اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپؐ کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیت مذکورہ کی رو سے لازمی ہے' اور بحمد اللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں۔ جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا غلط روایات کی آمیزش کی گئی ماہرین سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت اہل حق اور اہل علم قائم رہے گی جو قرآن و حدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور ان میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن پر عمل کرنے کے لئے تعلیم رسولؐ ضروری ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پر عمل قیامت تک فرض ہے تو لازم ہے کہ قیامت تک تعلیمات رسولؐ بھی باقی اور محفوظ رہیں۔ اس لئے آیت میں تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک باقی اور محفوظ رہنے کی بھی پیشگوئی موجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے لے کر آج تک علم حدیث کے ماہر علماء اور مستند کتابوں کے ذریعہ محفوظ رکھا ہے۔ اس سے اس دجل والحاد کی حقیقت کھل جاتی ہے جو آج کل بعض لوگوں نے احکام اسلام سے جان بچانے کے لئے یہ بہانہ تراشا ہے کہ موجودہ ذخیرہ حدیث محفوظ اور قابل اطمینان نہیں ہے ' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذخیرہ حدیث سے اعتماد اٹھ جائے تو قرآن پر بھی اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

آیت مذکورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرض منصبی تزکیہ قرار دیا ہے۔ تزکیہ کے معنی باطنی نجاسات اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے' یعنی شرک و کفر اور عقائد فاسدہ سے نیز برے اخلاق تکبر' حرص و طمع' بغض و حسد' حب مال وجاہ وغیرہ سے پاک کرنا تزکیہ کو تعلیم سے جدا کرکے مستقل مقصد رسالت اور رسول کا فرض منصبی قرار دینے میں اس طرف اشارہ ہے تعلیم کتنی ہی صحیح ہو محض تعلیم سے عادۃ" اصلاح اخلاق نہیں ہوتی جب تک کسی تربیت یافتہ مربی کے زیر نظر عملی تربیت حاصل نہ کرے' کیونکہ تعلیم کا کام درحقیقت سیدھا اور صحیح راستہ دکھلادینا ہے مگر ظاہر ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے محض راستہ جان لینا تو کافی نہیں جب تک ہمت کرکے قدم نہ اٹھائے اور راستہ نہ چلے' اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی صحبت اور اطاعت کے اور کچھ نہیں' ورنہ سب کچھ جاننے سمجھنے کے بعد بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت و توفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی' اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا' اسی کا نام تزکیہ ہے۔ قرآن کریم نے تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت کو بتلایا ہے' کیونکہ محض تعلیم اور ظاہری تہذیب تو ہر قوم اور ہر ملت میں کسی نہ کسی صورت سے کامل یا ناقص طریق پر ضروری سمجھی جاتی ہے' ہر مذہب و ملت اور ہر سوسائٹی میں اس کو انسانی ضروریات میں داخل سمجھا جاتا ہے اس میں اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور مکمل تعلیم پیش کی جو انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر عائلی پھر قبائلی زنگی اور اس سے آگے بڑھ کر سیاسی و ملکی زندگی پر حاوی اور بہترین نظام کی حامل ہے جس کی نظیر دوسری ااقوام ملل میں نہیں پائی جاتی اس کے ساتھ تزکیہ اخلاق اور باطنی طہارت ایک ایسا کام ہے جس کو عام اقوام اور سوسائٹیوں نے سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے۔ انسانی لیاقت و استعداد کا معیار اس کی تعلیمی ڈگریاں سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں ڈگریوں کے وزن کے ساتھ انسانوں کا وزن گھٹا بڑھتا ہے۔ اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ضمیمہ لگا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا۔

جو خوش نصیب حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زیر تعلیم رہے' تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا باطنی تزکیہ بھی ہوتا گیا۔ اور جو جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین آپؐ کی زیر تربیت تیار ہوئی' ایک طرف ان کی عقل و دانش اور علم و حکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے اس کے سامنے گرد ہوگئے' تو دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی اور تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا جو خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:۔

والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم تراھم رکعا" سجدا" یبتغون فضلا" من اللہ ورضوانا" ط

"اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں، تم انہیں رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں۔"

یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف چلتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چوم لیتی تھی، تائید ربانی ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کے محیرالعقول کارنامے جو آج بھی ہر قوم و ملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں وہ اسی تعلیم و تزکیہ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ آج دنیا میں تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے نصابوں کی تبدیل و ترمیم پر تو سب لوگ غور کرتے ہیں، لیکن تعلیم کی روح کو درست کرنے کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی جاتی، کہ مدرس اور معلم کی اخلاقی حالت اور مصلحانہ تربیت کو دیکھا جائے اس پر زور دیا جائے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہزار کوششوں کے بعد بھی ایسے مکمل انسان پیدا نہیں ہوتے جن کے عمدہ اخلاق دوسروں پر اثر انداز ہوں، اور دوسروں کی تربیت کر سکیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اساتذہ جس علم و عمل اور اخلاق و کردار کے مالک ہوں گے ان سے پڑھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ انہیں جیسے پیدا ہو سکیں گے، اس لئے تعلیم کو مفید اور بہتر بنانے کے لے نصابوں کی تدوین و ترمیم سے زیادہ اس نصاب کے پڑھانے والوں کی علمی و عملی اخلاقی حالات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

یہاں تک رسالت و نبوت کے تین مقاصد کا بیان تھا، آخر میں مختصر طور پر یہ بھی سن لیجے کہ سردار دو عالم رسول کریم ﷺ کو جو تین فرائض منصبی سپرد کئے گئے تھے، ان کو آپ نے کس حد تک پورا فرمایا۔ آپ ﷺ کو ان کے پورا کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی، اس کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے تلاوت آیات کا یہ درجہ ہو گیا تھا، کہ تقریباً" پورے جزیرۃ العرب میں قرآن پڑھا جارہا تھا ہزاروں

اس کے حافظ تھے' سینکڑوں ایسے حضرات تھے جو روزانہ یا تیسرے روز پورا قرآن ختم کرتے تھے' تعلیم کتاب و حکمت کا یہ مقام تھا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست

دنیا کے سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہو چکے تھے' توریت و انجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے' قرآنی اصول کو عزت و شرف کا معیار مانا جاتا تھا' تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بداخلاقیوں کے مرتکب افراد تہذیب اخلاق کے معلم بن گئے' بداخلاقیوں کے مریض نہ صرف صحتیاب بلکہ کامیاب معالج اور مسیحا بن گے' جو رہزن تھے رہبر بن گے' غرض بت پرست لوگ ایثار وہمدردی کے مجسّمے بن گے' تند خوئی اور جنگ جوئی کی جگہ نرمی اور صلح جوئی نظر آنے لگی چور اور ڈاکو' لوگوں کے اموال کے محافظ بن گئے۔

الغرض حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے جن مقاصد کے لئے دعا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا' وہ تینوں مقصد آپؐ کے عہد مبارک ہی میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے' پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے تو ان کو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری دنیا میں عام کردیا۔ فصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً بعدومن صلی وصام وقعد وقام

خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ

کہ آدم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی تھی' طوفان نوح میں منہدم ہوئی اور اس کے نشانات مٹ گئے' اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا' پھر ایک مرتبہ کسی حادثہ میں اس کی تعمیر منہدم ہوئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی پھر ایک مرتبہ منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی' اور پھر منہدم ہوئی تو قریش

نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا، لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کردیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے، اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے، ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کے لئے، قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ بیت اللہ کا سطح زمین سے کافی بلند کردیا تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جاسکے، بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جاسکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کرکے اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنادوں، قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کئے ہیں انکی اصلاح کردوں، لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اسی لئے سردست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں، اس ارشاد کے بعد اس دنیا میں آپؐ کی حیات زیادہ نہیں رہی۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفائے راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کرکے ارشاد نبویؐ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنادیا، مگر عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت مکہ معظمہ پر چند روزہ تھی۔ ظالم الامہ حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کرکے ان کو شہید کیا، اور حکومت پر قبضہ کرکے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح و ثنا کا ذریعہ بنا رہے، اس لئے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ فعل غلط تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا ہمیں اسی حالت پر اس کو رکھنا

چاہئے' اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کرکے اس طرح تعمیر بنادی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی' حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ کو از سرنو حدیث رسول کریم ﷺ کے موافق بنادیں' لیکن اس زمانہ کے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے یہ فتوی دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لئے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنادے گا' ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لئے یہی کام کرے گا' اس لئے اب جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے' تمام امت نے اس کو قبول کیا' اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے' البتہ شکست وریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان روایات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یا کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے' قرآن کریم میں جہاں یہ ذکر ہے کہ کعبہ کی تعمیر بامر خداوندی حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام نے کی ہے وہیں اس کے اشارات بھی موجود ہیں کہ ان بزرگوں نے اس کی ابتدائی تعمیر نہیں فرمائی' بلکہ سابق بنیادوں پر اسی کے مطابق تعمیر فرمائی' اور کعبہ کی اصل بنیاد پہلے ہی سے تھی' قرآن کریم کے ارشاد واذ یرفع ابرھیم القواعد من البیت واسمعیل سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے کہ قواعد بیت اللہ یعنی اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں سورۃ حج کی آیت میں ہے:

واذ بوانا لابرھیم مکان البیت'

"یعنی جب ٹھیک کردیا ہم نے ابراہیم کے لئے ٹھکانا اس گھر کا۔"

اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ پہلے سے متعین چلی آتی تھی' اور پہلی آیت سے اس کی بنیادوں کا ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو تعمیر بیت

اللہ کا حکم دیا گیا تو فرشتہ کے ذریعہ ان کو بیت اللہ کی جگہ سابق بنیادوں کی نشاندہی کی گئی جو ریت کے تودوں میں دبی ہوئی تھی۔

بہرحال آیت مذکورہ سے کعبہ کی ایک فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ وہ دنیا کا سب سے پہلا گھر یا پہلا عبادت خانہ ہے' صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا' مسجد حرام' انہوں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسی مسجد ہے؟ آپؐ نے فرمایا مسجد بیت المقدس ہے' پھر دریافت کیا کہ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا چالیس سال کا۔

اس حدیث میں بیت اللہ کی بناء جدید جو ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اس کے اعتبار سے بیت المقدس کی تعمیر کا فاصلہ بیان کیا گیا ہے' کیونکہ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے بیت اللہ کی تعمیر سے چالیس سال بعد ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو بیت المقدس کی تعمیر کی یہ بھی بیت اللہ کی طرح بالکل نئی اور ابتدائی تعمیر نہ تھی' بلکہ سلیمان علیہ السلام نے بناء ابراہیمی پر اس کی تجدید کی ہے' اس طرح روایات میں باہم کوئی تعارض نہیں رہتا۔

حاصل یہ ہے کہ ہمیشہ سے دنیا میں اس کی تعظیم و تکریم ہوتی چلی آئی ہے۔ اس میں لفظ وضع للناس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم و تکریم کسی خاص قوم یا جماعت ہی کا حصہ نہیں' بلکہ عامہ خلائق اور سب انسان اس کی تعظیم کریں گے' اس کی سرشت میں حق تعالیٰ نے ایک عظمت اور ہیبت کا داعیہ رکھا ہے کہ لوگوں کے قلوب اس کی طرف خود بخود مائل ہوتے ہیں' اس میں لفظ بکہ سے مراد مکہ معظمہ ہے' خواہ یہ کہا جائے کہ میم کو باء سے بدل دیا گیا ہے' عرب کے کلام میں اس کی نظائر بکثرت ہیں کہ میم کو باء سے

بدل دیا کرتے ہیں' اور یہ کہا جائے کہ مکہ کا دوسرا نام بکہ بھی ہے:

بیت اللہ کی برکات:۔ اس آیت میں بیت اللہ کی دوسری فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مبارک ہے' لفظ مبارک' برکت سے مشتق ہے' برکت کے معنی ہیں بڑھنا اور ثابت رہنا' پھر کسی چیز کا بڑھنا اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا وجود کھلے طور پر مقدار میں بڑھ جائے' اور اس طرح بھی کہ اگرچہ اس کی مقدار میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو لیکن اس سے کام اتنے نکلیں جتنے عادۃ" اس سے زائد سے نکلا کرتے ہیں' اس کو بھی معنوی طور پر زیادتی کہا جاسکتا ہے۔

بیت اللہ کا بابرکت ہونا ظاہری طور پر بھی ہے معنوی طور پر بھی' اس کے ظاہری برکات میں یہ مشاہد ہے کہ مکہ اوراس کے آس پاس ایک خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر موسم میں ہر طرح کے پھل اور ترکاریاں اور تمام ضروریات مہیا رہتی ہیں' کہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں' بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لئے بھی کافی ہو جاتی ہیں' اور آنے والوں کا حال دنیا کو معلوم ہے کہ خاص موسم حج میں تو لاکھوں انسان اطراف عالم سے جمع ہوتے ہیں جنکی مردم شماری اہل مکہ سے چوگنی پانچ گنی ہوتی ہے' یہ ہجوم عظیم وہاں صرف دو چار روز نہیں' بلکہ مہینوں رہتا ہے' موسم حج کے علاوہ بھی کوئی وقت ایسا نہیں آتا جس میں باہر سے ہزاروں انسانوں کی آمدورفت نہ رہتی ہو' پھر خاص موسم حج میں جب کہ وہاں لاکھوں انسانوں کا زائد مجمع ہوتا ہے کہ کبھی نہیں سنا گیا کہ بازار میں کسی وقت بھی ضروریات ختم ہوگئیں' ملتی نہیں' یہاں تک کہ قربانی کے بکرے جو وہاں پہنچ کر ایک ایک انسان سو سو بھی کرتا ہے اور اوسط فی کس ایک کا تو یقینی ہے' یہ لاکھوں بکرے وہاں ہمیشہ ملتے ہیں' یہ بھی نہیں کہ دوسرے ملک سے منگانے کا اہتمام کیا جاتا ہو' قرآن کریم میں یجبٰی الیہ ثمرات کل شئی "یعنی اس میں باہر سے لائے جاتے ہیں

ثمرات ہر چیز کے" ان الفاظ میں اس کی طرف واضح اشارہ بھی موجود ہے۔

یہ تو ظاہری برکات کا حال ہے جو مقصود کی حیثیت نہیں رکھتیں، اور معنوی وباطنی برکات تواتنی ہیں کہ اس کا شمار نہیں ہوسکتا۔ بعض اہم عبادات تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں جو اجر عظیم اور برکات روحانی ہیں ان سب کا مدار بیت اللہ پر ہے، مثلاً" حج و عمرہ، اور بعض دوسری عبادات کا بھی مسجد حرام میں ثواب بدرجہا بڑھ جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی انسان گھر میں نماز پڑھے اس کو ایک نماز کا ثواب ملے گا، اور اگر اپنے محلہ کی مسجد میں ادا کرے اس کو پچیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوگا، اور جو جامع مسجد میں ادا کرے توپانچ سو نمازوں کا ثواب پائے گا، اور اگر مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی تو ایک ہزار نمازوں کا اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا۔ (یہ روایت ابن ماجہ طحاوی وغیرہ نے نقل کی ہے) حج کے فضائل میں یہ حدیث عام مسلمان جانتے ہیں کہ حج کو صحیح طور پر ادا کرنے والا مسلمان پچھلے گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پاک و صاف پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سب بیت اللہ کی معنوی اور روحانی برکات ہیں، انہی برکات کو آیت کے آخر میں لفظ ھد"ی سے تعبیر فرمایا گیا ہے مبارکا" وھد"ی للعالمین۔

فیہ ایت" بینت" مقام ابراھیم ج ومن دخلہ کان امنا" ط وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" ط ومن کفر فان اللہ غنی" عن العلمین ○

ترجمہ:۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا، اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

بیت اللہ کی تین خصوصیات:۔ اس آیت میں بیت اللہ کعبہ کی تین

خصوصیات اور فضائل بیان کیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں' منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے' دوسرے یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہوجائے وہ امن والا اور محفوظ ہوجاتا ہے' کوئی اس کو قتل نہیں کرسکتا۔ تیسرے یہ کہ ساری دنیا کے مسلمانوں پر اس بیت اللہ کا حج فرض ہے' بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو' اور قدرت رکھتا ہو۔

پہلی بات کہ اس میں اللہ جل شانہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں' اس کی توضیح یہ ہے کہ جب سے بیت اللہ قائم ہوا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ فرمادیا' ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر چڑھائی کی' تو اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پرندوں کے ذریعہ تباہ و ہلاک کردیا' حرم مکہ میں داخل ہونے والا انسان بلکہ جانور تک محفوظ ہیں۔ جانوروں میں بھی احساس ہے' حدود حرم کے اندر جانور بھی اپنے آپ کو محفوظ سمجھے ہیں۔ وہاں وحشی شکاری جانور انسان سے نہیں بھاگتا' عام طور پر یہ بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بیت اللہ کی جس جانب بارش ہوتی ہے اس جانب کے ممالک زیادہ بارش سے سیراب ہوتے ہیں' ایک عجیب نشانی یہ ہے کہ جمرات جن پر ہر ایک حج کرنے والا سات سات کنکریاں روزانہ تین روز تک پھینکتا ہے' اور ہر سال لاکھوں حجاج وہاں جمع ہوتے ہیں' یہ ساری کنکریاں اگر وہاں جمع ہوکر باقی رہیں تو ایک ہی سال میں وہ جمرات کنکروں کے ڈھیر میں دب جائیں' اور چند سال میں تو وہاں ایک پہاڑ بن جائے' حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ حج کے تینوں دن گذرنے کے بعد وہاں کنکریوں کا کوئی بہت بڑا انبار جمع نہیں ہوتا' کچھ کنکریاں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں جس کی وجہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ یہ کنکریاں فرشتے اٹھالیتے ہیں اور صرف ایسے لوگوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا حج کسی وجہ سے قبول نہیں ہوا' اور یہی وجہ ہے کہ جمرات کے پاس سے کنکریاں اٹھاکر رمی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے' کیونکہ وہ

غیر مقبول ہیں' رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہر دیکھنے والا آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے' کہ جمرات کے آس پاس بہت تھوڑی سی کنکریاں نظر آتی ہیں' حالانکہ وہاں سے اٹھانے یا صاف کرنے کا نہ کوئی اہتمام حکومت کی طرف سے ہوتا ہے نہ عوام کی طرف سے۔

اس وجہ سے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبری میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کے بعض معجزات ایسے بھی ہیں کہ جو آپ کی وفات کے بعد بھی موجود اور قائم ہیں' اور قیامت تک باقی رہیں گے' اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کر سکے گا' ان میں سے ایک تو قرآن کا بے نظیر ہونا ہے کہ ساری دنیا اس کی مثال لانے سے عاجز ہے' یہ عجز جیسے عہد نبویؐ میں تھا ایسے ہی آج بھی موجود ہے' اور قیامت تک رہے گا' ہر زمانہ کا مسلمان پوری دنیا کو چیلنج کر سکتا ہے کہ فاتوا بسورة من مثله اسی طرح جمرات کے بارے میں جو آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان پر پھینکی ہوئی کنکریاں نامعلوم طور پر فرشتے اٹھالیتے ہیں' صرف ان بدنصیب لوگوں کی کنکریاں رہ جاتی ہیں جن کے حج قبول نہیں ہوتے' آپؐ کے اس ارشاد کی تصدیق ہر زمانہ ہر قرن میں ہوتی رہی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہے گی' یہ رسول اکرم ﷺ کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ اور بیت اللہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نشانی ہے۔

مقام ابراہیم:۔ ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے' اسی لئے قرآن کریم نے اس کو مستقل طور پر علیحدہ بیان فرمایا' مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے' اور بعض روایات میں ہے کہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا' اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا' اس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے' ظاہر ہے کہ ایک بے حس و بے شعور پتھر میں ادراک کہ ضرورت کے موافق بلند یا پست ہو جائے اور

یہ تاثر کہ موم کی طرح نرم ہوکر قدمین کا مکمل نقش اپنے اندر لے لے' یہ سب آیات قدرت ہیں جو بیت اللہ کی اعلیٰ فضیلت ہی سے متعلق ہیں' یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا' جب قرآن کا یہ حکم نازل ہواکہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو:واتخذوا من مقام ابرھیم مصلیےاس وقت طواف کرنے والوں کی مصلحت سے اس کو اٹھاکر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر بیر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا' اور آج کل اس کو اسی جگہ ایک محفوظ مکان میں مقفل کیا ہوا ہے' طواف کے بعد کی دو رکعتیں اسی مکان کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔ حال میں یہ ترمیم ہوئی کہ وہ مکان تو ہٹادیا گیا اور مقام ابراہیم کو ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کردیا گیا' مقام ابراہیم اصل میں اس خاص پتھر کا نام ہے' اور طواف کے بعد کی رکعتیں اس کے اوپر یا اس کے پاس پڑھنا افضل ہے' لیکن مقام ابراہیم کے لفظی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ تمام مسجد حرام کو حاوی ہے' اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایاکہ مسجد حرام کے اندر جس جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے واجب ادا ہوجائے گا۔

داخل بیت اللہ کا مامون ہونا:۔ آیت مذکورہ میں بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ بتلائی گئی ہے کہ جو اس میں داخل ہوجائے وہ امن والا یعنی مامون و محفوظ ہوجاتا ہے' اس میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا ایک تو تشریعی اعتبار سے ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہوجائے اس کو نہ ستاؤ نہ قتل کرو' اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرکے یا کوئی اور جرم کرکے وہاں چلا جائے اس کو بھی اس جگہ سزا نہ دی جائے' بلکہ اس کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حرم سے باہر نکلے' حرم سے باہر آنے پر سزا جاری کی جائے گی' اس طرح حرم میں داخل ہونے والا شرعی طور پر مامون و محفوظ ہوگیا۔

دوسرے حرم میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا یوں بھی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم و ملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈال دی ہے' اور وہ سب عموماً ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں' حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے' زمانہ جاہلیت کے عرب اور ان کے مختلف قبائل خواہ کتنی ہی عملی خرابیوں میں مبتلا تھے' مگر بیت اللہ اور حرم محترم کی عظمت پر سب جان دیتے تھے۔ ان کی جنگ جوئی اور تند خوئی ساری دنیا میں مشہور ہے' لیکن حرم کے احترام کا یہ حال تھا کہ باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو مقتول کا بیٹا جو اس کے خون کا پیاسا ہوتا تھا اپنی آنکھیں نیچی کر کے گذر جاتا تھا اس کو کچھ نہ کہتا تھا۔

فتح مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی' اور فتح کے بعد آپؐ نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کا اعلان واظہار فرمایا کہ یہ اجازت صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے تطہیر بیت اللہ کی غرض سے تھی' اور وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے تھی' اس کے بعد ہمیشہ کے لئے پھر اس کی وہی حرمت ثابت ہے جو پہلے سے تھی' اور فرمایا کہ حرم کے اندر قتل و قتال نہ مجھ سے پہلے حلال تھا نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے' اور میرے لئے بھی صرف چند گھنٹوں کے لئے حلال ہوا تھا پھر حرام کر دیا گیا۔

رہا یہ معاملہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مکہ میں فوج کشی کی اور قتل و غارت کیا' یہ اس امن عام کے تشریعی طور پر اس لئے خلاف نہیں کہ باجماع امت اس کا یہ فعل حرام اور سخت گناہ تھا' تمام امت نے اس پر نفرین کی' اور تکوینی طور پر بھی اس

کو احترام بیت المقدس کے منافی اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا' وہ بھی جانتا تھا کہ میں ایک سنگین جرم کررہا ہوں' لیکن سیاست و حکومت کی مصالح نے اس کو اندھا کیا ہوا تھا۔

بہرحال یہ بات پھر بھی محفوظ تھی کہ عامہ خلائق بیت اللہ اور حرم کو اس درجہ واجب الاحترام سمجھتے رہے ہیں کہ اس میں قتل و قتال اور لڑائی جھگڑے کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں' اور یہ ساری دنیا میں صرف بیت اللہ اور حرم محترم ہی کی خصوصیت ہے۔

حج بیت اللہ کا فرض ہونا:۔ آیت میں بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم وواجب قرار دیا ہے' بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت استطاعت رکھتے ہوں' اس مقدرت واستطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریات اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کرسکے' اور اپنی واپسی تک ان اہل و عیال کا بھی انتظام کرسکے جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے' نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو' کیونکہ ایسے معذور کو تو اپنے وطن میں چلنا پھرنا بھی مشکل ہے' وہاں جانے اور ارکان حج ادا کرنے پر کیسے قدرت ہوگی۔

اسی طرح عورت کے لئے چونکہ بغیر محرم کے سفر کرنا شرعاً" جائز نہیں' اس لئے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو' خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کررہا ہو' یا یہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے' اسی طرح وہاں تک پہنچنے کے لئے راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا ایک جزء ہے۔ اگر راستہ میں بدامنی ہو' جان مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔

لفظ حج کے معنی قصد کرنے کے ہیں' اور شرعی معنی کی ضروری تفصیل تو

خود قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ طواف کعبہ اور وقوف عرفہ و مزدلفہ وغیرہ ہیں' اور باقی تفصیلات رسول کریم ﷺ نے اپنے زبانی ارشادات اور عملی بیانات کے ذریعہ واضح فرمادی ہیں۔ اس آیت میں حج بیت اللہ کے فرض ہونے کا اعلان فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا ومن کفر فان اللہ غنی" عن العلمین یعنی جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تمام جہاں والوں سے۔

اس میں وہ شخص تو داخل ہے ہی جو صراحتہ" فریضہ حج کا منکر ہو' حج کو فرض نہ سمجھے' اور اس کا دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہونا تو ظاہر ہے' اس لئے ومن کفر کا لفظ اس پر صراحتہ" صادق ہے' اور جو شخص عقیدہ کے طور پر فرض سمجھتا ہے' لیکن باوجود استطاعت و قدرت کے حج نہیں کرتا' وہ بھی ایک حیثیت سے منکر ہی ہے' اس پر لفظ ومن کفر کا اطلاق تہدید اور تاکید کے لئے ہے' کہ یہ شخص کافروں جیسے عمل میں مبتلا ہے' جیسے کافرو منکر حج نہیں کرتے یہ بھی ایسا ہی ہے' اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ آیت کے اس جملہ میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو باوجود قدرت واستطاعت کے حج نہیں کرتے' کہ وہ اپنے اس عمل سے کافروں کی طرح ہوگئے۔ العیاذ باللہ۔

معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

نبی اکرم ﷺ کی امت کو حکم حج اور عمرہ

واتموا الحج والعمرۃ للہ (سورۃ البقرہ)

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی امت کو حج اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پورا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے فرائض واجبات اور سنن کے ساتھ ادا کرو ایسا نہ ہو کہ کچھ احکامات ادا کرو اور کچھ چھوڑ دو اور انہیں اپنے اوقات میں ادا کرو اور حج کو الگ ادا کرنا ہے اور عمرہ کو الگ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ان کو الگ الگ ادا کرنا ہے۔ ان میں باہم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جس کام کا حکم دیں وہ کام کرنا فرض ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو اس سے معلوم ہوگیا کہ حج فرض ہے اور نیز اللہ تعالیٰ جس کام کا حکم دیں اس میں کچھ فوائد ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی فریضہ حج ادا کرے اسے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔ مگر اس سلسلہ میں یہ آیت خاموش ہے اور حضرت محمد ﷺ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو عن قریب آئندہ احادیث میں آرہی ہے۔

حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔

عن ابی هریره قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یایها الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا فقال رجل اکل عام یا رسول الله فسکت حتی قاطها ثلاثا فقال لو قلت نعم لو جبت ولما استطعتم ثم قال ذرونی ماترکتکم فانما فعلك من کان قبلکم بکثرة سوالهم واختلافهم علی انبیائهم فاذا امرتکم بشئی فاتوا منه مااستطعتم واذا نهیتکم عن شئی فدعوه. مسلم مشکوة.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

نے ہمیں خطبہ دیا پھر فرمایا اے لوگو تم پر حج فرض کردیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو۔ تو ایک آدمی نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا ہر سال حج کرنا ہے تو آپؐ نے خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ کہا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اگر میں کہتا ہاں تو ہر سال حج واجب ہوتا اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا مجھے چھوڑ دو اس پر جس پر میں تمہیں چھوڑ دوں۔ اور بے شک تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء علیہم السلام پر کثرت سوال اور ان سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ میں تمہیں جس چیز کا حکم دوں جہاں تک ہوسکے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کروں اسے چھوڑ دو۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یایھاالناس ان اللّٰہ کتب علیکم الحج فقال الا افرع بن حالیس فقال افی کل عام یارسول اللّٰہ قال لو قلتھا نعم لوجبت ولووجبت لم تعملوبھا ولم تستطیعوا والحج مرۃ فمن زاد فتطوع (نسائی۔ دارمی۔ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ نے حج تم پر فرض کیا ہے تو افرع بن حالیس کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہر سال یارسول اللہ تو آپ نے کہا اگر میں کہہ دیتا ہاں تو واجب ہوجاتا اور پھر تم اس پر عمل نہ کرتے اور تم طاقت بھی نہیں رکھتے۔ حج ایک ہی دفعہ ہے پس جو زیادہ کرے تو وہ نفل ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ دونوں حدیثیں سورۃ البقرہ کے جملہ اتمواالحج کی تفسیر ہے کیونکہ اتمو صیغہ امر ہے اور اس سے پہلے کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ صیغہ امروجوب (فرض) کے لئے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج فرض ہے۔ مگر چونکہ یہ صیغہ امر قرآن مجید میں اباحت کے لئے بھی آیا ہے۔ اس سے یہ شبہہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید یہاں بھی اباحت کے

لئے ہوگا تو نبی ﷺ نے ان احادیث میں وضاحت فرمادی ہے کہ یہاں اباحت کے لئے نہیں فرضیت کے لئے ہے اور نیز نبی کریم ﷺ نے یہاں یہ بھی وضاحت فرمادی کہ یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے۔ جیسا کہ منکرین احادیث کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے احادیث کی طرف جانے کی ضرورت نہیں' لغوی معنی کافی ہے تو نبی ﷺ ان احادیث میں تو بتادیا کہ لغوی معنی کافی نہیں۔ کیونکہ یہاں اگر لغوی معنی پر اکتفا کریں تو معنی بنتا ہے کہ قصد اور ارادہ پورا کرو تو یہ مہمل سی بات ہے کہ کونسا ارادہ اور قصد پورا کرو یہ تو برے ارادے کو بھی شامل ہے۔ تو کیا قرآن برے ارادوں کی تکمیل اور تعمیل کا حکم دیتا ہے تو یہ غلط ہے۔ لہٰذا یہاں تفسیر وہی صحیح ہے جو اصطلاحی ہے اور حضرت محمد ﷺ نے اسے یہاں بیان فرمایا ہے اور یہاں تک اتمواالحج کی تفسیر ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر بیان فرمارہے تھے اور اس وقت باقی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو خاموش ہوکر آپ کے فرامین کو سن رہے تھے مگر ایک کے دل میں شبہہ پیدا ہوا۔ اس کا نام پہلی حدیث میں ذکر نہیں ہے صرف اسے رجل سے تعبیر فرمادیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس کا نام افرع بن حالیس ذکر کیا ہے اور اس کا شبہ یہ تھا کہ شاید نماز و روزہ اور زکوۃ کی طرح حج بھی ہر سال فرض ہوگا تو اس لئے اس نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے تو آپؐ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ سوال کیا اور آپ ﷺ کے سکوت کی وجہ وحی کا انتظار تھا اور اس صحابیؓ کا سوال بھی بڑا اہم تھا۔ اور آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ دینی معاملات میں اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دیتے تھے جب تک کہ آپ پر وحی نہیں اترتی تھی۔ جیسا کہ سورۃ النجم میں موجود ہے ومایںطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی پس آپ ﷺ کا یہ سکوت وحی کے انتظار میں تھا یہاں تک کہ قرآن مجید میں اللہ کی طرف سے یہ آیتیں اتریں۔ یایھاالذین

امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم وان تسئلوا عنها حین ینزل القر آن نبدلکم عفااللہ عنها واللہ غفور حلیم قد سالها قوم من قبلکم ثم اصبحوبها کفرین (سورۃ المائدہ آیت ۱۰۱۔۱۰۲) ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر یہ باتیں ایسے وقت میں پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ گذشتہ سوالات اللہ نے معاف کردیئے ہیں اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ ایسی باتیں تم سے پہلے ایک جماعت پوچھ چکی ہے۔ پھر ان باتوں کے وہ مخالف ہوگئے۔ پس یہ آیت اترنے کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت صحابہ کو سنائی اور بقیہ حدیث میں اس کا مقصد سمجھایا مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اور نبی ﷺ نے اس حدیث میں صحابہ کو سوالات سے کیوں منع فرمایا ہے اور صرف اتنا فرمادیا ہے کہ تم سے عمل نہیں ہوسکے گا لہٰذا تم دینی مسائل اور احکامات کی تفصیل ہی نہ پوچھو۔ اس جواب سے تو مزید شبہات کے ابواب کھلیں گے۔ حالانکہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر صحابہ کے تقریباً" پچیس سوالات مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سوال کا جواب قرآن مجید میں تفصیل سے دیا ہے اور اسی طرح کفار و اہل کتاب نے بھی کئی بار آپ پر سوالات کئے تھے تو انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے جواب دیئے ہیں مگر یہاں حجۃ الوداع کے موقعہ پر کلیتہً صحابہ کو سوالات سے روک دیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟ پس اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ آیت اتر چکی تھی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (سورۃ المائدہ آیت ۳) آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کرچکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کردیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا یعنی اس امت کو قرآن کی شکل میں پورا نظام حیات دے دیا گیا ہے اب اس کے بعد سوال کرنا لایعنی بات ہے اور نیز نبی ﷺ کے بھی یہ آخری ایام تھے

کیونکہ اس کے بعد آپ ﷺ دنیا میں اسی دن حیات رہے تھے۔ اس لئے صحابہ کو سوالات سے منع کیا گیا ہے۔ پس خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ صحابہ کو جو تعلیم دی گئی ہے کہ دین مل گیا ہے اس پر عمل کرو اور مزید کی خواہش نہ کرو ورنہ مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔ جیسا کہ پہلے ایک قوم نے ایسے ہی سوالات کئے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے تسلی بخش جوابات دیئے تو پھر عمل کے سلسلہ میں انہیں دشواریاں پیش آئی تھیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی اور انہوں نے گائے کے بارے میں سوالات کئے تھے ان کا مفصل واقعہ سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ یہاں اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشارہ ہی کافی ہے اور نبی ﷺ نے جو فرمایا کہ حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے یہ سورۃ المائدہ کی اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب اس سوال سے منع فرمایا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ جو ہمیشہ کے لئے فرض نہیں صرف ایک دفعہ فرض ہے۔

فضائل حج

عن ابی ھریرہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل قال ایمان بااللہ ورسولہ قیل ثم ماذا قال الجھاد فی سبیل اللہ قیل ثم ماذا قال حج مبرور۔ (متفق علیہ) مشکوۃ۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد' پھر عرض کیا گیا پھر کونسا تو آپ ﷺ نے فرمایا حج مبرور یعنی جو گناہ اور ریا سے پاک ہو)

تشریح

یہ حدیث سورۃ البقرہ کے اس جملہ واتمواالحج کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ حج پورا کرو (یعنی حج فرض ہے جس کی تفصیل پہلے بیان

ہوچکی ہے) مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ اس میں حج کے فضائل کی تصریح نہیں ہے کہ حج کے کیا فوائد اور فضائل ہیں اور ظاہر بات ہے کہ حج کے کچھ فوائد اور برکات تو ہونگی۔ پس حضرت محمد ﷺ نے احادیث میں وہ فوائد بیان فرمائے ہیں ان احادیث میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے جو یہاں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اس میں ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ اللہ اور رسول پر ایمان کو سب سے بہتر اور افضل اس لئے فرمایا کہ یہ ایمان یہ تمام نیک اعمال کی بنیاد اور جڑ ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو نیکیوں کا ثواب نہیں ہے وہ ضائع ہوجاتی ہیں جیسا کہ سورۃ کھف میں موجود ہے اولئک الذین کفروا بایت ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمہ وزنا جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات اور ملاقات کا انکار کیا ان کے اعمال ضائع ہوگئے ہیں۔ ہم قیامت کے دن ان کے لئے اعمال نہیں تولیں گے اور اس حدیث میں دوسرے نمبر پر جہاد کو افضل فرمایا ہے کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ پر ایمان پیدا کرنے کا بہت بڑا عملی نمونہ ہے۔ اس سے مجاہد کا ایمان مضبوط اور............ اللہ تعالیٰ پر یقین پیدا ہوتا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ جہاد کی بحث میں آئے گی۔

عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الحاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم وان استغفروہ غفر لھم۔ ابن ماجہ۔ مشکوۃ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کا وفد ہے۔ اگر وہ اللہ سے کچھ مانگے گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دے گا اور اگر اس سے معافی مانگیں گے تو انہیں بخش دے گا۔

تشریح

یہ حدیث بھی سورۃ البقرہ کی آیت اس جملہ واتموالحج کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں حج کرنے کا حکم ہے مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ اس میں اللہ

تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کی فضیلت نہیں بیان فرمائی اور بہرحال اس کے حکم کی تعمیل کرنے والوں کے کچھ درجات تو ہونگے اتنے دور دراز سے چل کر اور اتنی مشقت اٹھاکر جو جائے گا اور اس کے دربار عالیہ میں حاضری دے گا تو وہ خدا کوئی بے رحم تو نہیں ہے کہ ان کی قدرومنزلت نہ کرے۔ پس نبی اکرم ﷺ نے حاجی اور عمرے والی حیثیت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا وفد ہیں اور وفد کااطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو بڑے بڑے سرکردہ امراء اغنیاء سرداروں اور حکام کی زیارت اور ملاقات کے لئے جاتے ہیں اور پھر وہ سرکردہ امراء وغیرہ اپنی اپنی حیثیت مطابق ان کی تواضع واکرام وغیرہ کرتے ہیں اور جب حجاج اور عمار اللہ تعالیٰ کے وفود ہیں تو ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی شان کے مطاق انکا احترام و اکرام کرے گا۔ اور اس اکرام و احترام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ جو دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول فرمائیں گے خواہ وہ دعا اپنی ذات کے لئے ہو یا کسی دوسرے مومن بھائی کے لئے ہو۔

حکایت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک واقعہ پڑھا ہے کہ ایک مرتبہ بغداد میں قحط پڑ گیا۔ لوگ خوراک اور پانی کو ترس رہے تھے۔ ایک بڈھا بابا بیچارہ گھر میں ہی پڑا رہتا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہاکہ ہروقت یہاں گھر پہ ہی پڑے رہتے ہو شہر کی طرف نکلو کچھ محنت مزدوری کرو یہاں ہر وقت پڑے رہنے سے کیا بن جائے گا تو اس نے کہاکہ کیا کروں 'مزدوری کہیں ملتی نہیں ہے۔ تو بیوی نے کہاکہ اچھا میں تمہیں ایک تدبیر بتاتی ہوں کہ چونکہ ملک میں قحط ہے 'پانی بھی خشک ہوگیا ہے لوگ پانی کی بوند کو ترس رہے ہیں شاید کے خلیفہ کو بھی پانی کی تکلیف ہوگی تو تم ایسا کرو کہ ہمارے قریب یہ جو پانی کا تالاب ہے اس میں سے ایک مٹکا پانی خلیفہ کے پاس بطور تحفہ لے جاؤ۔ سنا ہے کہ خلیفہ بڑا کریم النفس ہے وہ تمہیں اس کے بدلے کوئی ھدیہ وغیرہ دے

دے گا تو ہمارا کام بن جائے گا اس نے بیوی کا مشورہ مان لیا اور کہا ٹھیک ہے چنانچہ اس کی بیوی نے خود ہی ایک مٹکا پانی کا اسے بھر کر کے اور اوپر سے اس کا منہ بند کر کے دیا تاکہ راستے میں پانی گرے نہ اور وہ پانی اس حوض میں کافی دیر سے پڑا ہوا تھا اور گندہ اور بدبودار ہو گیا تھا مگر یہ بڑھا بیوی کے کہنے پر وہ پانی لے کر چلا گیا اور چونکہ یہ بیچارہ دیہاتی تھا اور سادہ وضع قطع کا آدمی تھا اور کئی دن سفر کی وجہ سے پراگندہ حال ہو گیا تھا اور آخر کار خلیفہ کے دربار میں پہنچا تو درباریوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر خلیفہ نے کہا کہ اسے نہ روکو اسے آنے دو چنانچہ جب وہ خلیفہ کے تخت کے پاس پہنچا اور وہ پانی کا مٹکا خلیفہ کے سامنے تخت پر رکھا اور کہا کہ یہ ہدیہ لایا ہوں۔ خلیفہ نے جوں ہی اس مٹکے کا منہ کھولا تو بدبو سے پورا دربار سڑ گیا مگر خلیفہ کریم النفس تھا ذرا بھی برا محسوس نہ کیا اور اسے کچھ بھی نہ کہا اور اہل کاروں سے کہا کہ جاؤ پانی کے اس مٹکے کو بیت المال میں رکھ دو اور اس دیہاتی کو غسل دو اسے نئے کپڑے پہناؤ اور یہ جتنے دن یہاں رہنا چاہے یہ رہ سکتا ہے اور یہ شاہی مہمان ہے اور جب یہ جانا چاہے تو مجھے ملاؤ۔ چنانچہ جتنے دن اس نے وہاں قیام کیا تو وہ وزرا کے ساتھ طرح طرح کے کھانے کھاتا رہا اور آخر جب جانے لگا تو درباریوں نے خلیفہ کے ساتھ اس کی ملاقات کرائی تو خلیفہ نے کہا وہی مٹکا یہ جو لایا تھا وہ اشرفیوں سے بھر کر اسے دے دیا ۔ واہ سبحان اللہ اس کے دین پر چلنے والے حکمران کیسے مہربان ہوتے ہیں کہ اس خلیفہ نے یہ نہیں خیال کیا کہ دیہاتی کیسا ہدیہ لایا ہے بلکہ اس نے اپنی شان کے مطابق اس دیہاتی کو ہدیہ دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لئے جو وفود جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں اپنی شان کے مطابق ھدایا دے کر واپس کردے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگیں گے وہ کیوں نہیں دے گا یقیناً دے گا۔

وعنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وفدالله ثلثه

الغازی والحاج والمعمر (نسائی۔ بیہقی۔ مشکوۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وفد تین آدمی ہیں ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوا (جہاد) کرنے والا اور دوسرا حج کرنے والا اور تیسرا عمرہ کرنے والا۔

عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من خرج حاجا اور معترما" او غازیا ثم مات فی طریقه کتب اللّٰہ له اجر الغازی والحاج والمعمر (بیہقی۔ مشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی حج۔ عمرہ اور جہاد کے ارادہ سے نکلے اور وہ راستہ میں ہی مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے غازی۔ حاجی اور عمرے والے کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔

تشریح

ان حدیثوں میں سے پہلی حدیث جو ہے اس کی تشریح تو اس سے پہلی حدیث کے ذیل میں بیان ہوگئی ہے اور دوسری حدیث جو ہے یہ بھی قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کے اس جملہ واتموالحج والعمرہ کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں اتنا فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی حج یا عمرہ کا ارادہ کرلیتا ہے یا جہاد کا ارادہ کرلیتا ہے مگر وہ اس کی تکمیل نہیں کرسکتا راستہ میں ہی فوت ہوجاتا ہے تو کیا وہ گناہ گار تو نہیں ہوتا پس اس شبہہ کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ انہیں حج۔ عمرہ اور جہاد کا پورا پورا ثواب ملتا ہے۔ بہرحال قرآن مجید میں جہاں جہاں ایسے اجمالات ہوتے ہیں ان کی تفصیل اور تشریح بیان کرنا صرف نبی اکرم ﷺ کی ہی شان تھی۔ کسی اور کی سمجھ میں یہ تشریحات اور تفصیلات آ نہیں سکتی اور اسی لئے ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ فہم قرآن کے لئے احادیث نبویہؐ کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی

ضرورت نہیں ہے وہ غلط کہتے ہیں جب کہ ان آیات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کی تشریح ہونی چاہئے جیسا کہ یہاں اگر اس حدیث سے اس جملہ کی تشریح نہ کی جاتی تو مبادا یہی سمجھا جاتا کہ اگر ایک آدمی حج کے ارادے سے نکلے اور راستہ میں ہی مرجائے تو وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ وہ حج کو مکمل اور پورا نہیں کرسکا۔

محرم کے سوا عورت پر حج فرض نہیں ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینحلون رجل بامرة ولا تسافرن امراۃ الا ومعھا محرم فقال رجل یا رسول اللہ اکتبت فی غزوۃ کذا وکذا وخرجت امراتی حاجه قال اذھب فاحجج مع امراتک (متفق علیہ) مشکوۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی نہ اختیار کرے اور کوئی عورت محرم کے سوا سفر نہ کرے تو ایک آدمی نے کہا کہ میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج پر چلی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لا تسافر وامراۃ میسرہ یوم ولیلہ الا ومعھا ذو محرم (متفق علیہ۔ مشکوۃ)

حضرت ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت ایک دن اور ایک رات کی مسیر محرم کے سوا نہ کرے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ حدیثیں بھی سورۃ البقرہ کے اس جملہ واتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں یہ حکم ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ لئے پورا کرو۔ مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ بظاہر یہ حکم تمام مردوں اور عورتوں کو شامل ہے اگر عورتوں کے ساتھ محرم ہو تو پھر تو

وہ یہ فریضہ ادا کرسکتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو تو پھر اس کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا مشکل ہوگا کیونکہ یہ حج کا راستہ بڑا پر خطر اور پر آشوب ہے۔ اس راستہ میں عورت کی عزت و آبرو او جان مال بھی نہیں بچے گا پس نبی اکرم ﷺ نے ان حدیثوں میں یہ تفصیل بنادی ہے کہ وہ عورت جس کے ساتھ محرم نہ ہو اس پر حج فرض نہیں ہے پس یہ جملہ واتموا الحج کا مخصوص البعض ہے اور ایسی تخصیصات پیش کرنا بھی صرف اور صرف نبی ﷺ کا کام تھا آپ کے سوا اور کوئی ایسی تخصیصات نہیں پیش کرسکتا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ جس عورت کے ساتھ محرم ہو تو اس پر حج فرض ہے اور جس کے ساتھ محرم نہ اس کو فرض نہیں۔

نابالغ بچے کے حج کا ثواب والدین کو ملتا ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رکبابا الروحاء فقال من القوم قالوالمسلمون فقالو من انت قال رسول اللہ فرفعت الیہ امراہ صبیا فقالت الھذا حج قال نعم ولک اجر (مسلم۔ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی روحا میں ایک جماعت سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کون لوگ ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں پھر انہوں نے کہا کہ آپ کون ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر آپؐ کی طرف ایک عورت نے بچہ اٹھایا پھر کہا کہ اسکا حج ہے تو آپؐ نے کہا ہاں اور تجھے اس کا اجر ملے گا۔

تشریح

یہ حدیث بھی سورۃ البقرہ کے اس جملہ واتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ بظاہر اسکا مصداق تمام بوڑھے جوان بچے سب ہی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ بچوں پر بھی حج ہے۔ پس نبی ﷺ نے اس کی تصریح بیان فرمادی کہ نابالغ پر حج نہیں ہے

کیونکہ یا تو وہ ابھی بالکل ہی چھوٹا ہوگا خود چل پھر نہیں سکتا ہوگا تو اس وقت والدین اسے اٹھاکر پھریں گے تو اصل میں یہ افعال اور ارکان والدین ادا کرنے والے ہوں گے تو اس لئے ثواب بھی انہیں ملے گا یا اگر وہ بچہ از سر خود چل پھر سکتا ہے تو اس کا خرچ اور ارکان وغیرہ پھر بھی والدین ہی ادا کرائیں گے۔ اسے تو اتنا شعور نہیں ہے۔ پس اس کے افعال کی نسبت بھی والدین کی طرف ہوگی تو اس کا اجر بھی انہیں ملے گا اور یہ بچہ بالغ ہونے کے بعد اگر اس کی استطاعت ہو تو اس پر حج فرض ہوگا یہ بچپن والا حج اس کا بدل نہیں بنے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ حج بالغ پر فرض نابالغہ پر فرض نہیں ہے۔

حج بدل کا طریقہ

عن ابن عباس قال ان امراة من خثعم قالت یا رسول اللّٰہ ان فریضہ اللّٰہ علی عبادہ فی الحج ادرکت ابی شیخا کبیرا الا یثبت علی الراحلہ افا حج عنہ قال نعم وذالک فی حجتہ الوداع (متفق علیہ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا یارسول اللہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حج فرض ہے۔ میرا باپ بہت بوڑھا ہے جو سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تو اس کی طرف سے حج کر اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

وعنہ قال التی رجل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ان اختی نذرت ان تحج وانہا ماقت فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو کان علیہا دین اکنت قاضیہ قال نعم قال فاقض دین اللّٰہ فھواحق بالقضاء (متفق علیہ مشکوۃ)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ مرگئی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو اسے

اتارتا یا نہ' تو اس نے کہا ہاں میں اسے اتارتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ کا قرض بھی اتارو وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض چکائے۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم اور مشکوٰۃ میں ہے۔

عن ابی رزین العقیلی انه التی النبی صلی اللّٰه علی وسلم فقال یارسول اللّٰه ان ابی شیخ کبیر لا یستطیع الحج والعمرة ولا انطعن قال حج عن ابیه واعتمر۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ مشکوة)۔

ابی رزین عقیلی سے نقل ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا یارسول اللہ میرا باپ بوڑھا ہے وہ حج عمرہ کی طاقت نہیں رکھتا اور سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کی طرف سے حج اور عمرہ کر۔ یہ حدیث ترمذی ابوداؤد اور نسائی اور مشکوۃ نے نقل کی ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں ۳ احادیث نقل کی گئی ہیں یہ احادیث بھی سورۃ بقرہ کے اس جملے (اتموا الحج والعمرة) کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ پورا کرو مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی معذور ہے مثلاً" ایک آدمی نابینا ہے یا لنگڑا یا اپاہج ہے یا بڈھا ضعیف العمر ہے تو اس پر بھی حج فرض ہے کیونکہ اتموا الحج کے مخاطب وہ سب ہی ہیں لیکن وہ معذور ہونے کی وجہ سے وہ جا بھی نہیں سکتے تو اب وہ کیا کریں؟ پس حضرت نبی اکرم ﷺ نے ان احادیث میں جواب دیا کہ وہ اپنا نمائندہ مقرر کرکے بھیج دیں تو ان کا حج ہو جائے گا۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی یہ نمائندگی کرسکتی ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے حج کی نذر مانی ہوئی ہو تو وہ مرجائے یا وہ بھی ایسا معذور ہو تو اس کی طرف سے بھی حج کیا جاسکتا ہے مگر یہ اس وقت ہے کہ وہ معذور امیر ہو اس کے پاس مال استطاعت ہو جان نہ ہو اور وہ وصیت بھی کرے کہ میری طرف سے حج کرنا ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے

تو اس کی طرف سے حج بدل ضروری نہیں ہے اور اس حج بدل کرنے والے کو آنے جانے کا خرچ وارثوں نے دینا ہوگا۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تفسیر کہاں ہے بیان فرمائی تھی؟ اتموا الحج والعمرة سے تو یہ تفسیر معلوم نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قرآن مجید کی مجمل آیات کی تفسیر بیان فرماتے تھے تو صرف اسی مجمل آیت کو سامنے رکھ کر بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ سارے قرآن کے مضامین کو سامنے رکھ کر بیان فرماتے تھے اور قرآن مجید میں دوسری جگہ موجود ہے لا یکلف اللّٰہ الا نفسا الا وسعھا نہیں تکلیف دیتے اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق اور یہاں معذورین کے پاس مالی وسعت تو ہے مگر جان نہیں ہے اور جانی عذر نمائندگی سے دور کیا جاسکتا ہے اور یہ نمائندگی نماز میں جائز نہیں حج اور عمرہ اور مالی عبادت میں جائز ہے۔

عن ابن عباس قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لبیک عن بشرمہ قال من بشرمہ قال اخ لی او قریب لی قال احججت عن نفسک قال لا قال حج عن نفسک ثم حج بشرمہ (شافعی 'ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ مشکوۃ)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لبیک کہتے ہوئے سنا تو وہ کہہ رہا تھا لبیک عن بشرمہ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بشرمہ کون ہے تو اس نے کہا کہ میرا بھائی تھا یا رشتہ دار تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہے تو اس نے کہا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اپنا حج کر پھر بشرمہ کی طرف سے کر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج بدل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہو پھر حج بدل کرسکتا ہے اور اس سے پہلی احادیث میں چونکہ یہ شرط نہیں لگائی اس حدیث میں یہ شرط لگائی ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے اس

نے پہلے حج کیا ہوا ہو۔

عورتوں پر بھی حج فرض ہے۔

عن عائشه قالت استاذنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الجهاد فقال جهاد کن الحج۔ (متفق علیه مشکوة)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔

عن عائشه قالت قلت یارسول اللّٰه علی النساء جهاد قال نعم علیهن جهاد ولا قتال فیه الحج والعمرة۔ (ابن ماجه مشکوة

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ عورتوں پر جہاد ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان پر جہاد فرض ہے جس میں لڑائی نہیں ہے وہ حج اور عمرہ ہے۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ حدیثیں بھی سورۃ البقرہ کے جملہ اتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں اجمال ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج و عمرہ صرف مردوں پر ہے عورتوں پر نہیں ہے کیونکہ اتموا الحج حاضر امر کا صیغہ ہے اور یہ جمع مذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مذکر کو یہ حکم ہے عورتوں کو نہیں ہے پس نبی اکرم ﷺ نے ان دو حدیثوں میں جواب دیا کہ یہ حکم عورتوں کو بھی شامل ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول رکھا ہے کہ جو احکامات مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں وہاں صیغہ مذکروں کا بولا جاتا ہے اور جہاں احکامات عورتوں کے لئے الگ ہوتے ہیں وہاں صیغہ مونث کا بولا جاتا ہے اس قاعدہ کے تحت یہاں جو اتموا صیغہ امر ہے یہ سب مردوں کو اور عورتوں کو شامل ہے اور عورتوں پر بھی حج فرض ہے۔

حیض اور نفاس والی عورت طواف کے سوا سارے ارکان ادا کرے

عن عائشة قالت نفست اسماء بنت عميس بمحمد بن ابی بکر بالشجره قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابابكر ان تغتسل وتهل .ابو دائود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیس نے محمد بن ابی بکر کو درخت کے نیچے جنم دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو فرمایا کہ وہ غسل کرے اور احرام باندھ لے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی الله عليه وسلم قال الحائض والنفساء اذا اتيا على الوقت تغشلان وتحرمان وتقضيات المناسك كلها غير الطواف بالبيت (ابو دائود)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض اور نفاس والی عورتیں جب آئیں اوپر وقت کے (یعنی حج کے موقعہ پر) تو وہ غسل کریں اور احرام باندھیں اور حج کے تمام ارکان پورے کریں البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔

وعن عائشة قالت خرجنا مع النبی صلی الله عليه وسلم لانذكر الا الحج فلما كنابسرف طمثت فدخل النبی صلی الله عليه وسلم وانا ابكی فقال لعلك نفست قلت نعم قال فان ذالك شی كتبه الله على بنات آدم فافعلی مايفعل الحاج غير ان لا تطوفی بالبيت حتى تطهری.متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حج کو) چلے اور ہم صرف حج کا ذکر کرتے تھے (یعنی لبیک وغیرہ میں) پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھ کو حیض آنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں رو رہی تھی (یعنی اس خیال سے کہ حیض کے سبب میرا حج نہ ہو سکے گا) آپؐ نے پوچھا تم کو خون آنے لگا۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو مقرر کر دیا اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر۔ پس تم وہ افعال ادا کرو جو حاجی کرتے ہیں مگر بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ۔

تشریح

یہاں اس بحث میں تین حدیثیں ہیں اور یہ حدیثیں بھی سورۃ البقرہ کی اس آیت

واتموالحج والعمرة کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اجمال ہے اس میں خطاب اگرچہ مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اسمیں شامل ہیں کیونکہ یہ اصول ہے کہ جو احکامات مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں وہاں صیغہ مذکروں کا ہی بولا جاتا ہے اس قاعدہ کے تحت عورتوں کو بھی اتمام حج وعمرہ کا حکم ہے مگر شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایام حیض و نفاس میں کیا کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں جواب دیا کہ عورت ان ایام میں حج وعمرہ کے تمام ارکان ادا کرے گی مگر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گی کیونکہ وہ مسجد ہے اور مسجد میں ان عورتوں کا داخلہ منع ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ پاک ہونے کے بعد یہ طواف کریں ورنہ دم لازم آئے گا جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے اور یہودی وعیسائی میں فرق نہیں ہے۔

عن علی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ملك زادوراحله تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلاعليه ان يموت يهودياونصرانيا وذلك ان الله تبارك وتعالى يقول الله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا. (ترمذی ومشكوة)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی زاد اور راحلہ (یعنی آنے جانے کا خرچ) اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچائے اور وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ چاہے یہودی مرے یا نصرانی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ واسطے اللہ لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھے (یہ حدیث ترمذی اور مشکوۃ میں ہے)

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاصروره فى الاسلام (ابو دائود مشكوة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ترک حج نہیں۔ (یعنی حج چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اراد الحج فليعجل(ابو دائود. دارمى مشكوة)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو

حج کا ارادہ کرے تو جلدی کرے۔

وعن ابن عمر قال جاء رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ مایوجب الحج قال الزاد والراحلہ۔ (ترمذیص ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ کونسی چیز حج کو واجب کرتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آنے جانے کا خرچ اور سواری۔

تشریح

اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ چاروں احادیث قرآن مجید کے اس جملہ اتموا الحج والعمرۃ للہ کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں اجمال ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھے اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ جہاں والوں سے بے پرواہ ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود استطاعت کے جو حج نہ کرے اس کو یہاں دھمکی سنائی گئی ہے تو اب وہ کس درجہ میں شامل ہوگا۔ پس نبی اکرم ﷺ نے ان احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمادی ہے پہلی حدیث میں فرمایا ہے کہ جس پر حج فرض ہوجائے اور وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی مرے یا نصرانی مرے (یعنی ایسے شخص میں اور یہود ونصاری میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ وہ بھی حج نہیں کرتے اور اس نے بھی حج نہیں کیا تو کوئی فرق نہ ہوا۔ اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والے اعمال ہی ہیں اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ اسلام میں ضرورۃ نہیں ہے ضرورت سے مراد یہاں حج کے سوا رہنا ہے (یعنی ایک مسلمان پر جب حج فرض ہوجائے تو اسے حج کے سوا رہنے کی اجازت نہیں ہے اور تیسری حدیث میں اسی پہلی حدیث کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ حج کی نیت ہو تو اسے جلدی کرنی چاہئے اور چوتھی حدیث

میں استطاعت کا بیان ہے کہ اس کے پاس آنے جانے کا خرچ و سواری ہو اور اس کے واپس آنے تک اہل عیال کا خرچ ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

حج و عمرہ کے لئے گداگری حرام ہے۔ تجارت جائز ہے

عن ابن عباس قال کان اهل الیمن یحجدون فلا یتزودون ویقولون نحن المتوکلون فاذا فد سالوالناس فانزل اللّٰه تعالٰی وتزودا فان خیر الزاد التقوی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور سفر خرچ ساتھ نہیں لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں اور جب مکہ آتے تھے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری کہ سفر خرچ ساتھ لے جاؤ بہترین زاد تقوی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج و عمرہ کو بہانہ بناکر سوال کرنا ناجائز جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وہاں بیت اللہ میں گداگری کرتے ہیں۔

عن عبداللّٰه بن عباس قال قرا هذه الآیت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم قال کانوا لا یتجرون یمنی فامروا باالتجارة اذا افاضوا من عرفات (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یمنی تجارت نہیں کرتے تھے اور تجارت کو گناہ سمجھتے تھے۔ (یعنی وہ لوگ گداگری تو کرلیتے تھے مگر تجارت نہیں کرتے تھے اور اسے گناہ سمجھتے تھے تو اللہ نے اس کی تردید بیان فرمائی ہے کہ گداگری گناہ ہے تجارت گناہ نہیں ہے۔ پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ حج میں کوئی تجارت کرے تو مباح ہے، حج میں فرق نہیں آتا

حدث ابو امامه تیمی قال کنت رجلا آکری فی هذا وکان ناس

يقولون اثر ليس لک حج فلقيت ابن عمر فقلت بابا عبدالرحمان ان رجل اکری فی هذا الوجه و ان ناسا يقولون انه ليس لک حج فقال ابن عمر اليس تحرم و قلبی و تطوف بالبيت و تفيض من عرفات و ترمی الجمار قال بلی قال فان لک حج جار رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فساله عن مثل ماسالتی عنه فسکت عنه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم يحسبه فی نزلت هذه الآيت ليس عليکم جناح ان تبتغوا فضلاً" من ربکم فاسل اليه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قراء هذه الايته وقال لک حج (ابو داؤد)۔

ابو امامہ تیمی نے کہا کہ میں حج میں کرایہ پر کام کرتا تھا اور مجھے کچھ لوگوں نے کہا کہ تیرا حج نہیں ہوتا۔ تو میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے کہا کہ ابو عبدالرحمان میں کرایہ پر کام کرتا ہوں موسم حج میں اور مجھے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ تیرا حج نہیں ہوتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے۔ تلبیہ نہیں پڑھتے۔ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے۔ عرفات سے واپس نہیں آتے اور جمروں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں یہ سارے کام کرتا ہوں۔ تو فرمایا کہ تیرا حج صحیح ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا تھا اور اس نے ایسا ہی سوال کیا تھا۔ جیسا کہ تو نے مجھ سے کیا ہے تو آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر یہ آیت اتری لیس علیکم جناح تا آخر تو آپؐ نے اسے بلاکر یہ آیت سنائی اور فرمایا تیرا حج صحیح ہے (یہ حدیث) ابو داؤد نے نقل کی ہے۔

اگر معتمر کے راستے میں رکاوٹ ہو تو ھدیہ دے اور اس کے ذبح ہونے تک احرام نہ کھولے

فان احصرتم فما استيسر من الهدی ولا تحلقوا رؤسکم حتی يبلغ

الهدی محلہ   پس اگر تم روکے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچے۔ تفسیر۔

یہ آیت اس سے پہلے جملہ و اتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے اور یہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جملہ میں اجمال ہے اس میں تو اتنا ارشاد ہے کہ حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے خود جواب دے دیا کہ ھدیہ دے دے اور یہ ھدیہ مقرر نہیں ہے جو میسر ہو وہ دے دے مثلاً" گائے۔ بکری۔ دنبہ وغیرہ اور یہ رکاوٹ عام ہے خواہ حکومت کی طرف سے ہو یا کوئی شدید بیماری لاحق ہو جائے یا رہزنوں کا خطرہ ہو اور یہ ھدیہ ذبح کرکے حاجی احرام سے باہر آسکتا ہے۔ یعنی ھدیہ ذبح کرنے کے بعد سر وغیرہ منڈوائے اور ذبح کرنے کی جگہ پوری زمین حرم ہے جہاں چاہے ذبح کرسکتا ہے اور میقات کے اندر جتنا ایریا ہے وہ سب زمین حرم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ سے حدیبیہ میں ھدایا ذبح کرائے تھے جب کفار نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو عمرہ ادا کرنے سے روکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میقات کے اندر سب زمین محلہ ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ھدیہ منیٰ کے مذبح میں ہی ذبح کیا جائے جہاں آج کل جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ھدیہ کا جانور انسان خود ذبح کرے بلکہ اس کا نمائندہ اور خلیفہ بھی ذبح کرسکتا ہے۔ فمن کان منکم مریضا تا امنتم۔ اس جملہ میں یہ بتایا ہے کہ اگر آدمی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ سر منڈوا سکتا ہے مگر اس پر فدیہ لازم ہے مگر اس کی تین صورتیں بتائی ہیں۔ روزہ یا صدقہ یا قربانی ان تینوں میں سے جو چاہے کرسکتا ہے۔ اور امن قائم

ہونے کے بعد عمرہ کی قضا کرنی پڑے گی۔

حج اور عمرہ ملا کر ادا کرنے کے دنیاوی اور اخروی فضائل کا بیان

عن ابی مسعود قال قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) تابعوا بین الحج والعمرة فانهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفعی الکیر خبث الحدید والذهب والفضه ولیس للحج المبرورة ثواب الا الجنه (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ مشکوۃ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پے درپے کرو حج اور عمرہ بے شک وہ فقر اور گناہوں کو اس طرح رد کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے۔ سونے اور چاندی کی میل کو دور کرتی ہے۔ اور حج مقبول کا ثواب صرف جنت ہے۔ (یہ حدیث ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ اور مشکوۃ میں موجود ہے۔)

عن انس قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لبیک بعمرة و حج۔ (ترمذی)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لبیک بعمرہ و حج میں عمرہ اور حج کے لئے حاضر ہوں۔

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں ہیں۔ اور یہ حدیثیں بھی قرآن مجید کے اس جملہ واتموا الحج والعمرة کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو ملا کر

ذکر فرمایا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ملاکر ادا کرنا چاہئے۔ مگر ملاکر ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں ۔ایک یہ ہے کہ میقات، سے حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کرلیں۔ اس کو قران کہتے ہیں اس جملہ اتموالحج وعمرۃ میں اسی کی صرف اشارہ ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ کی نیت کرکے اس کے ارکان ادا کرے اور پھر آٹھویں ذی الحج کو حج کی نیت کرے اس کو تمتع کہتے ہیں۔فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج سے یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ دو صورتیں تو بیان فرمادی مگر اس کے فوائد اور فضائل نہیں بیان فرمائے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ ان کے کچھ فوائد آخر ہوں گے۔ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں ان کے دو قسم کے فوائد بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ان سے انسان کے گناہ معاف ہوں گے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان سے انسان کا فقر دور ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح کہ بھٹی سے لوہے۔ سونے اور چاندی کی میل دور ہوتی ہے اسی طرح ان سے گناہ اور فقر دور ہوتا ہے اور یہ ثواب اور فوائد دنیاوی اور اخری قران اور تمتع دونوں کے ہیں کیونکہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کرتابعوا بین الحج والعمرۃ یہ عام ہے پہلے عمرہ کرے پھر حج کرے یا ملاکر کرے یا پہلے حج کرے پھر عمرہ کرے۔ یہ فرمان ان تینوں صورتوں کو شامل ہے اور دوسری حدیث جو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں دونوں کی تلبیہ کا طریقہ بتایا ہے کہ تلبیہ پڑھتے وقت حج اور عمرے دونوں کا نام لینا ہے اور حج افراد کا بیان للہ علی الناس حج البیت میں ہے اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔

صرف عمرے کے فضائل کا بیان

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العمرۃ الی

العمرۃ کفارہ لما بینھما والحج المبرور لیس لہ جزا الا الجنہ۔
(متفق علیہ۔ مشکوۃ)

حضرت ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرہ سے عمرہ تک مابین کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عمرۃ فی رمضان تعدل حجہ (متفق علیہ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان میں فرائض کا ثواب ستر فرائض اور نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ماہ رمضان میں عمرے کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمروں کا بیان

حدثنا قتادہ قال قلت لانس بن مالک کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حجہ واحدہ وعتعمر اربع عمر۔ عمرہ فی ذی القعدہ و عمرہ الحدیبیہ و عمرہ مع حجتہ و عمرہ الجعرانہ اذا قسم غنیمہ حنین (ترمذی)۔

حضرت قتادہ ﷺ نے کہا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ایک حج اور چار عمرے کئے ہیں۔ ایک عمرہ ذی قعدہ میں (یہ عمرہ قضا کا تھا) اور ایک عمرہ حدیبیہ والا۔ اور ایک عمرہ حج کے ساتھ (یعنی حجہ الوداع) اور ایک عمرہ جعرانہ والا جب آپ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔

تشریح

یہاں یہ حدیث بھی قرآن مجید کے اس جملہ واتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ اس میں اجمال ہے کیونکہ اس میں یہ شبہہ ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے مخاطب ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عملی نمونہ پیش کرکے بتایا کہ آپ بھی اس کے مخاطب تھے مگر آپ کے حج کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں ہجرت سے پہلے آپ کے دو حج کا ذکر آیا ہے اور بعض میں ایک کا ذکر آیا ہے۔ اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج آپ نے کیا تھا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اور عمروں کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے تین عمروں کا ذکر کیا ہے۔ یہ حدیبیہ والے عمروں کو شامل نہیں کرتے کیونکہ مشرکین نے حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا اور پورے ارکان ادا نہیں کرسکے تھے اسی لئے اس سے آئندہ سال ذی القعدہ میں آپ نے جو عمرہ ادا فرمایا تھا اسے عمرۃ القضا کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پہلے سال والا عمرہ ہوا نہیں تھا اور ایک عمرہ آپؐ نے حج کے ساتھ کیا تھا اور ایک فتح حنین کے بعد کیا تھا۔ اور حج والے عمرے کے سوا باقی عمرے آپ نے ذی قعدہ میں کئے تھے۔ اور آپؐ کے ہجرت سے پہلے کے عمروں کی تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔ شاید کہ رجب والا عمرہ ہجرت سے پہلے کا ہو کیونکہ ایک روایت میں جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ آپ نے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے۔

حج کا پہلا فرض احرام باندھنا

ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عندہ ربہ سورۃ الحج آیت ۳۰

اور جو اللہ کی معزز چیزوں کی تعظیم کرے گا سو یہ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔(سورۃ الحج آیت ۳۲)
اور جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے سو یہ دل کی پرہیزگاری ہے۔
غیر محلی الصید وانتم حرم (سورۃ المائدہ آیت ۱)
مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو۔
یایھا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم (سورۃ المائدہ آیت ۹۵)
ایمان والو جب وقت تم احرام باندھو تو شکار کو نہ قتل کرو۔
وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما (سورۃ المائدہ آیت ۹۶)
اور تم پر جنگل کا شکار کرنا حرام کیا گیا جب تک کہ تم احرام میں ہو

تفسیر

یہ جملے سورۃ بقرہ کے جملہ واتموا الحج والعمرۃ کی تفسیر ہے۔ یہاں اس بحث میں پانچ جملے ہیں۔ پہلا جملہ سورۃ الحج کی آیت تیس کا ہے۔ اس میں اتنا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی معزز چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے لئے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور دوسرا جملہ سورۃ الحج کی آیت بتیس کا ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری ہے۔ بہرحال ان دونوں جملوں میں اجمال ہے کیونکہ یہاں حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تفصیل نہیں ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں۔ اور ان کی تعظیم کیا ہے۔ اور کس طرح وہ تعظیم کرنا ہے اور اس کے بعد سورۃ المائدہ کے جملے ہیں۔ ان میں سورۃ الحج کے جملوں کی کچھ تفصیل آتی ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کرسکتے ہو۔ مگر پوری تفصیل نہیں اور ان جملوں کا تقاضا ہے کہ ان کی تفصیل ہونی چاہئے۔ جو عن قریب انشاء اللہ العزیز احادیث کی روشنی میں عرض کی جائے گی۔ اور بہرحال ان جملوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ احرام اہم ہے کیونکہ اس حالت میں شکار کی اجازت نہیں ہے۔ علماء کی اصطلاح میں اتنی اہم چیز کو فرض کہتے ہیں۔ یعنی حج و عمرہ پورے تب ہوں گے

کہ حرمات اللہ کی تعظیم ہو گی۔

میقات حج و عمرہ

عن ابن عباس قال وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل المدینہ ذوالحلیفہ ولاھل الشام الجحفہ ولاھل نجد قرن المنازل ولاھل الیمن یلملم فھن لھن ولمن التی علیھن من غیر اھل ھن لمن کان یرید الحج والعمرۃ فمن کان وانھن فھلہ من اھلہ وکذاک وکذاک حتی اھل مکہ یھلون منھا (متفق علیہ۔ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ببر علی (ذوا الحلیفہ) کو مقرر فرمایا اور شام والوں کے ئے جحفہ (نام جگہ) اور بجد والوں کے لئے قرن المنازل (نام جگہ) اور یمن والوں کے لئے یلملم (نام جگہ) یہ جگہیں تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو وہاں کے باشندے ہیں اور ان کے لئے ہیں کہ جو ان کے غیر وہاں سے آکر گزرنا چاہیں جب کہ وہ لوگ حج و عمرہ کا اراوہ رکھتے ہوں۔ اور جو لوگ ان کے اندر رہتے ہیں ان کے احرام کی جگہ انہیں گھروں سے ہے۔ اسی طرح اور اسی طرح یہاں تک کے مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں۔

وعن ابن عباس قال وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل المشرق العقیق (ترمذی۔ ابوداؤد۔ مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشرق والوں کے لئے (عقیق) (نام جگہ) احرام کی جگہ مقرر فرمایا ہے اور مشرق والوں سے مراد عراق ہیں۔

عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت لاھل العراق ذات عرق۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ مشکوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لئے ذات عرق (نام جگہ) کو احرام کی جگہ مقرر فرمایا۔ پہلی حدیث میں اہل مشرق کے ئے عقیق کا ذکر آیا ہے اور اس میں ذات عرق کا ذکر ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عراقیوں کے لئے دو میقات ہیں عقیق اور ذات عرق وہ ان میں سے جہاں سے چاہیں احرام باندھ لیں۔

تشریح۔ یہاں اس بحث مین دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ حدیثیں بھی سورۃ البقرہ کے اس جملہ واتموا الحج والعمرۃ اور سورۃ الحج اور سورۃ المائدہ کے جملوں کی تفسیر ہے کیونکہ سورۃ البقرہ کے جملہ واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ میں فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا کرو۔ اس میں اجمال ہے کیونکہ یہ نہیں بتایا کہ کس طرح پورا کرو اور سورۃ الحج کے جملوں میں فرمایا ہے کہ حرمات اللہ کی تعظیم کرو یعنی بیت اللہ۔ عرفات اور مشعر حرام وغیرہ حرمات اللہ ہیں ان کی تعظیم کرو۔ اور سورۃ المائدہ کے جملوں میں ان کی تعظیم کی ایک صورت بیان فرمائی کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ بہرحال پوری وضاحت نہیں ہے کہ تعظیم کن، کن چیزوں کی کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حدیثوں میں یہ وضاحت فرمادی ہے کہ فلاں فلاں چیز کی تعظیم کرنا ہے اور اس طرح کرنا ہے ان میں سے سب سے پہلے میقات سے احرام باندھ کر گزرنا ہے اور تمام لوگوں کو ان کے میقات بھی بتادیئے ہیں۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ۔ اہل شام کے لئے جحیفہ۔ بجدیوں کے قرن منازل۔ یمیوں کے لئے یلملم۔ عراقیوں کے لئے عقیق یا ذات عرق اور ان علاقوں سے باہر کے لوگ یہاں سے گزریں تو ان میقات سے احرام باندھیں اور ان سے اندر رہنے والے اپنے اپنے گھروں سے

عن ام سلمہ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اھل بحجہ او عمرہ من المسجد الاقصی الی المسجد الحرام غفر لہ ما تقدم

من ذنبه وماتاخر او وجبت له الجنه (ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ مشکوۃ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپؐ فرمار ہے تھے کہ جو آدمی مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے لے کر مسجد حرام تک احرام باندھے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بیان

عن عائشه قالت کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحرام قبل ان یحرم ولحله قبل ان یطوف بالبیت بطیب فیه مسک کانی انظر الی ویبض الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم متفق علیه۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں آپ کے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی اور احرام باندھنے سے پہلے جب آپ بیت اللہ کے طواف کو جاتے اس وقت بھی خوشبو لگاتی اور اس خوشبو میں مشک بھی ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپؐ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

و عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھل ملبدا یقول لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمه لک والملک لا شریک لک لا یزید علی ھولاء الکلمات متفق علیه۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے اس طرح تلبیہ کہتے سنا جبکہ آپ تلبید (۱) کئے ہوئے تھے لبیک البیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمه لک والملک لا شریک لک یعنی

حاضر ہوں میں تیری خدمت میں اے اللہ! حاضر ہوں تیری خدمت میں حاضر ہوں تیری خدمت میں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حاضر ہوں تیری خدمت میں۔ ساری تعریفیں اور نعمت تیرے ہی لئے ہیں اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ آپؐ ان کلمات سے زیادہ نہ کہتے۔ (بخاری و مسلم)(تلبید کرنا یہ ہے کہ احرام باندھنے والے اپنے سر کے بالوں میں گوند یا خطمی یا اور کوئی چیز لگا لیتے ہیں تاکہ بال چپک جائیں اور مل جائیں اور ان پر گرد و غبار کا اثر نہ ہو اور پریشان نہ ہوں اور جوئیں نہ پڑیں۔ ۱۲ مترجم)

وعنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادخل رجلہ فی الغرز و استوت بہ ناقتہ قائمہ اھل من عند مسجد ذی الحلیفہ متفق علیہ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے پاؤں کو رکاب میں داخل کر لیتے (یعنی اپنی سواری پر بیٹھ جاتے) اور اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی تو آپؐ مسجد ذوالحلیفہ کے قریب ٹھہرتے اور وہاں سے احرام باندھتے۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابی سعید ن الخدری قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصرخ بالحج صراخا رواہ مسلم

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حج کو) چلے اس حال میں کہ ہم حج کے لئے چلاتے تھے۔ (مسلم)

وعن انس قال کنت ردیف ابی طلحہ و انھم لیصرخون بھما جمیعاً الحج و العمرہ۔ رواہ البخاری

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں (سواری پر) ابو طلحہؓ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور صحابہؓ حج و عمرہ دونوں کے لئے چلا چلا کر تلبیہ کہتے تھے۔ (بخاری)

وعن عائشہ قالت خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حجہ الوداع فمنا من اھل بعمرہ ومنا من اھل بحج و عمرہ ومنا من اھل

بالحج و اهل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالحج فاما من اهل بعمرہ فحل واما من اهل بالحج او جمع الحج والعمرہ فلم یحلوا حتی کان یوم النحر متفق علیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور بعض نے صرف حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا پھر جس نے ہم میں سے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو حلال ہوگیا اور جس نے صرف حج کا یا حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا تھا وہ حلال نہ ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آگیا۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابن عمر قال تمتع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع بالعمرۃ الی الحج بداء فاهل بالعمر ثم اهل بالحج متفق علیہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں تمتع کیا یعنی عمرہ کا احرام باندھ کر حج کا احرام باندھا اول آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور پھر حج کا احرام باندھ لیا۔ (بخاری و مسلم)

عن زید بن ثابت انہ رای النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تجرد لاھلالہ واغتسل رواہ الترمذی والدارمی

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ احرام باندھنے کے لئے برہنہ ہوئے اور غسل کیا اور پھر احرام باندھے۔ (ترمذی۔ دارمی)

وعن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لبدراسہ بالغسل رواہ ابوداؤد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے سر کے بال ان چیزوں سے جن سے سر دھویا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

وعن خلاد بن السائب عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقانی جبریل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال اولتلبیہ رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ والدارمی

حضرت خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس امر کا حکم دوں کہ وہ احرام باندھتے وقت یالبیک کہتے وقت اپنی آوازوں کو بلند کریں یعنی چلاچلا کر لبیک کہیں۔ (ترمذی۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

وعن سھل بن سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یلبی الا لبی من عن یمینہ و شمالہ من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ھھنا وھھنا رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسلمان جب لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے پتھر درخت اور مٹی کے ڈھیلے سب لبیک کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ادھر کی ساری اور ادھر کی ساری زمین۔

وعن بن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع بذی الحلیفہ رکعتین ثم اذا استوت بہ الناقہ قائمہ عند مسجد ذی الحلیفہ اھل بھولاء الکلمات ویقول لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک و الخیر فی یدیک لبیک والرعباء الیک والعمل متفق علیہ ولفظہ لمسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر مسجد ذوالحلیفہ کے قریب پہنچ کر آپ ان کلمات کے ساتھ تلبیہ کہتے اللھم لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرعباء الیک والعمل یعنی اے اللہ میں حاضر ہوں تیری خدمت میں حاضر ہوں تیری خدمت

میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور محبت توجہ تیری ہی طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ (بخاری و مسلم)

وعن عماره ابن خزیمه بن ثابت عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه کان اذا فرغ من تلبیه سال اللہ رضوانه والجنه واستعفا برحمته من النار رواه الشافعی

حضرت عمار بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ابن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہنے سے فارغ ہوتے تو خدا تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ اس سے دوزخ کی آگ سے معافی طلب کرتے۔ (شافعی)

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما اراه الحج اذن فی الناس فاجتمعوا فلما اتی البیداء احرم رواه البخاری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو اعلان کرادیا اور لوگ جمع ہوگئے پھر میدان بیداء میں پہنچ کر احرام باندھا۔ (بخاری)

وعن ابن عباس قال کان المشرکون یقولون لبیک لاشریک لک فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ویلکم قد قد الا شریکا هولک تملکه وماملک یقولون هذا وهم یطوفون بالبیت (رواه مسلم)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرک لوگ جب تلبیہ کہتے تو اس طرح کہتے لبیک لاشریک لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر فرماتے افسوس ہے تم پر بس بس (اتنا ہی کہو۔اس سے زیادہ نہ کہو مگر وہ اس کے بعد کہتے الا شریکا هولک تملکه وما یملک (مشرکین کے تلبیہ کا ترجمہ یہ ہے۔ حاضر ہوں میں تیری خدمت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ مگر وہ شریک جو تیری ملک

ہے تو اس کا مالک ہے اور وہ شریک تیرا مالک نہیں۔) مشرکین ان کلمات کو کہتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے۔

تشریح۔ یہاں اس بحث میں چودھا احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ احادیث سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت ایک کے جملہ غیر محلی الصید وانتم حرم اور آیت پچانویں کے جملہ یایھا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کے لئے احرام کی تعلیم ہے مگر ان میں اجمال ہے۔ کیونکہ ان میں احرام باندھنے کا طریقہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ احرام کس طرح باندھنا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں یہ تفصیل بیان فرمادی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب میقات پر پہنچے تو بہتر یہ ہے کہ غسل کرے اور دو چادریں پہنے۔ خوشبو اگر ہو تو لگالے اور دو رکعات نفل پڑھے اس کے بعد اس کی مرضی ہے صرف حج کا ارادہ کرے یا حج اور عمرہ دونوں کا ارادہ کرے یا پہلے عمرے کا عمرہ اور بعد میں حج کا ارادہ کرے۔ ہر ایک کی تلبیہ الگ الگ مذکور ہے اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ دعا بھی مسنون ہے اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی اے اللہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے اس کو میرے لئے آسان بنا اور میری طرف سے قبول فرما اور اگر حج اور عمرے دونوں کا ارادہ کیا ہے تو یوں دعا کرے اللھم ان ارید العمرۃ والحج فیسرھمالی وتضیل ھمامنی اے اللہ میں نے عمرہ اور حج کا ارادہ کیا ہے ان کو میرے لئے آسان بنا اور انہیں میری طرف سے قبول فرما اور اگر صرف عمرہ کا ارادہ کیا ہے تو یوں دعا کرے اللھم انی ارید العمرۃ فیسرھا منی وتقبلھامنی اے اللہ میں نے عمرے کا ارادہ کیا ہے اسے میرے لئے آسان بنا اور قبول فرما اور اس کے بعد باواز بلند تلبیہ پڑھتے

لبیک اللھم لبیکلبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمہ لک والملک لا شریک لکاور ایک حدیث میں تلبیہ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیلک لبیک والرغباء البیک والعمل الصالح(متفق علیہ۔ مشکوۃ) تلبیہ کے یہ الفاظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان میں کمی کی اجازت نہیں ہے۔ اس تلبیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضا الٰہی' دخول جنت اور دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتے تھے لھذا حاجی کو یا معتمر کو یہ دعا بھی کرنا چاہیئے۔ اور آخری حدیث میں مشرک لوگ تلبیہ کے الفاظ میں جو مشرکانہ الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اس کی تردید بیان فرمائی ہے اور ان الفاظ سے منع فرمایا اور وہ الفاظ یہ تھے۔ لبیک لا شریک لک الا شریکا ھولک تملکہ وما ملک مشرکین یہ الفاظ پڑھتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الا شریکا ھولک تملکہ وما ملک کے الفاظ سے منع فرماتے تھے اور نیز یہا ں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو احرام باندھنے کی تعلیم دی ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ لباس پہن کر حج کرنا ہے ننگے بدن حج نہیں کرنا۔ کیونکہ یہ مشرکانہ رسم تھی کہ وہ ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور دوسرا مقصد اس کا یہ ہے کہ سابقہ ہیئت کو بدل کر عاجزی میں تبدیل کرنا ہے اور مساوات کا عملی نمونہ اور مظاہرہ کرنا ہے۔ خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ان احادیث میں دس آداب کا بیان ہے اور ان احادیث میں تعظیم حرمات اللہ اور شعائرع اللہ کا عملی نمونہ پیش کرنے کا طریقہ بتاہے۔

پہلا ادب طہارت بدنی یعنی احرام باندھنے وقت انسان کا جسم پاک ہونا چاہیئے بہتر ہے کہ غسل کرے جیسا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تھا تاہم یہ غسل فرض نہیں ہے سنت ہے وضو کرلے تو بھی کافی ہے اور یہ طہارت اس لئے شرط رکھی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ

طہارت ایمان کا حصہ ہے اور پھر اب حاجی نے دو رکعات نماز بھی پڑھنا ہے اور نماز کے لئے وضو شرط ہے اور پھر خوشبو وغیرہ بھی لگالے کیونکہ اب اس نے خداوندی دربار میں پیش ہونا ہے۔ لہذا اس کا چہرہ بھی صاف ہونا چاہئے اور اس کے جسم سے بدبو بھی نہیں آنی چاہئے۔

دوسرا ادب خالص رضا الٰہی کی نیت کرنا ہے۔ تمام اعمال میں نیت کرنا شرط ہے اگر نیت خالصۃ لوجہ اللہ نہ ہوتو کسی بھی نیک عمل کا ثواب نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات کہ اعمال کے ثواب کی دارمدار نیت ہے مگر باقی اعمال میں زبانی نیت ضروری نہیں ہے۔ دل کی نیت کافی ہے مگر حج اور عمرہ میں زبانی طور پر بھی نیت مسنون ہے جیسا کہ نیت کے الفاظ گزر آگئے ہیں

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندا وند
بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی
بزمین چو سجدہ کردم ززمین ندابر آمد
مرا خراب کردی بسجدہ ربائی

تیسرا ادب انکساری یعنی سلے ہوئے کپڑے اتار کر صرف دو چادریں باندھ لینا ہے اور یہ نمونہ اختیار کرنے کی تعلیم اس لئے دی ہے کہ حاجی نے بہت بڑے بادشاہ کے دربار میں پیش ہونا ہے اور اس کو اپنے بندوں کی عاجزی پسند ہے۔ تکبری پسند نہیں ہے اور حاجی اور معتمر زندگی بھر کا اور آخری امتحان دینے جارہا ہے اور اس کے لئے سب سے پہلا مضمون عاجزی اور تواضع رکھا ہے۔ پس جو اس پہلے مضمون میں کامیاب ہوجائے گا تو وہ حج کے پورے امتحان میں کامیاب ہوجائے گا اور جو اس میں ناکام ہوگا وہ پورے حج میں ناکام ہوجائے گا۔ اور دراصل اس لباس کے ذریعہ حاجی کے دل میں یہ صفت اتارنا مقصود ہے۔ صرف یہ لباس ہی مقصود نہیں۔ اگر حاجی کے دل میں یہ صفت اتر گئی تو

آنے والے سفرحج و عمرہ میں قدم قدم پر درپیش امتحانات میں سرخرو ہو گا اور تکبر کی تعریف حدیث میں یوں آئی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا و نعلہ حسنا قال ان اللہ تعالٰی جمیل یحب الجمال۔ الکبر بطر الحق و غمط الناس (مسلم۔ مشکوۃ) آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' جوتے اچھے ہوں تو آپ (صلی اللہ علیہ و سلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی جمیل (خوبصورت) ہے۔ وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور تکبری حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے اور حج کے موقعہ پر چونکہ ہر قسم کا انسان نظر آئے گا۔ کالے رنگ والے بھی ہوں گے۔ گورے بھی ہوں گے۔ لنگڑے اور اپاہج قسم کے بھی ہوں گے۔ امیر بھی ہوں گے اور غریب بھی ہوں گے۔ مختلف ممالک اور زبانوں کے لوگ ہوں گے اور شیطان ہر ایک کے دل میں دوسرے کے بارے میں نفرت پیدا کرے گا اور یہ دراصل اللہ تعالی کی طرف سے انسان کا بہت بڑا امتحان ہو گا اور عملی مشق ہو گی۔ اب جس انسان کے دل میں عاجزی انکساری اور تواضع ہوی تو وہ ان امتحانات میں کامیاب ہو گا۔ اور جس کے دل میں تکبری ہو گی تو وہ تو اللہ تعالی کے حکم کو ٹھکرائے گا اور اس کے بندوں کو حقیر جانے گا تو وہ ناکام ہو گا۔ کیونکہ کسی کو حقیر جاننے کا مقصد یہ ہے کہ یہ خدا نے اچھا نہیں بنایا۔ اور یہ خدا کے فصل پر تنقید ہے جو اسے پسند نہیں ہے لھذا اللہ تعالٰی نے انے دربار میں حاضری دینے والوں کے لئے اور امتحان کے اس پر آشوب سفر میں قدم رکھنے والوں کے لئے لباس ہی ایسا رکھ دیا ہے کہ ان میں انکساری آئے اور وہ اپنے عظیم مقصد میں کامیاب ہو کر جائیں۔

چوتھا ادب شرک سے برات اعلان

یعنی حاجی اور معتمر نے اعلان کرنا ہے کہ لاشریک لک تیرا کسی قسم کا شریک نہیں ہے۔لا شریک لک میں لا نفی جنس ہے۔ اور یہ لا لگانے کی وجہ یہ ہے کہ شرک کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو حاجت روا اور مشکل کشا ماننا اور یقین کرنا ہے اس کو شرک اعتقادی بھی کہتے ہیں اور شرک فی التصرف بھی کہتے ہیں اور دوسری قسم شرک فی العبادۃ ہے اور عبادت کی چار قسمیں ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوۃ اور یہ تمام عبادات صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا حق ہے کسی جن' فرشتے' نبی وغیرہ کے لئے یہ عبارت کرنا شرک ہے اور تیسری قسم شرک فی الدعا ہے بعض اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی سے دعا اور مراد مانگنا شرک فی الدعا ہے۔ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہیئے نہ کہ کسی غیر سے۔ اور چوتھی قسم شرک فی العلم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نبی' ولی اور جنات' فرشتے کو عالم الغیب ماننا شرک فی العلم ہے۔ کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو علوم عطا فرمائے ہیں ان علوم کا نام غیب کی خبر ہے اور علم غیب اور خبر غیب میں فرق یہ ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو سوائے کسی کے سکھلانے آئے۔ یہ علم خاصہ خدا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ علوم حاصل کرنے کے سلسلہ میں ذرائع وسائل وحی' الہام وغیرہ کا محتاج نہیں اور خبر غیب الہام وحی القاء اور ذرائع اور وسائل سے آتی ہے۔ بہرحال لاشریک لک کا یہ جملہ شرک کی تمام اقسام کو حاوی ہے۔ اگر حاجی کا دل شرک کی ان تمام اقسام سے پاک ہوگا تو اس کا حج قبول ہوگا۔اور اگر اس کے دل میں شرک کی ان اقسام میں سے کوئی بھی قسم موجود ہوگی تو اس کا حج قبول نہیں ہوگا۔

پہلے دل کو شرک سے کر پاک تو
پھر خلوص عقیدت سے کر جستجو

ایسے سجدوں سے اللہ ملتا نہیں

ہر جگہ سر جھکانے سے کیا فائدہ

پانچواں ادب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا

ان الحمد والنعمہ لک اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بیان ہے۔ اے اللہ سب تعریفیں اور نعمتیں آپ کی ہیں یعنی حاجی نے احرام باندھنے کے بعد اس کا بھی اقرار و اظہار کرنا ہے کہ سب کو روزی اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں نے مختلف رزاق ٹھہرائے ہوئے تھے۔ اور روزی کی خاطر ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اللہ تعالیٰ کا یہ دربار کعبہ دکھایا اور فرمایا کہ تعریفیں بھی اسی کی کرو اور روزی بھی اسی سے مانگو وہ تمہیں دے گا۔ اس کے سوا تمہیں کوئی روزی نہیں دے سکتا۔ روزی پہنچانا بھی صرف اس کے اختیار میں ہے۔

رفع اشتباہ اب یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے تو دنیا میں لاکھوں انسان روزی کو کیوں ترس رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو روزی پہنچانے کے لئے انتظام مقرر کیا ہے جو قرآن اور احادیث میں مفصل موجود ہے۔ جو لوگ اس کے نظام کے تحت چلتے ہیں انہیں تو بے شمار روزی ملتی ہے جو ان سے سنبھالی بھی نہیں جاتی اور جو اس کے نظام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ روزی کی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اسلامی معیشت جلد سادس و سابع میں آئے گی۔

یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

اگر روزی بدانش برفزودے

زناداں تنگ تر روزی نہ بودے

بناداں آں چناں روزی رساند

کہ دانا اندراں حیراں بماند

چھٹا ادب اللہ تعالیٰ کی مالکیت کا اقرار کرنا

والملک لک لا شریک لک اے اللہ سارے جہاں کی بادشاہی آپ کی ہے۔ آپ کا کوئی شریک نہیں یعنی حاجی نے احرام باندھنے کے بعد یہ بھی اقرار و اظہار کرنا ہے کہ سارے جہاں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو مشرک لوگ گزرے تھے وہ خالق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے اور مالک اور رزاق اعلی بھی وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اپنے خود ساختہ معبودوں کے بارے میں انکا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیارات سونپے ہوئے ہیں جیسا کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے وقت یہ کہتے تھے۔ اے اللہ! آپ کا کوئی شریک نہیں مگر وہ جس کا تو مالک وہ تیرا مالک نہیں ہیں مثلاً" جنات اور فرشتوں کے بارے میں ان کے یہی نظریات تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی بعض کافروں کے یہی عقائد تھے جیسا کہ زکریا علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم ان ہستیوں کے بارے ان کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی طرح مالک و مختار ہیں۔ یہ اپنے ماننے والوں کی امداد اور فریاد رسی کرسکتی ہیں اور یہ قریب سے دور سے غائبانہ طور پر انسان کی پکار سن سکتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ میں یہ جملہ والملک لک لا شریک لگا کر بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کوئی مالک و مختار نہیں ہے۔ کیونکہ والملک لک لا شریک لک میں لائے نفی جنس ہے۔ اس میں ہر قسم کی شراکت کی تردید ہے آج کل اس کا دعوی کرنے والوں میں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو اولیاء اللہ کو متصرف مانتے ہیں جیسا کہ یہ شعر ہے

در بلا افتاد کشتی مدد کن یا معین دین چشتی
امداد کن امداد کن از رنج و غم آزاد کن۔ دردین و دنیا شاد کن اے شیخ عبدالقادر

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی والملک لک لا شریک لک میں ان تمام غلط عقائد کی تردید موجود ہے کیونکہ لا شریک لک میں لائے معنی جنس ہے۔

ساتواں ادب اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کو بہتر سمجھنا

سعدیک والخیر فی یدیک تیرے دربار سے نیک بختی حاصل کرتا ہوں اور آپ کے دست پاک میں ہر قسم کی بھلائی ہے یعنی حاجی بوقت احرام اس بات کا بھی اقرار و اظہار کرے کہ ہر قسم کی سعادت اور بھلائی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کچھ ایسے عقائد کے لوگ بھی تھے جو دو خالق مانتے تھے ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر۔ اور پھر ان کی مدتوں کی پرستش کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جملوں میں یہ تعلیم دی ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے کہ خالق دو ہیں ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر۔ بکہ دونوں (خیر و شر) کا خالق ایک ہی اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر کی بات تو سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے مگر اس نے شر کیوں پیدا کی ہے۔ یہ تو خدا کی شایان شان نہیں ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے مگر ہر چیز میں دو پہلو ہیں ایک خیر والا اور دوسرا شر والا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے استعمال کے بھی اصول رکھے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق جو آدمی اشیاء کو استعمال کرے گا تو فائدہ اٹھائے گا۔ اور جو ان اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ جیسا کہ آگ اس میں جلانے کی اور فنا کرنے کی قوت بھی ہے اور نفع بخش بھی ہے۔ اب جو آدمی اس کو اصول کے مطابق استعمال کرے گا تو اس کو نفع ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت کا ہونا ضروری ہے تب ہی انسان کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تیار ہوسکیں گی۔ پس اس جلانے والی قوت میں بظاہر ہر شر نظر

آتی ہے حقیقتہ اس کے اندر بھی خیر ہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا یہی مقصد ہے سعدیک والخیر فی یدیک

آٹھواں ادب حاجی نے تلبیہ باواز بلند پڑھنا ہے

یرفعوا اصواتھم باھلال او التلبیہ بلند کریں وہ اپنی آوازیں احرام اور تلبیہ کے وقت یعنی آٹھواں ادب یہ ہے کہ حاجی یا معتمر میقات سے جب احرام باندھے یا تلبیہ پڑھے تو اس کی آواز اونچی ہونی چاہئے۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آواز اونچی کرنے کا کلمہ کیوں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ادعوا ربکم تضرعا و خفیہ اپنے رب کو عاجزی سے اور خفیہ خفیہ پکارو۔ اور بلند آواز سے پکارنا تو اللہ تعالیٰ کے ادب کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض عبادات میں بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا حکم ہے کہ جیسا کہ جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور تکبیرات تو سری نمازوں کے اندر بھی بلند آواز سے ہی کی جاتی ہیں۔ اسی طرح میقات سے احرام باندھتے وقت بھی یہی حکم ہے کہ تلبیہ باواز بلند پڑھی جائے کیونکہ تلبیہ کے ان الفاظ میں اور نمازوں کی تکبیرات میں عقیدہ پوری طرح سمو دیا گیا ہے اور اس عقیدے کا اعلان ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عربوں کے ساتھ اختلاف اصل میں اسی عقیدہ توحید کی وجہ سے ہی تھا اور اسی لئے آپ کو مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی تھی۔ اور اسی لئے عربوں نے آپ کے ساتھ لڑائیاں اور جنگیں لڑی تھیں۔ اور اسی عقیدہ توحید کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکین پر فتح عطا فرمائی تھی اور ان کے معبودان باطلہ کی بے بسی ثابت ہوئی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محنت شاقہ سے اپنے توحید پرست صحابہ کی ایک جماعت تیار کرلی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان صحابہ رضی اللہ عنہ کو یہ تعلیم دی تھی کہ نماز کے اندر بھی اور حج بیت اللہ کو جاتے وقت

بھی بلند آواز سے اس عقیدہ توحید کا اعلان اور پرچار کرتے جاؤ۔ اور کیا خوب فرمایا علامہ حالی مرحوم نے ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین ساری جس نے ہلادی
نئی اک لگن ہر اک دل میں لگادی
اک آواز سے سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

نواں ادب اللہ کی محبت سے حج کرنا

والہ غباء الیک والعمل الصالح رغبت تیری طرف ہے اور عمل صالح بھی تیری طرف ہے یعنی نواں ادب یہ ہے کہ حاجی فریضہ حج اللہ تعالیٰ کی محبت سے کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل قبول ہے جو خلوص دل اور محبت سے ہو اور جو عمل محبت سے نہ ہو بلکہ بادل ناخواستہ اور مجبوری سے ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور جب حاجی محبت سے فریضہ حج ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہوگی اور یہ اصول ہے کہ کوئی بھی اپنے محبوب کو رسوا نہیں دیکھنا چاہتا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی حجاج کو جو ان کے محبوب ہیں انہیں رسوا نہیں کرے گا اور جس طرح انسان اپنے محبوب کی ہر خواہش پوری کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے محبوب حجاج کی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ حج کے موقعہ پر حجاج کچھ تو بیت اللہ میں ہی پڑے رہتے ہیں اور کچھ اپنی اپنی رہائش گاہوں پر چلے جاتے ہیں مگر رات کو دو بجے بھی اٹھ کر بیت اللہ کی طرف دیوانوں کی طرف آتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے

کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اللہ کے دل میں ان کی محبت ہے تب ہی تو انہیں کھینچ رہا ہے۔

مایوس نگاہیں روتی ہیں آنکھوں میں سحر ہوجاتی ہے
جب نام تیرا لب پر آتا ہے تسکین جگر ہوجاتی ہے
اک ٹیس جگر سے اٹھتی ہے اک درد سا پیدا ہوتا ہے
ہم اس وقت اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

دسواں ادب اختتام تلبیہ پر رضا الٰہی داخلہ جنت اور دوزخ سے نجات کی دعا

یعنی حاجی جب تلبیہ سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا خوشنودی اور دخول جنت کی دعا کرے۔ اور دوزخ سے نجات کی بھی درخواست کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایسا ہی کیا تھا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حاجی یہ سفرِ حج اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کے لئے اختیار کر رہا ہے اور اگر اس کے اندر گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کو تو گناہوں سے نفرت ہے اور ایسے اسے آدمی سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتے اور اگر یہ توبہ کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے اور التائب من الذنب کمن لاذنب لہ کے تحت اس کا کوئی گناہ ہی نہیں رہے گا۔ اور پھر یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا اور رضا الٰہی کی بھی دعا کرے تاکہ اس کے دل میں ریا پیدا نہ ہو۔ کیونکہ ریا سے سب نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور پھر اس کا یہ سفرِ حج بے کار ہوجائے گا۔

فضائل تلبیہ اور حدیث میں یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ حاجی جب یہ تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کی دائیں جانب بائیں جانب جتنے بھی درخت پتھر اور ڈھیلے ہیں اس کی منتہائے نگاہ تک سب تلبیہ پڑھتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اس کا ثواب بھی اسی حاجی کو ملے گا کیونکہ وہ ہی انہیں تلبیہ پڑھانے کا باعث ہے۔

حج قمری حساب سے کرنا ہے۔

یسئلونک عن الاھلہ ط قل ھی مواقیت للناس والحج ط ولیس البر بان تاتوالبیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی ج واتوالبیوت من ابوابھاص واتقوااللہ لعلکم تفلحون○

ترجمہ:۔ آپ سے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کے اندازے ہیں اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر

نبی ﷺ کے کچھ صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے آپ سے چاندوں کے متعلق سوال کیا کہ یہ چاند بڑھتا گھٹتا کیوں ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کا مقصد بتایا کہ اس سے لوگوں کو اوقات کا اندازہ اور حج کا وقت بتانا ہے اور ساتھ ایک مشرکانہ رسم کی تردید بیان فرمادی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرک لوگ دوران حج اپنے اپنے گھروں کو آجاتے تھے اور اپنے مکانوں کی پشت کی دیواریں توڑ کر گھروں میں داخل ہوتے تھے اور اسے وہ لوگ نیکی سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید بیان فرمائی کہ یہ نیکی نہیں ہے اپنے گھروں کو دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت میں جس کام کے نیک ہونے کا ثبوت نہ ہو وہ بدعت ہے جیسا کہ قبروں کو پختہ بنانا۔ ان پر عرس منانا میلے لگانا۔ کپڑے چڑھانا یہ بدعت ہے کیونکہ لوگ ان کاموں کو نیکی سمجھ رہے ہیں حالانکہ حدیث میں صراحتہ ان کی ممانعت موجود ہے۔

اوقات حج اور محرم کو جن چیزوں سے بچنا چاہئے ان کا بیان

الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق في الحج (آیت ۱۹۷ سورة البقرة)

حج کے چند مہینے معلوم ہیں سو جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو مباشرت جائز نہیں اور نہ گناہ کرنا اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا۔

تفسیر

یہ آیت سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۹ کے شروع والے جملے یسئلونک عن الاهله قل هي مواقيت للناس والحج کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں فرمایا ہے کہ حج چاند کے حساب سے کرنا ہے۔ لیکن ان میں اجمال ہے کیونکہ یہاں یہ تو نہیں بتایا کہ کن مہینوں کے چاند کا اعتبار ہے اور مہینے کی کن تاریخوں سے حج شروع کرنا ہے پس اس آیت کے شروع میں فرمادیا کہ الحج اشهر معلومات کہ حج کے مہینے مشہور ہیں اس جملہ سے دونوں شبہات دور کردیئے ہیں کیونکہ نبی صَلیَ اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی جو لوگ حج کرتے تھے تو شوال۔ ذی القعدہ اور ذی الحج میں آنا جانا شروع کردیتے تھے اور نویں۔ دسویں اور گیارہویں بارہویں ،تیرہویں تاریخوں میں باقاعدہ حج کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے یہ مہینے اور تاریخیں یا تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلی ہی اور یا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی ہیں اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قل صدق الله فاتبعوا مله ابراهيم حنيفا اے نبی آپ کہہ دیں سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ ابراہیم کے ملت کی اتباع کرو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرکین نے حج کے مہینوں اور تاریخوں میں تبدیلی نہیں کی تھی اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ان کی تبدیلی نہیں کی گئی اور فرمایا کہ حج کے مہینے وہی مشہور و معروف ہیں اور جہاں مشرکین نے اور بہت سے چیزیں حج میں شامل کی تھیں ان کی اصلاح فرمائی ہے جن کی تفصیل عن قریب آرہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یعنی حج کا احرام باندھنے کے بعد تین چیزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ پہلی چیز رفث ہے اور دوسری چیز فسق ہے اور تیسری چیز جدال ہے۔ رفث کے معنی فحش گوئی۔ زناکاری۔ جماع یا جس بھی ذریعہ سے مادہ منویہ کا اخراج ہو وہ ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ لا رفث میں لائے نفی جنس ہے یہ مذکورہ رفث کے تمام انواع کو شامل ہے اور خصوصی طور پر یہاں اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حج کے ایام میں ان مذکورہ گناہوں کے مواقع موجود ہوتے ہیں کیونکہ ہر رنگ اور نسل کا آدمی وہاں موجود ہوتا ہے اور مردوں کا اور عورتوں کا باہم اختلاط ہوتا ہے ان حالات میں آدمی کا گناہ سے بچنا مشکل ہے مگر حکم ہے فلا رفث کسی قسم کی فحش گوئی بدکاری جماع وغیرہ نہیں کرنا ورنہ سزا ہو جائے گی۔ بقول شاعر۔

درمیان قعر دریا تحت بندم کردہ ئی۔
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی چیزوں کے ناجائز ہونے کا مقصد تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اپنی بیوی سے ظرافت۔ خوش طبعی دل لگی یا جماع وغیرہ کیوں ناجائز ہے حالانکہ یہ تو حلال کام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حرام کی ہیں البتہ حالت اضطراری میں وہ بھی حلال ہیں۔ اور بعض چیزیں وقتی طور پر حرام ہوتی ہیں جیسا کہ نماز کی حالت میں کھانا پینا، غیر سے گفتگو کرنا وغیرہ اور روزے کی حالت میں کھانا پینا جماع کرنا اور اسی طرح حج میں بھی جماع کرنا حرام قرار دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی تھوڑی دیر کے لئے رضائے الٰہی کی خاطر حلال طیب چیزیں ترک کرے گا وہ قطعی حرام کو بھی چھوڑے گا اور وہ رضائے الٰہی کا پابند بن جائے گا۔ باقی جلد خامس صفحہ ۴ پر دیکھیں۔

وہ لباس جس سے محرم کو بچنا چاہئے۔

عن عبداللہ بن عمر ان رجلا" سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایلبس المحرم من الثیاب فقال لاتلبسواالقمص ولاالعمائم ولاالسراویلات ولاالبرانس ولاالخفاف الا احد" لایجد نعلین فیلبس خفین ویقطعھما اسفل من الکعبین ولاتلبسوا من الثیاب شیئا" مسہ زعفران" ولاورس" متفق" علیہ وذادالبخاری فی روایہ ولاتنتقب المراۃ المحرمہ ولاتلبس القفاذین

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا محرم (احرام باندھے والا) کپڑوں میں سے کیا کیا چیز پہن سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم نہ تو قمیص پہنے نہ عمامہ باندھے نہ پہنے پائجامہ۔ نہ ٹوپی اوڑھے نہ برساتی اوڑھے اور نہ موزے پہنے مگر جس شخص کے پاس جوتیاں نہ ہوں وہ موزے پہن لے مگر پاؤں کے اوپر سے اس کو کھول دے اور نہ ان کپڑوں میں سے کوئی کپڑا پہنے۔ جن میں زعفران اور ورس (ایک خوشبودار گھاس) لگی ہو(بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ محرم عورت نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

وعن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یخطب وھو یقول اذا لم یجد المحرم نعلین لبس خفین واذا لم یجد ازارا" لبس سراویل متفق" علیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ محرم جوتیاں نہ پائے تو موزے پہن لے اور تہ بند نہ پائے تو پائجامہ پہنے۔(بخاری و مسلم)

وعن یعلی ابن امیہ قال کنا عندالنبی صلے اللہ علیہ و سلم بالجعرانہ اذ جاءہ رجل" اعرابی" علیہ حبہ" وھو متضمخ" بالخلوق فقال یارسول

اللہ انی احرمت بالعمرہ وھذہ علی فقال اما الطیب الذی بک فاغسلہ ثلث مرات واما الجبہ فانزعھا ثم اصنع فی عمرتک کما تصنع فی حجکـ متفق علیہ

حضرت یعلی بن امیہ ﷛ کہتے ہیں کہ مقام جعرانہ میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو کرتہ پہنے ہوئے اور خلوق میں لتھڑا ہوا تھا (خلوق) ایک قسم کی خوشبو ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے اس نے کہا یارسول اللہ میں نے عمرہ کا احرام اس حال میں باندھا ہے کہ یہ کہ کرتہ میرے جسم پر تھا۔ آپؐ نے فرمایا خوشبو جو تیرے جسم پر لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو ڈال اور کرتہ کو جسم سے اتار دے پھر عمرے کے احرام میں بھی ایسا ہی کر جیسا کہ حج کے احرام میں کرتا ہے (یعنی ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بچا جو محرم پر حرام ہیں۔ (بخاری و مسلم)

عن نافع ان ابن عمر وجد القر فقال الق علی ثوابا" یا نافع فالقیت علیہ برنسا فقال تلقی علی ھذا وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یلبسہ المحرم (رواہ ابو داؤد)

حضرت نافع ﷛ کہتے ہیں کہ ابن عمر﷛ کو سردی معلوم ہوئی اور مجھ سے کہا نافع مجھ پر کپڑا ڈال دو میں نے برساتی اڑھادی انہوں نے کہا کیا تو مجھ کو بارانی اوڑھاتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے محرم کو اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داؤد)

وعن ام الحصین قالت رایت اسامہ وبلالا" واحدھما اخذ" بخطام ناقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاخر رافع" ثوبہ یسترہ من الحر حتی رمی جھرہ العقبہ (رواہ مسلم)۔

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ دیکھا میں نے اسامہ اور بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہ ایک ان میں سے نبی ﷺ کی اونٹنی کی مہار

پکڑے ہوئے تھا۔ (یعنی بلال) اور دوسرا (یعنی اسامہ) آپ کے سر پر کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھا جب کہ آپ جمرہ عقبہ پر کنکریاں مار رہے تھے۔ (مسلم)۔

تشریح

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث بھی سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں حرمات اللہ اور شعائراللہ کی تعظیم کی تعلیم تو ہے مگر طریقہ نہیں بیان فرمایا کہ کس طرح ان کی تعظیم کرنا ہے اور حضرت محمد ﷺ نے وہ طریقہ بیان فرمایا ہے اس کی کچھ تفصیل تو پہلے بیان ہو گئی ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر حاجی نے بیت اللہ کو جانا ہے اور وہ احرام یہ ہے کہ سلا ہوا لباس اتار دے اور دو چادریں پہن لے اور ان احادیث میں فرمایا ہے کہ حاجی قمیض۔ پگڑی۔ ٹوپی۔ پائجامہ اور موزے نہیں پہن سکتا اور اگر حاجی کو جوتا نہ ملے تو موزہ پہننے کی اجازت ہے مگر پاؤں کے اوپر سے انہیں کھول دے اور خوشبو والے کپڑے بھی نہ پہنے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اگر حاجی کو تہ بند نہ ملے تو پائجامہ پہن سکتا ہے۔ خوشبو بھی نہیں لگا سکتا برساتی بھی نہیں اوڑھ سکتا البتہ گرمی کی وجہ سے کسی کپڑے سے سایہ کر سکتا ہے۔

محرم سینگیاں کھچوا سکتا ہے۔

وعن عبداللہ بن مالک ابن بحینہ قال احتجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم" بلحی جمل من طریق مکہ فی وسط راسہ (متفق" علیہ)

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں سینگیاں کھچوائیں اپنے سر میں مقام لحی جمل پر جو مکہ کے

راستہ میں واقع ہے۔ (بخاری و مسلم)

وعن انس قال احتجم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو محرم" علی ظھر القدم من وجع کان بہ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاؤں کی پشت میں درد تھا کہ آپ نے اس پر احرام کی حالت میں سینگیاں کھچوائیں۔ (ابوداود۔ نسائی)

وعن ابن عباس قال احتجم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو محرم" (متفق" علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سینگیاں کھچوائیں نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

یہاں اس بحث میں تین حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ بھی سورۃ الحج کی آیتوں کی تفسیر ہے ان احادیث کا صرف اتنا مقصد ہے کہ سینگیاں کھچوانا تعظیم حرمات اللہ اور تعظیم شعائراللہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک علاج ہے۔ مریض اضطراری حالت میں یہ کھچوا سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسا کیا تھا۔

عورت کا احرام میں ممنوع لباس

عن ابن عمر انہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھی النساء فی احرامھن عن القفازین والنقاب ومامس الورس والزعفران من الثیاب والتلبس بعد ذلک ما احبت من الوان الثیاب معصفر او خز او حلی او سراویل او قمیص او خف۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منع فرماتے ہوئے سنا عورتوں کو حالت احرام میں اس سے کہ پہنیں وہ دستانے۔ نقاب اور وہ کپڑا جس میں ورس اور زعفران لگی ہو اور احرام سے حلال ہوجانے کے بعد

وہ جو چاہیں پہنیں۔ یعنی رنگین کپڑوں میں سے کسم کا رنگا ہوا ہو یا ریشم ہو۔ زیور ہو پائجامہ ہو قمیص ہو یا موزہ۔ (ابوداوًد)

وعن عائشه قالت كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم محرمات فاذا جازوا بناسدلت احدينا جلبابها من راسها على وجهها فاذا جاوزونا كشفناه۔ (رواه ابوداؤد ولابن ماجه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں اور ہمارے قریب سے قافلے گذرتے رہتے تھے پس جب کوئی قافلہ گذرتا تو ہم میں سے کوئی اپنی چادر کو سر پر تان لیتی اور ہم سب اپنے چہروں کو ڈھک لیتیں۔ پھر جب قافلہ گذر جاتا تو ہم اپنے چہرے کھول لیتے۔ (ابوداوًد۔ ابن ماجہ)

تشریح

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ حدیثیں بھی سورۃ الحج کی آیتوں کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں کے جملوں میں تعظیم حرمات اللہ اور تعظیم شعائراللہ کی تعلیم دی گئی ہے مگر ان میں بھی تعظیم کا طریقہ نہیں بتایا کہ کس طرح تعظیم کرنا ہے اور حضرت محمد ﷺ نے وہ طریقہ بتایا ہے اور اس سے پہلے مردوں کے لئے وہ طریقے بیان فرمائے تھے اور اس سے شبہہ پیدا ہوگیا کہ شاید کہ عورتوں کے لئے بھی یہی اصول ہوں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں فرمایا کہ نہیں احرام کی حالت میں عورتوں کے لیے اصول الگ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ عورت دستانے نقاب اور خوشبودار لباس نہیں پہن سکتیں۔ اس کے علاوہ وہ جو لباس چاہے پہن سکتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ وہ چادر اپنے اوپر تان لیتی تھیں و سر کے ساتھ نہیں لگتا تھا۔

حالت احرام میں نکاح اور منگنی جائز نہیں۔

وعن عثمان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب۔ (رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم نہ تو نکاح کرے گا اور نہ کیا جائے گا اور نہ نسبت بھیجا جائے گا۔ (مسلم)

وعن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تزوج میمونہ وھو محرم"۔(متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں میمونہ سے نکاح کیا۔ (بخاری و مسلم)

وعن یزید بن اصم بن اخت میمونہ عن میمونہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تزوجھا وھو حلال" رواہ مسلم قال الشیخ الامامہ محی السنہ رحمہ اللّٰہ والاکثرون علی انہ تزوجھا حلال وظھر امر تزویجھا وھو محرم" ثم بنابھا وھو حلال" بسرف فی طریق مکہ۔

حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ یعنی میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میومنہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس حال میں کہ وہ حلال تھے یعنی احرام کی حالت میں نہ تھے۔ (امام محی السنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپؐ احرام میں نہ تھے۔ لیکن خبر نکاح اس وقت معلوم ہوئی جب کہ آپؐ احرام میں تھے پھر نبیؐ نے ان سے اس حال میں کہ آپ احرام میں نہ تھے صحبت کی مقام سرف میں جو مکہ کے راستے میں واقع ہے۔

وعن ابی رافع قال تزوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم میمونہؓ وھو حلال" وبنی بھا وھو حلال" وکنت انالرسول بینھما۔ رواہ احمد

والترمذی وقال ھذا حدیث" حسن"

حضرت ابو رافع ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہؓ سے نکاح اس حالت میں کہ آپ احرام میں نہ تھے اور خلوت کی ان سے اسی حالت میں اور میں رسول اللہ ﷺ اور میمونہؓ کے درمیان پیام رسان تھا۔ (احمد۔ ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے)

تشریح

یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث بھی سورۃ الحج کی آیات کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں کے جملوں میں اتنا فرمایا ہے کہ حرمات اللہ اور شعائراللہ کی تعظیم کرنا ہے مگر ان کی تعظیم کے طریقے اور اصول نہیں بتائے اور ان کی ادب کی صورتیں بھی نہیں بتائی کہ وہ کونسی ہیں اور حضرت محمد ﷺ نے ان صورتوں کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ حالت احرام میں نکاح اور پیغام نکاح (یعنی منگنی) منع ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح بھی اگرچہ عبادت ہے مگر حج سب سے زیادہ اہم عبادت ہے لہٰذا نکاح والی عبادت میں داخل نہیں کرنا چاہئے اور نبی کریم ﷺ کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جو نکاح ہوا تھا وہ نکاح حالت احرام میں نہیں ہوا تھا مگر حضرت عباس کو اس وقت پتہ چلا کہ جب آپ ﷺ حالت احرام میں تھے تو وہ سمجھے کہ شاید یہ نکاح حالت احرام میں ہوا تھا تو فرمایا کہ آپ کا یہ نکاح حالت احرام میں ہوا تھا۔

حالت احرام میں جائز کاموں کا بیان

وعن عثمان حدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الرجل اذا اشتکی عینبہ وھو محرم" صمد" ھما بالصبر (رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی نسبت فرمایا کہ احرام کی حالت میں اگر اس کی آنکھیں دکھیں تو ایلوے کا لیپ کرلے۔ (مسلم)

وعن ابی ایوب ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یغسل راسہ وھو محرم"۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں اپنے سر کو دھو لیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

وعن کعب ابن عجرہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرہ بہ وہو بالحدیبیہ قبل ان یدخل مکہ وھو محرم وھو یوقد تحت قدر والقمل تتھافت علی وجھہ فقال اتوذیک ھواملک قال نعم قال فاحلق راسک واطعم فرقا" بین ستہ مساکین والفرق ثلثہ اصع اوصم ثلثہ ایام اونسک نسیکہ (متفق علیہ)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب کہ وہ حدیبیہ میں تھے اور مکہ میں داخل نہ ہوئے تھے اور کعب اس وقت احرام کی حالت میں تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں جھڑ جھڑ کے ان کے منہ پر گر رہی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا جوئیں تجھ کو تکلیف دیتی ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا سر منڈوا ڈال اور ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلادے (فرق تین صاع کا ہوتا ہے) یا تین دن کے روزے رکھ لے یا ایک جانور ذبح کرنے کے قابل ذبح کرے۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یدھن بالزیت وھو

محرم غیر المقنت یعنی غیر المطیب (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں زیتون کا وہ تیل استعمال کر لیتے تھے جس میں خوشبو نہ ہوتی تھی۔ (ترمذی)

تشریح۔ یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث بھی سورۃ الحج کی آیات کے جملوں کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں تعظیم حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعلیم تو دی ہے مگر یہ تفصیل نہیں ہے کہ کون سی چیزیں اور اصول ہیں کہ ان سے حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے اور کون سی چیزیں ہیں جو حرمات اللہ اور شعائر اللہ کے منافی ہیں اور کون سی چیزیں ہیں جو منافی نہیں ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں ان کی بھی تفصیل بیان فرمادی ہے کہ آنکھ دکھ جائے تو اس کا ایلوے لیپ کرانا و سر دھونا غیر خوشبو دار تیل لگانا۔ سر میں جوئیں پڑ جائیں تو اسے منڈوانا جائز ہے مگر سر منڈوانے کی صورت میں ایک فرق اناج مساکین پر صدقہ کرنا ہو گا اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔

محرم کو جنگلی شکار کھیلنے کی ممانعت اور اس کی اخروی اور دنیاوی سزا کا بیان

یایها الذین امنوا لیبلونکم اللّٰه بشئی من الصید تناله ایدیکم ورماحکم لیعلم اللّٰه من یخافه بالغیب فمن اعتدی بعد ذلک فله عذاب الیم۔ یایهاالذین امنوا لا تقتلو الصید و انتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزا مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بلغ الکعبه اوکفاره طعام مسکین او عدل ذلک صیاما لیذوق وبال امره ط عفا اللّٰه عما سلف ط ومن عاد فینتقم اللّٰه منه ط واللّٰه عزیز ذوانتقام احل لکم صید البحر و طعامه متاعا" لکم والسیاره وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما واتقوا

اللہ الذی الیہ تحشرون

اے ایمان والو! البتہ اللہ ایک بات سے تمہیں آزمائے گا اس شکار سے جس پر تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچیں گے تاکہ اللہ معلوم کرے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو! جس وقت تم احرام میں ہو تو شکار کو نہ قتل کرو اور جو کوئی تم میں سے اسے جان بوجھ کر مارے تو اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے اس پر بدلہ لازم ہے جو تم میں سے معتبر آدمی تجویز کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہو یا اس کے برابر روزے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گزر چکی اور جو کوئی پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے تمہارے لئے دریا کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے واسطے مسافروں کے لئے فائدہ ہے اور تم پر جنگل کا شکار کرنا حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر یہاں اس بحث میں سورۃ المائدہ کی آیت چورانویں اور پچانویں اور چھیانویں نقل کی گئی ہیں اور یہ آیتیں سورۃ الحج کی آیت تیس اور اکتیس کے دو جملوں ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیرلہ عند ربہ اور من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں تعظیم حرمات اور شعائر اللہ کی تعلیم تو دی ہے مگر اس تعظیم کے اصول و ضوابط نہیں بیان فرمائے ہیں کہ وہ کیا ہیں اور اس کا مقصد بھی نہیں بیان فرمایا کہ ان حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کیوں کرنا ہے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ تفصیل بیان فرمادی ہے۔ آیت چورانویں میں حکمت بیان فرمائی ہے کہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کرانے کا مقصد امتحان ہے اور یہ امتحان شکار کی صورت میں ہوگا تاکہ محرم کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب پیدا ہو اور اس کے دل

میں خدا کا خوف آئے اور یہ امتحان ایسا ہو گا کہ حاجی اگر شکار کو ہاتھ سے پکڑنا چاہے گا تو پکڑ سکے گا اور اگر اسے نیزے سے مارنا چاہے گا تو بھی مار سکے گا اور اس میں ناکام ہونے والوں کی سزا بیان فرمائی ہے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا اور آیت پچانویں میں تین چیزوں کی بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو اور دوسری چیز یہ ہے کہ جو آدمی جان بوجھ کر شکار کرے گا تو اس کی سزا کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس مارے ہوئے شکار کے برابر مویشیوں میں سے اس پر بدلہ لازم ہے اور اس برابری کے بارے میں دو معتبر آدمی فیصلہ کریں گے اور اسے کعبہ تک پہنچایا جائے یعنی ذبح کیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یا اس مارے ہوئے جانور کے بدلے کفارہ دے جو مساکین کو کھلایا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ یا اس کے برابر روزے رکھے اور تیسری چیز یہ ہے کہ اس کے بعد جو یہ شکار کرے گا تو اسے دردناک عذاب آخرت میں ہو گا۔ اور آیت چھیانویں میں آیت پچانویں کی تشریح ہے کیونکہ اس کے شروع میں فرمایا ہے کہ شکار نہ کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو اور یہ جنگلی اور بحری دونوں کو شامل ہے اور آیت چھیانویں میں اس کی تفصیل بیان فرمادی ہے کہ دریائی شکار حلال ہے اور جنگلی شکار بھی حالت احرام میں منع ہے اور احرام کھولنے کے بعد وہ بھی حلال ہے اور آیت کے آخر میں احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر خلاف ورزی کروگے تو خدا سزا دے گا اور یہ شبہہ بھی دور کیا کہ ہم تو مرجائیں گے خاک سے مل جائیں گے تو خدا ہمیں کس طرح سزا دے گا تو جواب دیا کہ اس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے یعنی تمہارے جسم کے اجزا جہاں بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرلے گا۔ لھذا اس خدا سے ڈرو اور یہ ایک ایسا زریں عقیدہ ہے کہ انسان کے اندر اگر یہ آجائے تو انسان تنہائی میں ہو یا سربازار کہیں بھی اس کے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو سربازار

کسی کا حیا مانع ہو گا تو تنہائی میں تو نہیں ہو گا تو انسان جو چاہے گا سو کرے گا اسی عقیدہ کی وجہ سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انقلاب لائے تھے۔ اور جب سے مسلمانوں میں ضعیف الاعتقادی آئی ہے تو دین بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے یہاں تک کہ خدا کی رائے کو ایک ڈاکٹر یا حکیم کی رائے کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر یا حکیم کہہ دے کہ فلاں چیز کھانا ہے اور فلاں نہیں کھانا تو اس کی پابندی کرتے ہیں اور خداوند پاک نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے کہ فلاں چیزیں حرام ہیں تو ان سے نہیں بچتے اس کا مقصود ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں خدا کی عظمت اور احترام ڈاکٹر یا حکیم کی عظمت کے برابر بھی نہیں ہے اسی لئے انسان میں درندگی آگئی ہے اسی لئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انسان کے منہ میں خوف خدا کی لگام نہ ہو تو یہ درندوں سے بھی برا ہے اس لئے آیت کے آخر میں خوف الٰہی کی تعلیم دی ہے تاکہ انسان احرام کے اصولوں کی پابندی کرے۔ بہرحال ان آیات میں شکار کی پوری تفصیل نہیں ہے کہ جنگلی شکار سب ممنوع ہے یا کچھ مستثنیٰ بھی ہے اس کی پوری تفصیل آئندہ احادیث میں آرہی ہے۔

حالت احرام میں مندرجہ ذیل جانوروں کو مارنا جائز ہے

وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس لا جناح علی من قتلھن فی الحرم والاحرام الفارۃ والغراب الحداۃ والعقرب والکلب العقور (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ چیزیں ہیں جن کو حرم میں اور احرام کی حالت میں مارنا گناہ نہیں (۱) چوہا (۲) کوا (۳) چیل (۴) بچھو (۵) کٹ کھانا کتا۔ (بخاری و مسلم)

وعن عائشہ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس فواسق یقتلن فی الحل والحرم الحیہ والغراب الایقع والفارۃ والکلب

العقور والحدیا (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ موذی جانور ہیں۔ جن کو مارا جائے احرام میں بھی اور حلال ہونے کی حالت میں بھی۔ (۱) سانپ (۲) ابلق کوا (۳) چوہا (۴) کٹ کھانا کتا (۵) چیل

وعن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یقتل المحرم السبع العادی (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہا محرم حملہ کرنے والے درندوں کو مار ڈالے۔ (ترمذی۔ ابوداوٗد۔ ابن ماجہ)

یہاں اس بحث میں تین حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں حدیثیں سورۃ المائدہ کی آیت پچانویں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو اور ان احادیث میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فلاں فلاں جانوروں کو مار سکتے ہیں پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ یہ آیت مخصوص البعض ہے اور آپ ﷺ نے یہ تخصیص وحی سے بتلائی تھی اور وہ جانور یہ ہیں چوہا۔ چیل۔ سیاہ و سفید کوا۔ بچھو۔ باولہ کتا اور جنگلی درندے مثلاً" شیر۔ چیتا۔ گیدڑ غرضکہ ہر موذی جانور مارنا جائز ہے اور ان کو مارنا تعظیم شعائر اللہ اور حرمات اللہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ انسان دشمن ہیں اگر انسان کو نہ مارے تو وہ فریضہ حج ادا نہیں کرسکے گا اس لئے اس کی اجازت دی ہے

غیر محرم کا شکار محرم کو کھانا مباح ہے بشرطیکہ اس نے حکم نہ دیا ہو

عن الصعب بن جثامہ انہ اھدی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حمارا وحشیا وھو بالابوا او بودان فرد علیہ فلما رای مافی وجھہ قال انا لم نرد

علیک الا انا حرم (متفق علیہ)

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام ابواء پر یا مقام ودان میں شکار کیا ہوا گورخر ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ آپؐ نے اس کو واپس کردیا اور جب ہدیہ دینے والے کے چہرے پر ناخوشی کے آثار محسوس فرمائے تو کہا ہم نے اس لئے واپس کیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابی قتادہ انہ خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتخلف مع بعض اصحابہ وھم محرمون وھو غیر محرم فر او احمارا او حشیا قبل ان یراہ فلما رواہ ترکو حتی راہ ابوقتادہ فرکب فرسا لہ فسالھم ان یناولوہ سوطہ فابو فتنا ولہ فحمل علیہ فعقرہ ثم اکل فاکلوا افندموا فلما ادرکوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالوہ قال ھل معکم منہ شی قالوا معنا رجلہ فاخذھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاکلھا متفق علیہ وفی روایہ لھما فلما اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال امنکم احد امرہ ان یحمل علیھا او اشار الیھا قالوا الا قال فکلوا مابقی من لحمھا

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ حدیبیہ کے سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے ان کے ساتھی احرام باندھے ہوئے تھے اور وہ احرام میں نہ تھے۔ ان کے دوستوں نے ایک گورخر کو دیکھا اور ابو قتادہ نے نہ دیکھا انہوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ ابو قتادہ نے اس کو دیکھ لیا پس سوار ہوئے وہ اپنے گھوڑے پر اور اپنے دوستوں سے اپنا چابک مانگا انہوں نے انکار کردیا ابو قتادہ نے گھوڑے سے اتر کر خود چابک لے لیا اور پھر گورخر پر حملہ کیا اور اس کو مار لیا پھر کھایا (شکار کے گوشت کو) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اور ان کے دوستوں نے پھر (وہ یہ محسوس کر کے شکار کا گوشت کھانا محرم کو درست نہیں ہے) پشیمان ہوئے اس کے بعد جب یہ سب لوگ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے تو یہ مسئلہ دریافت کیا آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس اس گوشت میں سے کچھ باقی ہے ہم نے عرض کیا ہمارے پاس ایک پاؤں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پاؤں کو لے لیا اور کھایا (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب یہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور یہ مسئلہ پوچھا) تو آپؐ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہ سے کہا یا اشارہ کیا تھا کہ وہ گورخر پر حملہ کرے انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کھاؤ اس گوشت میں سے جو باقی رہا ہو

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لحم الصید لکم فی الاحرام حلال مالم تصیدوہ اویصاد لکم (رواہ ابو داؤد و الترمذی والنسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شکار کا گوشت حالت احرام میں تمہارے لئے حلال ہے جب تک تم خود شکار نہ کرو یا تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی)

وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجراد من صید البحر (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ٹڈی دریا کے شکار کے مانند ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

وعن عبدالرحمن بن ابی عمار قال سالت جابر بن عبد اللہ عن الضبع .اصید ھی فقال نعم فقلت ایوکل فقال نعم فقلت سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم (رواہ الترمذی والنسائی والشافعی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح)

حضرت عبدالرحمن بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا گوہ یا چرخ کی بابت یہ کہ کیا وہ شکار ہے انہوں نے کہا ہاں پھر میں نے

پوچھا اس کا گوشت کھایا جائے انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ نے ہاں کہا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ شافعی) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے

وعن جابر قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الضبع قال ھو صید و یجعل فیہ کبشا اذا اصابہ المحرم (رواہ ابوداؤر و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ یا چرخ کی بابت پوچھا آپؐ نے فرمایا وہ شکار ہے اگر محرم اس کو مار ڈالے تو اس کے بدلہ میں دنبہ یا مینڈھا دے۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

وعن خزیمہ بن جزی قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن اکل الضبع قال او یاکل الضبع احد و سالتہ عن عن اکل الذئب قال او یاکل الذئب احد فیہ خیر (رواہ الترمذی وقال لیس اسنادہ بالقوی)

حضرت خزیمہ بن جزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے گوہ یا چرخ کے گوشت کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس کو کھایا جائے یا نہیں آپؐ ﷺ نے فرمایا کیا کوئی شخص اس کا گوشت کھاتا ہے پھر میں نے بھیڑیے کے گوشت کو کھانے کی بابت پوچھا آپؐ نے فرمایا کیا کوئی ایسا شخص جس میں بھلائی ہو بھیڑیے کا گوشت کھاتا ہے۔ (ترمذی)

عن عبدالرحمان بن عثمان التیمی قال کنا مع طلحہ بن عبیداللّٰہ ونحن حرم فاھدی لہ طیر و طلحہ راقد فمنا من اکل ومنا من تورع فلما استیقظ طلحہ و افق من اکلہ قال فاکلناہ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (رواہ مسلم)

حضرت عبدالرحمان بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے پس ہدیہ کے طور پر ان کے پاس پرندہ کا

گوشت آیا طلحہ اس وقت سو رہے تھے ہم میں سے بعض نے کھالیا اور بعض نے پرہیز کیا پھر جب طلحہ بیدار ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں سے موافقت کی جنہوں نے گوشت کھالیا تھا اور کہا پس کھایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ایسا ہی گوشت حالت احرام میں) (مسلم)

تشریح یہاں اس بحث میں آٹھ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث بھی سورۃ المائدہ آیت پچانویں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ مگر اب شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی خوش تو شکار نہیں کرتا لیکن اسے کوئی شکار کا گوشت کھلادیتا ہے تو کیا اس کے لئے گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں جواب دیا کہ اس کے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس نے شکاری کو رہنمائی نہ کی ہو۔ شکار کی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔ اور اگر اس نے رہنمائی کی ہوتو پھر وہ شکار اس کے لئے کھانا ناجائز ہے اور حضرت صعب بن جسامہ رضی اللہ عنہ کا ہدیہ شکار آپؐ نے جو واپس کیا تھا شاید کہ آپؐ کو شک ہو گا کہ اس نے شکار آپؐ کے لئے کیا ہو گا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے اور اس کے بعد حضرت ابی قتادہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیثوں کی تفصیل آگئی ہے اور اس کے بعد جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ہے یہ سورۃ المائدہ کی آیت چھیانویں کے شروع والے جملہ احل لکم صید البحر کی تشریح ہے کہ بحری شکار حلال ہے اور ٹڈی بحری شکار ہے حاجی اس کا شکار کرسکتا ہے اور اسے کھا بھی سکتا ہے اور گوہ کے بارے میں اختلاف ہے حضرت عبدالرحمن اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حلال ہے اور اس کا حکم شکار جیسا ہی ہے یعنی اگر کوئی غیر محرم اس کو شکار کرے اور محرم نے اس کی رہنمائی نہ کی ہوتو اس محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے اور حضرت خزیمہ والی روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے تو پھر یہ جنگلی درندہ ہے اس کا مارنا بھی جائز ہے۔ پس دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ محدثین نے تطبیق بیان فرمائی کہ حضرت خزیمہ والی رویت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمان اور جابر والی روایتیں منسوخ ہیں اور عبدالرحمان بن عثمان والی حدیث کی تشریح پہلے بیان ہوگئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا اجمالی واقعہ

عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکث بالمدینہ تسع سنین لم یحج ثم اذن فی الناس بالحج فی العاشرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاج فقدم المدینہ بشر کثیر فخرجنا معہ حتی اذا اتینا ذالحلیفہ فولدت اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر فارسلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اصنع قال اغتسلی واستشفری بثوب و احرمی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ثم رکب القصوا حتی اذا استوت بہ ناقتہ علی البیدا اہل بالتوحید لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمہ لک والملک لا شریک لک قال جابر لسنا نوی الا الحج لسنا نعرف العمرہ حتی اذا اتینا البیت معہ استلم الرکن فرمل ثلثا ومشی اربعا ثم تقدم الی مقام ابراہیم فقرا واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی فجعل المقام بینہ و بین البیت وفی روایہ انہ قرا فی الرکعتین قل ھوا اللہ احد وقل یایھا الکفرون ثم رجع الی الرکن فاستلمہ ثم خرج من الباب الا الصفا فلما دنی من الصفا قرا الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ابدا بما بدا اللہ بہ فبد بالصفا فرقی علیہ حتی رای البیت فاستقبل القبلہ فوحد اللہ وکبر وقال لا الہ اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ ثم دعا بین ذالک قال مثل ھذا ثلث مرات ثم نزل و مشی الی المروۃ حتی الصبت قدماہ فی بطن الوادی ثم سعی

حتى اذ صعدنا مشى حتى اتى المروة ففعل على المروة كما فعل على الصفا حتى اذ كان اخر طوف على المروة نادى وهو على المروة والناس تحته فقال لو انى استقبلت من امرى ما استدبرت لم اسق الهدى وجعلتها عمرة فمن كان منكم ليس معه هدى فليحل وليجعلها عمرة فقام سراقه ابن مالک بن جعشم فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم العامنا هذا ام لابد فشبک رسول الله صلى الله عليه وسلم اصابعه واحدة فى الاخرى وقال دخلت العمرة فى الحج مرتين لا بل لابد ابد وقدم على من اليمن ببدن النبى صلى الله عليه وسلم فقال ماذا قلت حين فرضت الحج قال قلت اللهم انى اهل بما اهل به رسولک قال فان معى الهدى فلا تحل قال فكان جماعه الهدى الذى قدم به على من اليمن والذى اتى به النبى صلى الله عليه وسلم مائه فحل الناس كلهم وقصروا الى النبى صلى الله عليه وسلم ومن كان معه هدى فلما كان يوم الترويه توجهوا الى منى فاهلوا بالحج وركب النبى صلى الله عليه وسلم فصلى بها الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم مكث قليلا حتى طلعت الشمس وامر بقبه من شعر تضرب له بنمرة فساد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا تشک قريش الا انه واقف عند المشعر الحرام كما كانت قريش تصنع فى الجاهليه فاجاز رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اتى عرفه فوجد القبه قد ضربت له بنمرة فنزل بها حتى اذا زاغت الشمس امر بالقصواء فرحلت له فاتى بطن الوادى فخطب الناس وقال ان دماء كم واموالكم حرام عليكم كحرمه يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا الاكل شئى من امر الجاهليه تحت قدمى موضوعه ودماء الجاهليه موضوعه وان اول دم اضع من دماء نادم ابن ربيعه ابن الحارث وكان مسترضعا" فى بنى سعد فقتله هزيل وربا الجاهليه موضوع و اول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب

فانه موضوع فاتقوا اللّه فی النساء فانکم اخذ تموهن بامان اللّه واستحللتم فروجهن بکلمته اللّه ولکم علیهن ان لا یوطین فرشکم احد تکرهونه فان فعلن ذلک فاضربوهن ضرب غیر مبرج ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف وقد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب اللّه و انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون قالو لشهد انک قد بلغت و ادیت و نصحت فقال باصبعه السبابه یرفعها الی السماء و ینکتها الی الناس اللهم اشهد اللهم اشهد ثلث مرات ثم اذن بلال ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ولم یصل بینهما شیا ثم رکب حتی اتی الموقف فجعل بطن ناقه القصواء الی الصخرات وجعل حبل المشاه بین یدیه واستقبل القبله فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس و ذهبت الصفره قلیلا حتی غاب القرص واردات اسامه و دفع حتی اتی المزدلفه فصلی بها المغرب والعشاء باذان واحد و اقامتهم ولم یسبح بینهما شئیا ثم اضطجع حتی طلع الفجر فصلی الفجر حین تبین له الصبح باذان و اقامه ثم رکب القصوا حتی اتی المشعر الحرام فاستقبل القبله فدعا و کبره و هلله وحده فلم یزل واقفا حتی اصفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس اردف الفضل بن عباس حتی اتی بطن محسر فحرک قلیلا ثم سلک الطریق الوسطی التی تخرج علی الحمرة الکبری حتی اتی لجمره التی عندالشجرة فرماها بسبع حصیات یکبر مع کل حصاه منها مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا و ستین بدتته بیده ثم اعطی علیا فنحر ما غبر واشرکه فی هدیه ثم امر من کل بدنه بضعه وجعلت فی قدر فطبخت فاکلا من لحمها و شربا من مرقها ثم رکیب رسول اللّه صلی اللّه علیه وسلم فاقاض الی البیت فصلی بمکه الظهر فاتی علی بنی عبدالمطلب یسقون علی زمزم فقال الزعوا بنی

عبدالمطلب فلولا ان یعلبکم الناس علی سقایتکم لنزعت معکم فناولوہ دلوا فشرب منہ (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کے بعد) مدینہ میں نو برس رہے اور اس عرصہ میں حج نہیں کیا دسویں سال آپؐ نے حج کی عام اطلاع دی اور ان الفاظ میں منادی کرادی کہ رسول اللہ ﷺ حج کا ارادہ رکھتے ہیں اس اعلان کو سن کر کثرت سے آدمی جمع ہوگئے۔ (بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نوے ہزار آدمی تھے۔ بعض ایک لاکھ چودہ ہزار اور بعض ایک لاکھ چوبیس ہزار بتاتے ہیں) پس مسلمانوں کی ایک جماعت نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی جب ہم ذوالحلیفہ پہنچے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ اسماء نے نبی ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیج کر دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کر۔ لنگوٹ باندھ اور پھر احرام باندھ۔ پھر نبی ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی پھر (اپنی اونٹنی) قصواء پر سوار ہوئے یہاں تک کہ جب آپؐ کی اونٹنی آپؐ کو لے کر میدان بیداء میں پہنچی تو آپؐ نے بلند آواز سے (اس طرح) لبیک کہی لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمہ لک والملک لا شریک لک جابر کا بیان ہے اب سے پہلے (ہم اس مہینے میں) صرف حج کی نیت کیا کرتے تھے اور عمرہ کو جانتے بھی نہ تھے پھر جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں پہنچے تو بوسہ دیا حجراسود کو اور سات مرتبہ طواف کیا (بیت اللہ کا) تین مرتبہ دوڑ کر اور چار مرتبہ اپنی مناسب رفتار سے پھر آگے بڑھے (یعنی) مقام ابراہیم کی طرف اور پڑھی (نبی ﷺ) نے یہ آیت واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی اور بناؤ تم مقام ابراہیم کی جگہ اور وہاں دو رکعت نماز مقام ابراہیم اور بیت اللہ کے درمیان پڑھی اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان دونوں رکعتوں میں قل ھواللہ احد اور قل یاایھا الکفرون پڑھیں پھر لوٹے حجراسود کی طرف اور اس کو بوسہ دیا پھر مسجد کے دروازے

باب الصفاء سے باہر نکلے اور جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی ان الصفا والعمرۃ من شعائر اللہ یعنی صفا اور مروہ (دونوں پہاڑیاں) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں ۔پھر حضورؐ نے فرمایا شروع کرتا ہوں میں پہاڑی سے جس سے اپنے کلام میں) خدا تعالیٰ نے شروع کیا۔پس شروع کیا صفا سے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ دیکھا خانہ کعبہ کو اور پھر بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی۔لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہا پھر فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شی قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ انجزہ وحدہ نصرہ عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ یعنی کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی کے لئے بادشاہت اور اسی کے لئے ہے تعریف اور وہ ہر چیز پر غالب ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ واحد یکتا پورا کیا اس نے اپنا وعدہ اور مدد کی اپنے بندے کی اور شکست دی کافروں کے گروہ کو تنہا۔ پھر دعا کی اس کے درمیان اور تین مرتبہ اسی طرح کہا اور دعا کی میدان میں پھر آپؐ نیچے اترے اور مروہ کی جانب بڑھے یہاں تک کہ جب آپؐ دونوں پہاڑیں کے درمیانی نشیب (وادی) میں پہنچے تو وہاں سے دوڑنا شروع کیا اور جب مروہ کے اوپر چڑھنے لگے تو آہستہ چلے یہاں تک کہ وہ مروہ کے اوپر پہنچ گئے اور وہاں بھی وہی کیا جو صفا پر کیا تھا جب آپؐ آخری مرتبہ مروہ پر پہنچے تو آپؐ نے لوگوں سے پکار کر کہا۔ اس وقت آپؐ مروہ کے اوپر تھے اور لوگ نیچے کھڑے تھے (آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اگر پہلے سے مجھ کو وہ بات معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی تو ہدی کو اپنے ساتھ نہ لاتا۔ یعنی قربانی کے جانور کو اور اپنے حج کو عمرہ میں منتقل کر دیتا پس تم میں سے جو شخص اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے اور حج کو عمرہ کر دے یہ سن کر سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اسی سال ہمارے لئے یہ حکم ہے یا ہمیشہ کے لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ سن کر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالیں اور فرمایا داخل ہوا عمرہ حج میں۔ دو بار یہ الفاظ فرمائے اور پھر فرمایا یہ حکم صرف اسی سال کے لئے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے اور حضرت علی ﷺ یمن سے رسول اللہ ﷺ کے لئے قربانی کے جانور لائے (اس زمانہ میں حضرت علی ﷺ یمن کے حاکم تھے) نبی ﷺ نے علی ﷺ سے پوچھا جب تم نے احرام باندھا تھا تو کیا نیت کی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے اس طرح نیت باندھی تھی اللھم انی اھل بما اھل بہ رسولک یعنی اے اللہ میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ہے آپؐ نے فرمایا میرے ساتھ تو قربانی کا جانور ہے پس تم بھی (میری طرح) حلال نہ ہو (اور جب تک حج سے فارغ نہ ہو جاؤ احرام باندھے رہو راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے قربانی کے جو جانور حضرت علی ﷺ یمن سے لائے تھے اور وہ جانور جو خود آپؐ ﷺ اپنے ہمراہ لائے تھے سب کی مجموعی تعداد سو تھی۔ جابر ﷺ کہتے ہیں کہ تمام لوگ (عمرہ کے) احرام سے باہر نکل آئے اور اپنے سروں کے بال کٹوا ڈالے مگر نبی ﷺ اور وہ لوگ جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے احرام سے حلال نہ ہوئے پھر جب ترویہ کا دن آیا یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو منی کی طرف چلنے کا انتظام کیا اور صحابہ ﷺ نے حج کا احرام باندھا (یعنی ان لوگوں نے جو عمرہ کرکے حلال ہوگئے تھے) اور سوار ہوئے نبی ﷺ (آفتاب کے بعد اپنی اونٹنی پر اور منی میں پہنچے) اور وہاں (یعنی منی کی مسجد خیف میں) ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی (پانچ) نمازیں پڑھیں پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور حکم دیا رسول اللہ ﷺ نے کہ آپؐ کے لئے وادی نمرہ (واقع عرفات) میں خیمہ کھڑا کیا جائے یہ خیمہ بالوں کا بنا ہوا تھا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی سے روانہ ہوئے قریش کا خیال تھا کہ نبی ﷺ مشعر حرام (مزدلفہ) کے قریب حج کے لئے کھڑے ہوں گے جیسا کہ قریش جاہیت کے ایام میں کرتے تھے

لیکن رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے آگے بڑھ گئے اور میدان عرفات میں پہنچ گئے۔ وادی نمرہ میں آپ کا خیمہ کھڑا ہوتا تھا آپ خیمہ میں جا اترے اور تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی قصوا کو لانے کا حکم دیا آپ کے لئے قصوا پر زین ڈالی گئی اور آپ اس پر سوار ہو کر وادی نمرہ میں تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا (خطبہ میں) آپ نے فرمایا (لوگو) تمہارے خون اور تمہارے مال حرام ہیں تم پر اسی طرح جس طرح تم اس دن میں اس مہینہ میں اور اس شہر میں قتل و غارت گری کو حرام سمجھتے ہو (یعنی جس طرح تمہارے نزدیک عرفہ کی دن ذی الحجہ کے مہینہ اور مکہ کے اندر قتل و غارت گری حرام ہے) اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور ہر جگہ خون کرنا اور مال لینا آپس میں حرام ہے)۔ خبردار ہو ایام جاہلیت کی ہر چیز (یعنی ہر رسم اور ہر طریقہ) میرے قدم کے نیچے پڑی ہوئی ہے (یعنی اب اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور وہ پست و پامال ہے) اور جاہلیت کے خون معاف کردیئے گئے ہیں اور پہلا خون جو میں اپنے خونوں میں سے معاف کرتا ہوں۔ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے (یہ نبی ﷺ کے چچا تھے) یہ دودھ پیتا بچہ تھا اور قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اس کو ہذیل نے قتل کیا تھا اور جاہلیت کا سود معاف کیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں معاف کرتا ہوں اپنے سودوں میں سے وہ عباس رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب کا ہے پس اس کو معاف کردیا گیا اور (اے لوگو) ڈرو اللہ سے عورتوں کے معاملہ میں۔ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے یعنی خدا سے ان کو امن میں رکھنے کا عہد کیا ہے یا خود عورتوں سے امان میں رکھنے کا تم نے عہد کیا ہے اور حلال کیا ہے تم نے اپنے لئے ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے اور عورتوں پر تمہارا یق یہ ہے کہ وہ تمہارے بچھونوں پر کسی کو نہ آنے دیں (یعنی تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی کو گھر میں نہ آنے دیں جس کے آنے کو تم برا جانتے ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت) پھر اگر وہ اس معاملہ میں

تمہارا کہنا نہ مانیں (یعنی ایسے لوگوں کو گھر میں آنے دیں) تو تم ان کو مارو لیکن زیادہ نہ مارو اور تم پھر عورتوں کا حق یہ ہے کہ ان کو کھانا دو اور مقدور کے موافق کپڑا دو۔ اور (اے لوگو) میں نے تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو تم مضبوطی سے تھامے رہوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور اے لوگو تم سے پوچھا جائے گا میری بابت (یعنی میں نے دین کے احکام تمہارے پاس پہنچائے یا نہیں؟) تم کیا جواب دو گے۔ حاضرین نے عرض کیا ہم اس امر کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے ہم تک احکام دین کو پہنچایا اپنا فرض ادا کردیا اور ہماری خیرخواہی کی۔ اس کے بعد آپؐ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر کہا۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ یا الٰہی تو گواہ رہ۔ تین بار آپؐ نے یہ کلمہ کہا اس کے بعد بلال ؓ نے اذان دی۔ پھر تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پر دوسری تکبیر کہی اور عصر کی نماز پڑھی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی چیز نہیں پڑھی۔ پھر سوار ہوئے آپؐ اور میدان عرفات میں داخل ہوئے پس آپؐ نے اپنی اونٹنی قصوا کا پیٹ پتھروں کی طرف کیا اور جل مشاۃ کی جو ایک جگہ کا نام ہے اپنے سامنے رکھا اور قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھ گئے اور اسی طرح بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور زردی میں کچھ کمی ہوگئی اور آفتاب کی ٹکیہ بالکل غائب ہوگئی آپؐ نے اسامہ ؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور تیزی سے چلے یہاں تک کہ مزدلفہ میں داخل ہوئے۔ یہاں آپؐ نے مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو تکبیروں سے پڑھیں اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی تسبیح یا نفل وغیرہ کچھ نہ پڑھا۔ پھر آپؐ لیٹ رہے یہاں تک کہ صبح ہوئی آپؐ نے صبح کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ صبح خوب روشن ہوگئی تھی اور ایک اذان اور ایک تکبیر کہی گئی پھر آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مشعر حرام پر پہنچے جو مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے یہاں آپؐ نے قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا مانگی اللہ اکبر کہا اور

لاالہ الا اللہ کہا اور اللہ کی وحدانیت بیان کی یعنی وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد کہا اور اس وقت تک جب تک کہ صبح کی روشنی خوب نہ پھیل گئی آپؐ اسی شغل میں مصروف رہے پھر آفتاب کے نکلنے سے پہلے یہاں سے روانہ ہوئے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور وادی محسر میں داخل ہوئے یہاں اپنی سواری کو ذرا تیزی سے چلایا اور اس درمیانی راہ پر پڑگئے جو جمری کبری کو جاتی ہے اور اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جس کے پاس درخت ہے سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی اور یہ کنکریاں باقلا کے دانے کے برابر تھیں اور نشیب کے درمیان (نالے میں) سے پھینکی گئی تھیں۔ پھر قربانی کی جگہ کی طرف بڑھے اور ذبح کئے آپؐ نے تریسٹھ جانور اپنے ہاتھ سے پھر چھری یا نیزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور باقی جانوروں کی (جو سینتیس تھے) انہوں نے ذبح کیا اور شریک کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے جانوروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ہر جانور میں سے تھوڑا سا گوشت لے لیا جائے ۔ چنانچہ وہ گوشت لایا گیا اور ہانڈی میں پکایا گیا۔ دونوں نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ نے) اس کو کھایا اور شوربے کو پی لیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ میں داخل ہوئے ظہر کی نماز پڑھی پھر عبدالمطلب کی اولاد (یعنی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد) کے پاس تشریف لے گئے جو زمزم پر لوگوں کو پانی پلا رہے تھے آپؐ نے ان سے فرمایا اے عبدالمطلب کا اولاد پانی کھینچو (اور لوگوں کو پلاؤ) اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے تو میں خود تمہارے ساتھ پانی کھینچتا۔ پھر عبدالمطلب کی اولاد نے آپؐ کو پانی کا ایک ڈول دیا اور اس میں سے آپؐ نے پانی پیا۔ (مسلم)

وعن عائشه قالت خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی حجه

الوداع فمنا من اهل بعمره و منا من اهل بحج فلما قدمنا بمكه قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اهل بعمره ولم يهد فليحلل و من احرم بعمره واهدى فليهل بالحج مع العمره ثم لا يحل حتى يحل منهما وفي روايه فلا يحل حتى يحل بنحر هديه ومن اهل بحج فليتم حجه قالت فحضت ولم اطف بالبيت ولا بين الصفا و المروه فلم اذل حائضا حتى كان يوم عرفه ولم اهلل الا بالعمره فامرني النبي صلى الله عليه وسلم ان انفض رامي و امتسط و اهل بالحج و اترک العمره ففعلت حتى قضيت حجي بعث معي عبدالرحمن بن ابی بکر و امرنی ان اعتمر مکان عمرتی من التنعيم قالت قطاف اللذين كانو اهلوا بالعمره بالبيت و بين الصفا والمروه ثم حلوا ثم طافوا طوافاً بعد ان رجعوا من منى و اما الذين جمعوا الحج والعمره فانما طافوا طوافاً واحدا (متفق عليه)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حجتہ الوداع میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ گئے۔ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا جب ہم مکہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور اس کا جانور ساتھ لایا ہے وہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لے اور حلال نہ ہو اس وقت تک جب تک کہ عمرہ اور حج دونوں سے فارغ نہ ہو جائے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ حلال نہ ہو جب تک اپنے قربانی کے جانور ذبح نہ کرلے اور جس شخص نے صرف حج کا احرام باندھا ہے وہ اپنا حج پورا کرلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو حیض آنے لگا اور میں نے ابھی تک نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا تھا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی عرفہ تک مجھ کو خون آتا تھا اور میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا نبی ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنے سر کو کھول ڈالوں اور سر میں کنگھی کروں (یعنی عمرہ کے احرام کو کھول دوں اور حلال ہو جاؤں) اور عمرہ کو چھوڑ کر صرف حج کا

احرام باندھوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اپنے حج کو پورا کرلیا پھر آپؐ نے میرے ساتھ (میرے بھائی) عبدالرحمن ابن ابوبکر کو بھیجا اور مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنے عمرے کی جگہ (یعنی بدلہ میں) عمرہ کروں۔ مقام تنعیم سے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور پھر حلال ہوگئے پھر انہوں نے ایک طواف اور کیا جب کہ وہ منیٰ سے واپس آئے۔ اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا انہوں نے صرف ایک طواف کیا (بخاری و مسلم)

وعن عبداللّٰہ ابن عمر قال تمتع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حجہ الوداع بالعمرہ الی الحج فساق معہ الھدی من ذی الحلیفہ وبدا فاھل بالعمرہ ثم اھل بالحج فتمتع الناس معی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالعمرہ الی الحج فکان من الناس من اھدی و منھم من لم یھد فلما قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکہ قال للناس من کان منکم اھدی فانہ لا یحل من شئی حرم منہ حتی یقضی حجہ ومن تم یکن منکم اھدی فلیطف بالبیت و بالصفا و المروہ والیقصر والیحلل ثم لیھل بالحج ولیھد فمن لم یجد ھدیا فلیصم ثلثہ ایام فی الحج و سبعہ اذا رجع الی اھلہ فطاف حین قدم مکہ واستلما الرکن اول شئی ثم خب ثلثہ اطواف و مشی اربعا" فرکع حین قضی طوافہ بالبیت عندالمقام رکعتین ثم سلم فانصرف فاتی الصفا فطاف بالصفا والمروہ سبعہ اطواف ثم لم یحل من شئی حرم منہ حتی قضی حجہ و نحرہ ھدیہ یوم النحر و افاض فطاف بالبیت ثم حل من کل شئی حرم منہ وفعل مثل مافعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ساق الھدی من الناس متفق علیہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فائدہ اٹھایا حجۃ الوداع

میں عمرے سے حج کی طرف یعنی اول آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور پھر حج کا۔ چنانچہ آپؐ ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے کر چلے۔ اور (اس طرح) شروع کیا کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا پس فائدہ اٹھایا لوگوں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج اور عمرہ کو ملا کر لوگوں میں کچھ ایسے تھے جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے بعض ایسے تھے جو جانور ساتھ نہ لائے تھے پس نبی ﷺ مکہ میں پہنچے تو لوگوں سے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور نہ لایا ہو وہ حلال نہ ہو۔ کسی چیز سے جو اس پر حرام ہے احرام کے بعد جب تک کہ وہ اپنے حج کو پورا نہ کرلے اور جو شخص قربانی کا جانور نہ لایا ہو وہ بیت اللہ کا طواف کرلے۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کرے۔ سر کے بال کٹوالے اور حلال ہوجائے پھر دوبارہ حج کا احرام باندھے اور قربانی کے جانور کو ذبح کرے اور جس کو قربانی میسر نہ ہو وہ تین دن حج کے ایام میں اور سات دن گھر پہنچ کر روزے رکھے مکہ میں داخل ہوکر نبی ﷺ نے طواف کیا اور بوسہ دیا حجر اسود کو سب سے پہلے اور دوڑ کر چلے طواف کے تین پھیروں می اور چار پھیروں میں معمولی رفتار سے چلے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیر کر صفا کی جانب گئے اور صفا و مروہ کی درمیان سات پھیرے کئے پھر کسی چیز سے حلال نہ ہوئے جو احرام نے ان پر حرام کی تھیں یہاں تک کہ حج پورا کیا اور قربانی کے دن اپنی قربانی کے جانور ذبح کئے۔ پھر طواف کیا بیت اللہ کا اور اس کے بعد ہر اس چیز سے حلال ہوگئے جو آپؐ پر حرام تھی اور جو لوگ اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے گئے تھے انہوں نے وہی کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذہ عمرہ ا استمتعنا بھا فمن لم یکن عندہ الھدی فلیحل الحلد کلہ فان العمرہ قد دخلت فی الحج الی یوم القیمۃ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ عمرہ ہے کہ فائدہ اٹھایا ہم نے اس سے پس جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ حلال ہو جائے۔ ہر چیز سے اس لئے کہ عمرہ کرنا داخل ہوا حج کہ ایام میں قیامت تک۔

عن عطاء قال سمعت جابر بن عبداللّٰہ فی ناس معی قال اھللنا اصحاب محمد بالحج خالصا وحدہ قال عطا قال جابر فقدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صبح رابعہ مضت من ذو الحجہ فامرنا ان نحل قال عطاء قال حلوا واصیبوا النسآء قال عطاء ولم یعزم علیھم ولکن احلھن لھم فقلنا لما لم یکن بیننا وبین عرفہ الا خمس امرنا ان نفضی الی نساء نافناقی عرفہ تقطومذا آکیرنا المنی قال یقول جابر بیدہ کالی انظر الی قولہ بیدہ یحرکھا قال فقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فینا فقال قد علمتم انی اتقکم للّٰہ واصدقکم وابرکم ولولا ھدیی للحلت کما تحلون ولواستقبلت من امری ماستدبرت لم اسق الھدی فحلو فحللنا و سمعنا واطعنا قال عطاء قال جابر فقدم علی من سعایتہ فقال بم اھللت قال بما اھل بہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاھدو امکث حراما قال واھدی لہ علی ھدیا فقال سراقہ بن مالک بن جعشم یا رسول اللّٰہ العامنا ھذا ام لابد قال لا بد (رواہ مسلم)

حضرت عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آدمیوں کی ایک جماعت جو میرے ساتھ تھی میں نے جابر عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ احرام باندھا ہم نے یعنی صحابہ نے صرف حج کا۔ عطا کا بیان ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم کو حکم دیا کہ ہم حلال ہو جائیں عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ حلال ہو جائے اور عورتوں کے پاس جاؤ۔ عطا کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے پاس جانے کا

حکم وجوب کے طور پر نہیں دیا۔ یعنی عورتوں کے پاس جانے کو واجب قرار نہ دیا تھا بلکہ بطور اباحت و اجازت تھی۔ یعنی عورتیں حلال کردی گئی ہیں ہم نے یہ حکم سن کر تعجب کے طور پر ایک دوسرے سے کہا کہ جب کہ ہمارے اور عرفات کے دن کے درمیان صرف پانچ دن باقی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنی عورتوں سے مجامعت کریں اور پھر اس حال میں ہم عرفات (ا) کے اندر جائیں کہ ہمارے عضو مخصوص سے منی کے قطرے ٹپکتے ہوں۔ عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر عضو مخصوص سے قطرات ٹپکنے کی طرف اشارہ کیا اور یہ منظر اب تک میری نگاہوں میں ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا (کہ جب ہمارے اظہار تعجب کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو) آپؐ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں تم سب لوگوں میں خدا تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ تم میں سب سے زیادہ سچا ہوں اور میں بہت نیک ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی حلال ہوجاتا جس طرح تم حلال ہوئے ہو اور اگر مجھ کو اس بات کا پہلے سے علم ہوتا جس کا علم مجھ کو بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا (یعنی اگر مجھ کو اس کا علم پہلے سے ہوجاتا کہ احرام سے نکلنا تم کو اس قدر برا معلوم ہوگا تو میں جانور اپنے ساتھ نہ لاتا اور تمہارے ساتھ حلال ہوجاتا۔) پس تم حلال ہوجاؤ۔ چنانچہ ہم نے احرام کھول دیا اور حلال ہوگئے اور آپؐ ﷺ کے حکم کو ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے مفوضہ کام پر سے آئے یعنی جہاں آپؐ کا تقرر ہوا تھا وہاں سے آئے نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جس چیز کا احرام نبی ﷺ نے باندھا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ پس تم (قربانی کے دن) جانور ذبح کرنا اور اس وقت تک احرام میں رہو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لئے یا نبی ﷺ کے لئے اپنے ساتھ قربانی

کے جانور لائے تھے۔ سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ نے (احرام سے حلال ہوجانے کا حکم سن کر) پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے آپ ؐ نے فرمایا ہمیشہ کے لئے۔ (مسلم)(ا ایام جاہلیت میں لوگ حج کے دنوں میں مجامعت کو برا خیال کرتے تھے۔ صرف برا ہی نہیں بلکہ عیب جانتے تھے اور نقصان کا موجب سمجھتے تھے۔اس لئے اس حکم پر لوگوں کو تعجب ہوا تھا۔ ۱۲ مترجم)

وعن عائشہ رضی اللہ عنہا انہا قالت قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاربع مضین من ذی الحجہ او خمس فدخل علی وھو عضبان فقلت من اغضبک یا رسول اللہ ادخلہ اللہ النار قال اوماشعرت انی امرت الناس بامر فاذا ھم یترددون ولو انی استقبلت من امری ماستدبرت ماسقت الھدی معی حتی اشتریہ ثم احل کما حلوا رواہ مسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چوتھی یا پانچویں تاریخ ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت آپ ؐ سخت غصہ کی حالت میں تھے میں نے آپ ؐ کو غضبناک پاکر عرض کیا کس نے یا رسول اللہ ﷺ آپ ؐ کو غضبناک بنایا۔ خدا تعالیٰ اس کو دوزخ میں ڈالے۔ آپ ؐ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا وہ اس حکم سے تردد میں ہیں (یعنی احرام سے حلال ہوجانے کا حکم) اگر مجھ کو اس امر کا حال پہلے سے معلوم ہوتا تو اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا اور یہیں ان کو خرید کرلیتا اور پھر اسی طرح حلال ہوجاتا جس طرح اور لوگ حلال ہوئے۔ (مسلم)

تشریح

وَداع واء کے زبر سے پڑھا جاتا ہے۔اس کے معنی رخصت کرنے کے ہیں اور حجۃ الوداع اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر لوگوں کو شرعی احکام کی تعلیم دی تھی اور انہیں اپنی رسالت پر گواہ بنایا اور انہیں اپنی رحلت اور دنیا سے کوچ کرنے کی خبر دی تھی اور حج فرض ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا اور اس موقعہ پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد بعض روایات میں ایک لاکھ اور چوبیس ہزار آئی ہے اور بعض میں کم کا ذکر بھی ہے اور غزوہ تبوک میں آپ کے صحابہؓ کی تعداد ایک لاکھ تھی اور حجۃ الوداع تو اس کے بعد ہوا ہے پس لامحالہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کی تعداد زیادہ ہوگی اور اس باب میں مذکور احادیث سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں اور ایک سو ستانویں اور سورۃ آل عمران کے یہ جملہ ولله على الناس حج البيت من استطاع الى سبيلا اور سورۃ حج کی آیت تیس ومن يعظم حرمات الله فهو خيرله عند ربه اور آیت بتیس کے جملہ ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب کی تفسیر ہے کیونکہ ان سورتوں کے ان جملوں میں ایمان والوں کو حج اور عمرہ ادا کرنے اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے مگر ان میں اجمال ہے کیونکہ یہ نہیں بتایا کہ حج اور عمرہ کیسے کرنا ہے اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کیسے کرنا ہے اور وہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ کیا چیز

ہیں کہ جن کی تعظیم کرنا ہے۔

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں قولاً اور فعلاً یہ تفصیل بتادی ہے چنانچہ پہلی حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لائے تھے تو نوں سال تک آپؐ نے حج نہیں کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حج ہجری نوں میں فرض ہوا تھا اور آپ نے موسم حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور امیر الحجاج بناکر بھیج دیا تھا اور خود بنفس نفیس تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حج فرض ہونے کے بعد اس کی ادائیگی فی الفور ضروری نہیں ہے انسان اس میں تاخیر کر سکتا ہے البتہ جلدی بہتر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور دوسرا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو آپ کا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا وہ صحیح تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی حیات میں اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرمادیا تھا لہٰذا ان کی خلافت پر اعتراض کرنا گویا کہ فعل نبی پر اعتراض کرنا ہے۔

پھر دسویں سال آپؐ نے مدینہ میں اعلان کروادیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جارہے ہیں پھر بہت سے لوگ مدینہ میں جمع ہوگئے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ (بیر علی) پہنچے۔ اس وقت ذیقعدہ کے پانچ دن باقی تھے اور یہ ذوالحلیفہ مدینہ والوں کا میقات ہے وہاں اسماء بنت عمیس نے محمد بن ابوبکر کو جنا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا اور اپنی حاجت بتائی اور کہا کہ میں اب کیا کروں احرام باندھوں یا نہ۔ اگر احرام باندھوں تو کس طرح؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ غسل کر اور کپڑے سے

لنگوٹ باندھ اور پھر احرام باندھ لے۔ اسماء بنت عمیس پہلے جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں پھر ان کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کے فوت ہونے کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہی تھیں اور اسی زمانہ میں ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاس والی عورتیں اور حیض والی بھی غسل کر کے احرام باندھ لیں مگر یہ غسل نظافت ہے، غسل طہارت نہیں ہے پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ (بیر علی) میں نماز ادا فرمائی اور دوسری جگہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے غسل فرمایا اور کپڑے تبدیل کیے دو چادریں باندھیں اور اپنی قصوی نامی اونٹنی پر سوار ہو کر بیدا کے میدان میں پہنچے اور بلند آواز سے لبیک کہی اور وہ کلمات لبیک یہ ہیں۔

لبيك اللهم لبيك لاشريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك.

ان الفاظ کی تشریح پہلے بیان ہو گئی ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم پہلے صرف حج کا احرام باندھتے تھے اور عمرہ کو نہیں جانتے تھے۔ اصل میں دورِ جاہلیت میں لوگ عمرہ کو حج کے مہینوں میں گناہ سمجھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظریہ کی تردید بیان فرمائی اور عملاً کر کے بتایا کہ عمرہ حج کے مہینوں میں جائز ہے البتہ ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحج تک منع ہے کیونکہ ان دنوں میں حج ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ہم آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف پہنچے۔ یہاں حدیث میں اختصار ہے پہلے ذی طوی (نام جگہ) میں پہنچے تھے وہاں رات گزاری تھی اور پھر صبح غسل کر کے آپ بابِ اسلام سے مسجد میں داخل ہوئے

تھے اور یہ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ تھی اور آپ نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی تھی کیونکہ وہاں پہلے تحیۃ الطواف ہے۔ اگر انسان باب اسلام کے بجائے کسی اور دروازے سے داخل ہونا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھ کر باب اسلام سے داخل ہو تو بہتر ہے اس کے بعد آپؐ نے حجر اسود جس کو رکن بھی کہتے ہیں چوما اور اس کو چومنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ بیت اللہ شریف حرمات اللہ اور شعائر اللہ کا رکن اعظم ہے اور حجر اسود بیت اللہ کی دیواروں کی نسبت اعظم ہے جیسا کہ احادیث میں آرہا ہے کہ یہ جنت کے یاقوتی پتھروں میں سے ہے اس کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا اور اس کی روشنی اللہ تعالیٰ نے خود ہی مٹادی تھی ورنہ وہ مشرق و مغرب تک پھیلتی اور اس کو چومنا اس کی تعظیم اور تحریم کی خاطر ہے مگر یہ تعظیم بطورِ عبادت نہیں بلکہ بطور تعمیل حکم خداوندی ہے اگر اس کو نفع و نقصان کا مالک جان کر چوما جائے تو یہ شرک اور بت پرستی ہے۔

پھر آپ نے بیت اللہ کے آس پاس سات چکر لگائے اور پہلے تین چکروں میں آپؐ اپنے کندھے ہلا کر تیزی سے چلے اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ آپؐ پہلے تین چکروں میں کندھے ہلا کر تیزی سے اس لئے چلے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجری سات میں جب فوت شدہ عمرہ کی قضا کرنے کے لئے تشریف لائے تھے تو مشرکین نے کہا تھا کہ مدینہ کے بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے اس لئے آپؐ نے خود بھی اور صحابہؓ کو یہی تعلیم دی کہ طواف سے پہلے تین چکروں میں کافروں کو پہلوانی دکھاؤ اور طاقت کا مظاہرہ کرو اور اس وقت سے یہ نمونہ قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کی طرف بڑھے۔ مقامِ ابراہیم وہ پتھر

ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا اس میں آپ کے پاؤں کا نشان موجود ہے اسی لئے اسے مقام ابراہیم کہتے ہیں کہ آپؑ نے اس پر کھڑے ہو کر بیت اللہ تعمیر کیا اور وہ پتھر قدرتی طور پر اونچا بھی ہو جاتا تھا اور نیچے بھی ہو جاتا تھا اور اب وہ پتھر بیت اللہ کے دروازے کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی برجی کے اوپر چاندی کے خول میں بند کیا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے پاس پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ واتخذو من مقام ابراھیم مصلی) یعنی مقام ابراہیم کے پاس جہاں کہیں نماز کی جگہ ملے وہاں نماز پڑھو۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو رکعات نماز ادا فرمائی اور مقام ابراہیم کو اپنے درمیان اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ یعنی مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی۔ اگر آدمی کو مقام کے پیچھے نماز پڑھنے کی جگہ نہ ملے تو مسجد حرام میں جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے اور مسجد حرام سے باہر بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ (واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی) مقامِ ابراہیم میں سے اسے جائے نماز بناؤ یہاں من بصیغہ ہے اور مقام ابراہیم کا اطلاق پورے حرم پر ہوتا ہے لہٰذا حرم میں سے جہاں انسان چاہے وہاں یہ نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ نماز واجب ہے کیونکہ واتخذوا صیغہ امر ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف لباحت کا کوئی قرینہ نہ ہو تو اس سے مراد وجوب لیا جاتا ہے اور اس کو فرض بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ واجب فرض کے قریب ہوتا ہے اور اوقات مکروہہ میں یہ نماز نہیں پڑھنا چاہئے اور اوقات مکروہ طلوع و غروب اور عین استوا کا وقت ہے یہ اوقات گزرنے کے بعد پڑھ لے۔ ان اوقات کے علاوہ یہ نماز جب چاہے پڑھ سکتا ہے اور عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر نماز پڑھنا حرام ہے اور مقام ابراہیم کے پاس یہ نماز پڑھنا افضل اور مستحب

ہے اور مستحب اور افضل کی خاطر فعل حرام کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے پہلے یہ آیت گزر گئی ہے (فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج) اور عورتوں کے ساتھ اپنا جسم ملا کر طواف کرنا یا نماز پڑھنا یہ رفث اور فسوق میں شامل ہے اور ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ قل یاایھالکافرون اور دوسری میں سورۃ قل ھو اللہ تا آخر تلاوت فرمائی ہے اور اس حدیث میں جو قل ھو اللہ اور قل یا ایھاالکفرون کا ذکر ہے اس سے مراد نفس تلاوت کرنا ہے۔ اگر اتباع سنت کر کے آدمی ان دو رکعات میں یہ مذکورہ دو سورتیں پڑھے تو بہتر ہے ورنہ قرآن مجید کی جو بھی سورتیں یا آیات پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اور یہ طواف قدوم یا طواف تحیہ کہلاتا ہے۔ قدوم کے معنی آنے کے ہیں اور اس طواف کو قدوم اس لئے کہتے ہیں کہ چونکہ حاجی پہلی دفعہ بیت اللہ کے آگے آتا ہے تو اس کو طواف کا حکم ہے اور اس کو طواف تحیہ بھی کہتے ہیں۔ تحیہ کے معنی تحفہ اور ہدیہ کے ہیں اور اس کو طواف تحیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے گھر میں اسے تحفہ پیش کیا جاتا ہے جس طرح کے آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کو دو رکعات نماز تحیۃ المسجد پڑھنی پڑتی ہیں اور یہ طواف قدوم غیر مکی کے لئے سنت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طواف کیا ہے اور آپؐ مدینہ منورہ سے تشریف لے گئے تھے اور مکہ کا رہنے والا چونکہ باہر سے تو نہیں جاتا اس لئے اس پر طواف قدوم نہیں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن) حجر اسود کی طرف لوٹے اور اسے بوسہ دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ طواف کے اختتام پر دو نفل پڑھنے کے بعد حاجی نے حجر اسود کو بوسہ دینا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے صفا کی طرف نکلے اس کا مقصد یہ ہے کہ حاجی نے حجر اسود کے آخری استلام کے بعد صفا و مروہ کی سعی کرنا ہے جب آپؐ صفا کے قریب پہنچے تو آپؐ نے قرآن مجید

کی یہ آیت تلاوت فرمائی (ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ) بے شک صفااور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں صفااور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو بیت اللہ شریف کے قریب ہی موجود ہیں ان پہاڑیوں کو اللہ تعالی نے یہاں شعائر اللہ میں سے فرمایا ہے شعائر شعار کی جمع ہے شعار کے معنی امتیاز اور علامت کے آتے ہی اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے امتیاز اور تعارف کے لئے بہت سی علامات مقرر فرمائی ہیں جن سے اللہ تعالی کی وحدانیت کا پتہ چلتا ہے ان میں سے صفااور مروہ کی دو پہاڑیاں بھی ہیں ان سے بھی اللہ تعالی کا تعارف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ کو یہ تعارف مزید ہوا تھا کہ اللہ تعالی نے ان کے لئے آب زمزم پیدا فرمایا اور ان کے کھانے کے اسباب مہیا فرمائے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کسی زرخیز علاقے میں ٹھہراتے تو وہاں ایسا تعارف نہ ہوتا اور یہی نمونہ دیکھنے کے لئے اللہ تعالی نے انسانوں پر حج فرض کیا ہے تاکہ لوگ وہاں جائیں وہاں دوڑ لگائیں اور حضرت ہاجرہ کا نمونہ پیش کریں تو اللہ تعالی انہیں بھی اسی طرح برکات سے نوازیں گے جس طرح حضرت ہاجرہ کو نوازا تھا جیسا کہ پہلے حدیث گزر گئی ہے کہ حج عمرہ ملا کر کرنے سے فقر اس طرح دور ہوتا ہے جس طرح کے سونے اور چاندی کو پگھلانے سے میل دور ہوتی ہے اور اس سعی سے مقصد ان پہاڑیوں کی پوجاپاٹ اور پرستش نہیں جیسا کہ جاہل اور مشرک قومیں کرتی تھیں بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرو گے تو اللہ تعالی تمہیں خشک اور بنجر علاقے سے بھی روزی مہیا فرمائیں گے جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کے لیے پتھر سے دودھ والی اونٹنی پیدا فرمائی تھی اور حضرت موسی علیہ السلام کی امت کے لیے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے پیدا فرمائے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی

پاؤں کی ایڑی سے پانی کا چشمہ جاری فرمایا تھااور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ تعالیٰ اسی طرح برکات نازل فرمانا چاہتے تھے تو اس لئے فرمایا کہ تم بھی آؤاور حضرت ہاجرہ والا نمونہ پیش کرو تاکہ تم پر برکتیں نازل ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اور اپنے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے اور پہلے بیت اللہ کا طواف کیا اور پھر صفاو مروہ پر تشریف لے گئے اور آیت تلاوت فرمائی (ان الصفا والمروة من شعائر الله) یعنی صحابہ کو فرمایا کہ آؤاب ہم بھی یہ اطاعت کا نمونہ پیش کریں اور آپؐ نے عملی نمونہ اس طرح پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں پہلے صفا کا ذکر فرمایا ہے اور پھر مروہ کا ذکر فرمایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی سعی کی ابتدا اسی طرح کروں گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ترتیب بیان فرمائی ہے پھر آپؐ نے سعی کی ابتدا صفا سے کی اس پر چڑھے بیت اللہ شریف کو دیکھا اور قبلہ کی طرف رخ کیا معلوم ہوا کہ حاجی نے سعی کی ابتدا اسی طرح کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ طریقہ بتایا ہے پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور بڑائی بیان فرمائی یعنی الله اکبر کہا اور لااله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير.. لااله الا الله وحده انجزوعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کی بادشاہی ہے اسی کے لئے تعریفیں ہیں وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے اس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی ہے) اور تمام قبائل کو اسی ایک نے شکست دی ہے۔ ان کلمات میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی چیز شرک فی العبادۃ کی تردید

ہے کہ معبود بر حق صرف اللہ تعالی ہے اور اللہ تعالی کے سوا جن جن معبودان باطلہ کی پرستش کی جاتی ہے ان میں سے کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے جیسا کہ مشرکین مکہ اور مشرکین عرب میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کی عبادت کرتے تھے جیسے ابراہیمؑ کی پرستش کی جاتی تھی۔

اور بعض جنات کی عبادت کرتے تھے اور بعض فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور بعض لوگ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی مورتیں بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کو حاجات و مشکلات میں پکارتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہستیاں قریب سے دور سے ہماری فریاد سنتی ہیں اور وہ ہماری مرادیں پوری ہیں اور وہ ہم سے مصائب دور کرتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جملہ **لا اله الا الله وحده** میں ان نظریات کی تردید فرمادی۔

اور دوسری چیز شرک اعتقادی کی تردید ہے کہ اللہ تعالی کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بعض مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالی اکیلا کام نہیں کر سکتا اس لئے اس نے انبیاء۔ ملائکہ اور جنات وغیرہ کو اپنا شریک کار بنایا ہوا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **لاشريك له** میں اس شرک اعتقادی کی تردید فرمائی ہے۔

اور تیسری چیز اختیارات اور تصرفات غیر کی تردید ہے کیونکہ بعض مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ مذکورہ ہستیاں اللہ تعالی کی طرف سے مالک و مختار ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (الملک) لگا کر بتادیا کہ اختیارات بھی سارے اللہ تعالی کے ہیں اس نے کسی کو اختیارات نہیں دیئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان خود مختار ہے جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ حدیث کہہ رہی ہے کہ **له الملك** اختیارات صرف خدا کے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو نیم خود مختاری دی ہے

فل اختیارات نہیں دیئے جیسا کہ اس نے انسان کو آنکھ بخشی ہے دیکھنے کے لئے اور کان بخشے ہیں سننے کے لئے اور اس کو یہ اختیار دیا ہے کہ آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے یا ان کو بند کر دے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں دیا کہ آنکھوں ے سننے کا اور کانوں سے دیکھنے کا کام لے اور یہ نیم خود مختاری تمام ملائکہ۔ جنات اور انسانوں کو حاصل ہے اور یہ ایک وقت تک ہوتی ہے آخر کار وہ بھی سلب کر لی جاتی ہے جیسا کہ امراض یا موت سے انسان بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے اور مشرک قومیں اپنے معبودوں کے بارے میں فل اختیارات کی قائل تھیں اور انکا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ان ہستیوں کے مرنے کے بعد ان کے اختیارات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے اختیارات بڑھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک ان کی مورتوں اور ان کی قبروں کی مٹی میں اور گنبد کی چار دیواری میں نفع و نقصان یقین کرتے تھے اور مشرکین عرب بیت اللہ میں بھی اللہ تعالی کی عبادت کے ساتھ ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج کا آغاز کرتے وقت بھی اور بیت اللہ کا طواف کرتے وقت بھی اور صفا و مروہ کی سعی کرتے وقت بھی واضح طور پر ان شرکیہ نظریات کی تردید بیان فرمائی اور فرمایا له الملك یہ اختیارات صرف خدا کے ہیں اور چوتھی چیز یہ ہے کہ ہر قسم کی حمد و ثنا بھی اسی کے لئے ہے۔ حمد و ثنا کسی خوبی اور کمال پر ہوتی ہے اور اللہ تعالی خوبیوں اور کمالات کا خزانہ ہے اس لئے حمد اسی کی چاہئے اور کسی انسان میں جو کمال نظر آتا ہے تو بھی اللہ تعالی کا عطیہ ہے اور یہاں پانچویں چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی کو ہر قسم کی قدرت حاصل ہے اسکی یہ طاقت کسی کا عطیہ یا مرہون منت نہیں ہے نہ اس پر کوئی بالائی طاقت اور نہ وہ ماتحت کا محتاج ہے اور یہاں چھٹی چیز یہ ہے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے اور یہ وعدہ سورۃ القصص کی آیت نمبر پچاسی میں موجود ہے کہ ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الی معاد) بے

شک جس ذات نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تمہیں لوٹنے کی جگہ پھر لائے گا۔ یہ آیت ہجرۃ والی رات اللہ تعالی نے جبریل امین کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنے پر بڑی رنجش تھی تو اللہ تعالی نے آپ کی تسلی کے لئے یہ آیت اتاری کہ وہ تمہیں پھر لوٹنے کی جگہ بیت اللہ واپس لائے گا اور اس کو معاد اس لئے فرمایا کہ یہ جگہ (بیت اللہ) مرجع الخلائق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب صفاو مروہ کی سعی فرما رہے تھے تو اس وقت اللہ تعالی کے ایفاء عہد کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا اور یہ وعدہ اللہ تعالی نے ہجری آٹھ میں ماہ رمضان میں پورا فرمایا تھا کہ آپ کو مکہ پر فتح عطا فرمائی تھی اور ساتویں چیز نصر عبدہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندے کی مدد فرمائی ہے اور بندے سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود ہیں۔ اس جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اشارے فرمائے ہیں ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی فتوحات بھی نصیب ہوئی ہیں وہ سب اللہ تعالی کی اعانت نصرت اور امداد سے حاصل ہوئی ہیں۔ اس میں آپؐ کا اور آپؐ کے صحابہؓ کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے اور دوسرا اشارہ یہ فرمایا کہ آپؐ اللہ تعالی کا بندہ اور رسول تھے اور ان اشاروں سے مقصد ایک وہم دور کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو ہستی ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے تو لوگ اسی کو معبود اور اوتار ماننے لگ جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بہت اونچے اونچے کام انجام دئے تھے اور اندیشہ تھا کہ لوگ آپؐ کو معبود اور اوتار ماننے لگ جائیں گے اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ جتنی فتوحات ہوئی وہ سب اللہ پاک کے فضل و کرم سے ہوئی ہیں۔ آٹھویں چیز یہ ہے کہ ھزم الاحزاب وحدہ کہ تمام قبائل کو صرف اللہ تعالی نے شکست دی ہے اور یہ حمد و ثنا کے کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمائے جب کہ مشرکین مکہ

اپنے اپنے مکانات کی چھتوں پر چڑھے ہوئے توحید پرستوں کے حج و عمرہ کا نظارہ کررہے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کل تک عقیدہ توحید کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر مظالم ڈھائے تھے تو آپؐ نے ان کو بتایا کہ ہماری فتح توحید کی برکت سے ہوئی ہے اور تم جن کو معبود حاجت روا اور مشکل کشا مانتے تھے وہ کچھ نہیں کر سکے اور نہ کچھ کر سکیں گے ۔

ؔنہ از لات و عزیٰ بر آورد گرد

کہ تورات و انجیل منسوخ کرد

یہ کلمات ارشاد فرمانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پھر مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے پھر دعا فرمائی۔ پھر مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ پھر دعا فرمائی۔ پھر پہاڑی سے اترے اور مروہ کی طرف چل پڑے یہاں تک کہ وادی میں آپ کے قدم تھک گئے۔ پھر تیز چلے یہاں تک کہ اوپر کی طرف چڑھے چلے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے پھر مروہ پہ بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک جب آپ کا آخری طواف مروہ پر ہوا تو پکارا اس حال میں کہ آپ مروہ پر ہی تھے اور لوگ آپ سے نچلی جانب تھے تو فرمایا کہ اگر پہلے معلوم ہوتا مجھے وہ جو بعد میں معلوم ہوا تو میں ہدیہ نہ لاتا اور میں اس کو عمرہ بنا دیتا پس تم میں سے جس کے پاس ہدیہ نہیں ہے اسے چاہئے کہ وہ حلال ہو جائے اور اس کو عمرہ بنا دے۔ پھر سراقہ بن مالک بن جعشم اردنے عرض کیا یا رسول اللہ کیا صرف ہمارے اس سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں اور دو دفعہ فرمایا کہ ہمیشہ عمرہ حج میں داخل کر دیا گیا ہے۔

چند قابل تشریح باتیں۔ پہلی بات سعی واجب ہے اور اس کی اصل یہ

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جہاں اب آب زم زم ہے چھوڑ کر اور دعائیں کر کے واپس شام چلے گئے تھے اور ان کے پاس تھوڑی سی کھجوریں اور پانی چھوڑ دیا تھا اور جب وہ پانی ختم ہوا تو حضرت ہاجرہ بچے کو وہیں چھوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا پر چڑھیں اور ادھر ادھر پانی دیکھا مگر کہیں نظر نہ آیا تو بچے کو دیکھا تو مردہ پر چلی گئیں اور وادی کے اندر سے تیزی سے چلیں تاکہ جلد ہی مردہ پہ چڑھ کر بچہ کو دیکھ لیں تو مردہ پر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر پانی کہی بھی نظر نہ آیا اور بچے کی طرف مڑ کر دیکھا تو پھر صفا پر چلی گئیں یہاں تک کہ اسی طرح سات چکر لگائے تو آخری مرتبہ جب آپ مردہ پر تھیں تو غیب سے آواز آئی کہ اللہ تعالی نے پانی تمہارے بچے کے پاس پیدا کر دیا ہے تو جا کر دیکھا تو پانی موجود تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کی امت کو بھی سنت ہاجرہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ شامل ہو کر یہ عملی نمونہ پیش کیا ہے اور اپنی آنے والی تمام امت کو بھی اس کی تعلیم دی ہے اور مقصد یہ ہے یہ امت بھی اگر ہاجرہ کے نقش قدم پر چلی اس کی طرح رضا الہی کا نمونہ پیش کیا اس جیسا یقین محکم اور ایمان وایقان رکھا تو اللہ تعالی ان کی بھی غیب سے نصرت فرمائیں گے جس طرح ہاجرہ کی نصرت فرمائی تھی یعنی اس نصرت اور روزی کی خاطر جدو جہد کرنی پڑے گی سوائے اسکے اللہ تعالی انہیں روزی نہیں دیں گے جیسا کہ ھاجرہ نے اپنے لئے اور اپنے بچے کے لئے جدو جہد کی تب انہیں وہ روزی نصیب ہوئی تھی۔ اللہ تعالی سوائے محنت کے دینا چاہے تو دے سکتا ہے لیکن اس نے یہ اصول نہیں رکھا بلکہ محنت شرط رکھی ہے کیونکہ محنت سے جو روزی آئے انسان اس کی قدر کرتا ہے اور سوائے محنت کے جو روزی آئے اس کی قدر نہیں کرتا جیسا کہ آب زمزم حضرت ہاجرہ کی محنت سے آیا تھا تو آج تک امت اس کی قدر کر رہی

ہے اور اس میں اضافہ ہو تا جارہا ہے اسی طرح جس بھی روزی کی خاطر ایسی محنت کی جائے تو اس میں برکت ہو گی۔ اور دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردہ پر یہ اعلان ہے کہ جن کے پاس ہدیہ نہیں ہے وہ عمرے کے ارکان ادا کر کے رج فسخ کرے اور بعد میں ایام حج میں احرام باندھے اور حج کرے اور جنکے پاس ہدیہ ہے وہ حج فسخ نہ کریں اور عمرہ کے ارکان ادا کریں اور حج کے آخر مین احرام کھولے اس اعلان کی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں خلجان پیدا ہوا اور حضرت سراقہ رضی اللہ تعالی عنہ نے سوال کیا کہ کیا صرف اسی سال کے لئے یہ حکم ہے یا کہ ہمیشہ کے لئے ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ نہ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عمرہ حج میں داخل ہے اور اس خلجان کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے مشرک لوگ عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کو گناہ سمجھتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں عمرہ اور حج دونوں (تمتع اور قران کی شکل میں) ملا کر ادا کئے جا سکتے ہیں نیز صحابہؓ کو یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ اب چند دن ہی تو باقی ہیں اب اگر جن کے پاس ہدیہ نہیں تو نہ سہی آخر میں احرام کھولنے میں کیا حرج ہے اور اس [illegible] خلجان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احرام نہ کھولیں اور ہم کھولدیں تو اس میں اطاعت رسولؐ میں کمی آئے گی اور اس لئے بھی خلجان تھا کہ عمرۃ القضا کے موقعہ پر جن کے پاس ہدایا تھیں تو انہوں نے بھی یہیں عمرہ کے ارکان اد کر کے ہدایا ذبح کر دی تھیں تو اب کیا وجہ ہے تو نبی کرم صی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام خدشات کا جواب یہ دیا ولو انی استقبلت من امری مااستدبرت لم اسق الهدی (یعنی اگر مجھے پہلے معلوم ہو تا وہ جو بعد میں معلوم ہوا تو میں ہدیہ ساتھ نہ لاتا۔ اس سے معلوم ہو تا ہے کہ اسی موقعہ پر وحی اتری تھی کہ جو حاجی ہدایا ساتھ لائے ہیں وہ احرام نہ کھولیں اور جو ہدیہ نہیں لائے وہ احرام کھولدیں اور اس حدیث سے دو باتیں اور بھی معلوم ہوتی ہین ایک یہ ہے کہ انسان

حج کی نیت کر کے عمرے کے ارکان ادا کر کے حج فسخ کر سکتا ہے لیکن یہ صحابہ کے ساتھ ہی مخصوص تھا جیسا کہ ابوداؤد میں حدیث ہے آپ سے عرض کیا گیا فسخ الحج لنا خاصۃ او لمن بعدنا قال لکم خاصۃ (حج کو عمرہ کے ارکان سے فسخ کرنا ہمارے لئے خاص ہے یا بعد والوں کے لئے بھی ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے لئے خاص ہے اور اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عمرہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جن میں آدمی کے پاس ہدیہ ہو ایسے آدمی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ عمرہ کے ارکان ادا کرے اور حج ادا کرنے تک احرام نہ کھولے اور دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی کے پاس ہدیہ نہ ہو تو وہ عمرے کے ارکان ادا کرے اور احرام کھولدے اور یوم الترویہ میں حج کا احرام باندھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یمنی اونٹ لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم نے حج کی نیت کرتے وقت کیا کہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ کہا تھا اے اللہ میں احرام باندھتا ہوں جس طرح احرام باندھا تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے) تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر میرے پاس ہدیہ ہے تو بھی احرام نہ کھول۔ راوی نے کہا کہ ہدیہ کی تعداد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے سو اونٹ تھی۔ بقول راوی سب لوگوں نے احرام کھولا قصر (بال کٹوائے) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان لوگوں نے جن کے پاس ہدایا تھیں احرام نہ کھولا پھر جب ترویہ کا دن آیا منی جانے لگے تو انھوں نے حج کا احرام باندھا جنھوں نے پہلے احرام کھول دیا تھا۔ ترویہ سے مراد ذی الحج کی آٹھویں تاریخ ہے اس کو ترویہ اس لئے کہتے ہیں کہ ترویہ کے معنی سیرابی کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ جب حج پر جانے کے لئے تیاری کرتے تھے تو وہ اپنے اپنے اونٹوں کو اس

دن پانی پلا لیتے تھے کیونکہ آگے منی۔ مزدلفہ اور عرفات میں پانی کی قلت ہوتی تھی اور یا اس دن کو ترویہ اس لئے کہتے ہیں کہ ترویہ کے معنی ترددااور شک کے بھی آتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس رات اپنے بیٹے اسماعیل کو قربان کرنے کا جب خواب دیکھا تھا تو آپ کو تردد ہوا تھا کہ کہیں یہ شیطانی خیال نہ ہو اور نویں ذی الحج کی رات کو جب آپ علیہ السلام نے خواب دیکھا تو پہچان گئے کہ بیٹے کو ذبح کرنے کا اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہے یہ شیطانی خیال نہیں ہے۔ اس لئے اس رات کو عرفہ کی رات اور اس دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں اور اس میدان کو جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں میدان عرفات کہتے ہیں کیونکہ اس دن اور اس میدان میں حجاج کو بھی اللہ تعالی کا تعارف ہوتا ہے۔ م اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے پھر ظہر۔ عصر۔ مغرب عشا اور فجر کی نمازیں آپؐ نے منی میں ادا فرمائیں۔ ش یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو صبح جب آفتاب طلوع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر منی کی طرف روانہ ہوئے تو ظہر کے وقت آپ منی پہنچ گئے اور نویں ذی الحجہ کی صبح تک آپؐ نے منی میں قیام فرمایا اور یہ پانچ نمازیں آپؐ نے وہاں ادا فرمائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان سوار ہو کر بھی مکہ سے منی جاسکتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے اور اگر کوئی پیدل جانا چاہے تو بھی جاسکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو سوار ہونے کا حکم نہیں دیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے سوار ہو کر جائے چاہے پیدل جائے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد مکہ سے منی کو جانا سنت ہے تاہم اگر کوئی مجبوری ہو تو پہلے بھی رات کے وقت جاسکتا ہے جیسا کہ آج کل وہاں کے معلمین ایسا ہی کرتے ہیں اور نیز ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا اور فجر کی یہ نمازیں وہاں منی میں پڑھنا سنت ہے اگر کوئی نہ

پڑھ سکے تو اس کے حج میں فرق نہیں آئے گا۔ م پھر نماز کے بعد آپؐ تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج نکل آیا پھر آپؐ نے نمرہ (نام وادی عرفات) میں خیمہ لگانے کا حکم دیا جو بالوں سے بنا ہوا تھا۔ ش اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں ذی الحجہ کی صبح کو نماز سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب کے بعد عرفات جانا ہے اور یہ طلوع آفتاب کے بعد جانا بھی سنت ہے۔ م پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کی طرف چلے اور جاتے وقت مزدلفہ میں نہیں ٹھہرے سیدھے عرفات چلے گئے اور نمرہ میں آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا تو اس میں اترے اور قیام فرمایا۔ ش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قریشی لوگ مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے باقی طریقوں میں ان کی مخالفت کی ہے مگر مزدلفہ میں قیام فرمائیں گے اس کی وہ مخالفت نہیں کریں گے مگر آپؐ نے اس کی بھی مخالفت کی اور مزدلفہ میں جاتے وقت قیام نہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حاجی منیٰ سے عرفات جاتے وقت مزدلفہ میں قیام نہ کرے کیونکہ قریش لوگ مزدلفہ میں قیام کر کے واپس آجاتے تھے اور آگے عرفات میں وہ نہیں جاتے تھے۔ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش مجاورین اور خدام کعبۃ اللہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو باقی لوگوں سے ممتاز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں حدود حرم سے باہر نہیں نکلنا چاہئے اور مزدلفہ حدود حرم میں ہے اور عرفات حدود حرم سے خارج ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں مشرکین کی جہاں اور غلط رسومات کی تغلیط فرمائی وہاں ان کی مزدلفہ والی اس رسم کی بھی عملاً تغلیط فرمائی کہ عرفات جاتے وقت مزدلفہ میں قیام نہ فرمایا بلکہ عرفات تشریف لے گئے اور اس عمل سے آپؐ نے

بتادیا کہ عرفات کا وقوف حج کا رکن اعظم ہے اور اس کا وقوف سب پر لازم ہے اس میں قریش اور غیر قریش سب برابر ہیں اور جو عرفات کا وقوف نہیں کرے گا اس کا حج ہی نہیں ہوگا۔ م پھر جب دوپہر ڈھلی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قصواء (نامی اونٹنی) منگوائی پھر وہ تیار کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی نمرہ کے اندر تشریف لائے۔ ش اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو امام حج ہو اس کو اس موقعہ پر اس جگہ دو خطبے دینا چاہئے اور اس خطبہ کی تشریح تو آیت فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق وجدال فی الحج کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور ترجمہ بھی ہو چکا ہے تاہم خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر اپنے صحابہؓ کو اس خطبہ میں یہ تعلیم دی تھی کہ جس طرح تم بیت اللہ کا اور اس مہینہ کا اور اس دن کا احترام کرتے ہو اسی طرح جب تم اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر جب جاؤ تو ہر مومن کا اس کے مال کا اور عزت و آبرو کا اسی طرح احترام کرتے رہو۔ بقول شاعر ؎

نے گویم کہ از عالم جدا باش

و لے ہر جا کہ باشی باخدا باش

م سنو جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں میں روند دی گئی ہے ش اس سے مراد شرکیہ رسومات و علامات ہیں جو مشرکین عرب نے اپنا رکھی تھیں اور بعض رسومات کو انہوں نے حج میں بھی شامل کیا ہوا تھا مثلاً اپنے اپنے مزعومہ اور اختراعی خداؤں کے نام کی نذر و نیاز ان کی پرستش حاجات میں پکارنا وغیرہ اس میں شامل ہے جو حج کے موقعہ پر وہ ادا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کی جدو جہد سے انکی بیخ کنی کردی تھی اور اس کا عملی نمونہ آپ کے سامنے اس وقت صحابہ کا عظیم اجتماع تھا جو پہلے

بت پرست تھے اور آپؐ کی مسلسل جدو جہد سے وہ توحید پرست بنے تھے اور پھر انہیں کے ہاتھوں سے آپؐ نے وہ رسومات مٹائی تھیں۔ م اور جاہلیت کا خون میرے قدموں کے نیچے روندا ہوا ہے ش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا دور۔ دور جاہلیت کہلاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب ایک آدمی دوسرے کو مار ڈالتا تھا تو اس مقتول کے بدلے قاتل کے ورثاء کئی آدمیوں کو مار دیتے تھے اور اگر خون بہا پر صلح ہوتی تھی تو وہ بھی انتہائی ظالمانہ طرز کی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے نظام عدل سے ظالمانہ قصاص اور خون بہا بھی حد ختم کردئے تھے اس کو آپؐ نے فرمایا ہے ودماء الجاھلیة موضوعة۔ م اور ہمارے خونوں میں سے پہلا خون جسے میں موقوف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے اور وہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور قبیلہ ہذیل نے اسے مار دیا تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ربیعہ بن حارث کا بیٹا صغر سنی میں قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور اس قبیلے کی اور قبیلہ ہذیل کی آپس میں جنگ ہوئی اور قبیلہ ہذیل کے کسی آدمی کے ہاتھ سے اس کو پتھر لگا اور وہ مر گیا اور اب قبیلہ ذیل نے اس کا خون بہا ادا کرنا تھا اور خون بہا کا یہ اصول ہے کہ مقتول کے وارثوں میں سے کوئی معاف کردے تو وہ معاف ہو جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے وارث تھے اور اب جزیرہ عرب پر آپؐ کی حکومت قائم ہو چکی تھی آپؐ اگر چاہتے تو قبیلہ ہذیل کو انتقاماً قتل بھی کرا سکتے تھے مگر آپؐ نے اسلامی اصول کے مطابق انہیں معاف فرمادیا اور اتنے عظیم مجمع میں اس کا اعلان فرمادیا۔ م اور جاہلیت کا سود بھی میرے قدموں کے نیچے روندا ہوا ہے اور پہلا سود جسے میں اپنے سودوں میں سے موقوف کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب موقوف

کردیا گیا ہے۔ ش سود کی پوری تفصیل سورۃ البقرہ کی ایک سو ستانویں کے جملہ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولاجدال فی الحج میں گزر گئی ہے۔ البتہ یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سود کو کالعدم قرار دینے کا جو اعلان فرمادیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور یہ کاروبار ترک کریں کیونکہ اگر سودی کاروبار سنگین جرم نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود موقوف نہ کرتے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق تھے آپؐ کی حیثیت عام حکمرانوں جیسی نہیں تھی کیونکہ عام حکمران نعرہ تو غریبوں کی ہمدردی کا لگاتے ہیں لیکن جب انہیں اقتدار ملتا ہے تو وہ ملکی سرمایہ اپنوں کے لئے سمیٹتے ہیں اور غریبوں کا خون نچوڑ کر اپنا بینک بیلنس بناتے ہیں لیکن قربان جاؤں ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں نے نبی برحق ہونے کا ثبوت دیا اور اپنے چچا کا بھاری سود جو غیر مسلموں کے ذمہ واجب الادا تھا اسے کالعدم قرار دے کر عدل وانصاف کا اعلی معیار قائم کردیا تاکہ ان غیر مسلموں کو بھی یقین آئے کہ اسلام کا نظام عادلانہ اور رحیمانہ نظام ہے اور اسے وہ قبول کریں چنانچہ غیر مسلموں پر اس کا خاطر خواہ اثر پڑا اور وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تھے۔ م عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تم نے ان کو اللہ کے امان میں لیا ہے اور ان کی شرمگاہیں اللہ کے حکم سے تم نے حلال کی ہیں تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمارے فرش میں کسی کو نہ آنے دیں اگر وہ ایسا کریں تو تم نے ان کو معمولی مار مار سکتے ہو اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو رزق اور کپڑے دستور کے مطابق مہیا کرو۔ ش اس کی تشریح حقوق نسواں جلد خامس میں آئے گی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ م اور

تحقیق میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں اگر اس کو مظبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ تعالی کی کتاب ہے اور قیامت میں تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے حق پہنچایا۔ حق ادا کیا اور نصیحت فرمائی۔ ش اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ میرے بعد اگر تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑو گے تو گمراہ نہیں ہو گے سوال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لیے کتاب اللہ ہی کافی ہے حدیث نبویؐ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم انہیں مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اب ان دونوں حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے اندر کتاب اللہ چھوڑ کر جارہا ہوں یہاں کتاب اللہ کے ضمن میں احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بخود آگئی ہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اس کی تفصیل آگئی ہے اور کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنے کا مقصد یہ ہے کہ شیطان تمہارے لئے کتاب اللہ پر عمل کرنا مشکل بنادے گا اگر تم سختی سے اور ڈٹ کر اس پر عمل کرو گے تو گمراہی سے بچ جاؤ گے ورنہ گمراہی سے نہیں بچو گے اور اس کی مفصل بحث انشاء اللہ العزیز حجیت خبر واحد میں آئے گی اور اس حدیث میں دوسری چیز آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ قیامت والے دن اللہ تعالی تم سے میرے بارے میں پوچھیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم نے تم تک پیغام پہنچایا تھا کہ نہیں تو تم کیا جواب دو گے ؟اس سوالیہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت چھ کی طرف اشارہ فرمایا فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین) پھر ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے حق پہنچایا۔ حق ادا کیا اور نصیحت فرمائی اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کو خطاب کر کے تین مرتبہ عرض کی کہ اے اللہ آپ گواہ رہیں کہ یہ لوگ آپ کے سامنے اعتراف کر رہے ہیں کہ میں نے ان تک تیرا فریضہ پہنچادیا ہے۔ م پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی پھر تکبیر کہی پھر آپؐ نے نماز ظہر پڑھائی۔ پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی اور آپؐ نے نماز عصر پڑھائی اور آپؐ نے ان دونوں نمازوں کے درمیان کچھ نہیں پڑھا۔ ش اس کا مقصد یہ ہے کہ حاجی نے یہاں دو نمازیں (ظہر اور عصر) جمع کرنا ہے عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنا ہے اذان ایک ہی ہو گی اور تکبیر ظہر کے لئے الگ اور عصر کے لئے الگ ہو گی اور دونوں نمازوں کے درمیان سنتیں نہیں پڑھنا کیونکہ اصل مقصد ظہر اور عصر کو جمع کرنا ہے اور درمیان میں سنتیں وغیرہ پڑھیں تو جمع نہیں رہتی۔ م پھر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ پر آئے پھر اپنی اونٹنی کا پیٹ پتھروں کی طرف کیا اور جبل مشاۃ کو نام جگہ اپنے سامنے کیا اور قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور مسلسل کھڑے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ کچھ اور زردی چلی گئی اور سورج کی ٹکیہ ڈوب گئی۔ ش مقصد یہ ہے کہ حاجی نے میدان عرفات میں اسی طرح کھڑا ہونا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا اور یہ قیام

رکن اعظم ہے یہ فوت ہو جائے تو پورا حج فوت ہو جاتا ہے اس کا تدارک جنایات وغیرہ سے نہیں ہے اس لئے پھر حج کرنا ہوگا اور اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ بھی سکتا ہے لیٹ بھی سکتا ہے اس کا قیام متصور ہو جائے گا اگر معذور نہ ہو تو کھلے آسمان کے نیچے دھوپ میں شام تک کھڑا رہے۔ م سورج ڈوبنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما کو ساتھ بٹھایا اور مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں آکر مغرب اور عشا کی نماز ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور ان کے درمیان کچھ نہیں پڑھا۔ ش یعنی حاجی نے بھی اسی طرح کرنا ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد وہاں عرفات میں نماز مغرب نہیں پڑھنا راستے کے اندر بھی نہیں پڑھنا اور مزدلفہ میں آکر مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھنا ہے اور یہاں مغرب کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے عشا کے وقت میں پڑھنا ہے اور درمیان میں سنتیں نفل نہیں پڑھنا تاکہ جمع متصور ہو سکے اور اگر درمیان میں سنت مغرب یا عشا سے پہلے والی سنتیں پڑھیں تو جمع نہیں بنے گی۔

م پھر آپؐ نے طلوع فجر تک آرام کیا پھر صبح کی نماز کچھ روشنی میں آپؐ نے ایک اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھائی۔ پھر اپنی قصوی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام (پہاڑی کا نام) کے پاس آئے اور قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالی کی بڑائی بیان کی۔ لا الہ الا اللہ پڑھا، توحید بیان کی اور اچھی طرح روشنی ہونے تک کھڑے رہے۔ ش مزدلفہ کے پاس ایک پہاڑی ہے اس کا نام مشعر الحرام ہے حاجی کے لئے اس کے پاس کھڑا ہونا واجب ہے اور اچھی طرح روشنی ہونے تک کھڑا رہنا ہے۔ دعائیں مانگنا ہے اور اللہ تعالی کی بڑائی اور توحید بیان کرنا ہے۔ م پھر طلوع شمس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منی کی طرف روانہ ہوئے اور فضل بن عباس کو ساتھ بٹھایا یہاں تک محسر نام

وادی کے پیٹ میں پہنچے تو آپؐ نے اپنی سواری کچھ تیز کر دی۔ ش آپؐ نے سواری اس لئے تیز کی تھی کہ یہاں ابرہ کے لشکر پر اللہ تعالی کا عذاب اترا تھا کیونکہ وہ بیت اللہ شریف کو گرانا چاہتے تھے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس جگہ پر کسی قوم پر عذاب اترا ہوا ہوتا تھا اور آپ ﷺ کو وہاں سے گزرنا پڑتا تھا تو جلدی گزرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگھوں پر عذاب کے آثار ہمیشہ رہتے ہیں۔ اس سے عذاب قبر بھی ثابت ہوتا ہے اور نیز آپؐ کے جلدی گزرنے کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں مشرکین اور نصاری آکر ٹھہرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی گزرے تاکہ مشرکین اور نصاری سے تشبہ لازم نہ آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجاج کو بھی یہاں وادی محسر کے پاس قیام نہیں کرنا بلکہ جلدی نکلنا چاہئے۔ م پھر آپ درمیانے راستے پر چلے جو جمرہ کبرہ پر جا نکلتا ہے یہاں تک آپؐ جمرہ کبرا کے پاس جا پہنچے جو درخت کے پاس ہے اس کو جمرہ اولی بھی کہتے ہیں یہ مسجد خیف کے پاس ہے۔ پھر آپؐ نے اس جمرہ کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر پڑھتے تھے۔ یہ کنکریاں لوبیا کے مانند تھیں۔ وادی کے پیٹ کی طرف ہو کر آپؐ نے یہ کنکریاں ماری تھیں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب بیان ہو گی۔ م پھر قربان گاہ کی طرف گئے اور تریسٹھ اونٹ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دئے اور انہیں اپنے ہدیہ میں شریک کیا۔ ش قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے جانور خود ذبح کئے تھے اگر خود اچھی طرح ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو دوسرے سے ذبح کرانے میں حرج نہیں ہے۔ م پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اونٹ سے ایک ٹکڑا کاٹنے کا حکم دیا پھر اسے ہنڈی میں ڈال

کر پکایا گیا پھر ان دونوں نے وہ گوشت کھایا اور اس کا شوربا پیا۔ ش اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت کھانا اور اس کا شوربا پینا سنت ہے اور نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کرنا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کنکریاں ماری ہیں اور پھر قربانی کی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی سے فارغ ہونے کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ شریف تشریف لائے اور ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی۔ ش آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اس طواف کو رکن طواف افاضہ اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ یہ فرض ہے یہ طواف اگر کوئی نہ کرے تو اس کا حج نہیں ہوتا اور اس کا کوئی بدل وغیرہ بھی نہیں ہے یہ طواف بارہویں تاریخ آفتاب کے غروب ہونے تک جائز ہے بہتر اور افضل یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو حجامت بنوانے کے بعد یہ طواف کر لیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا اس کی پوری تفصیل عنقریب آئے گی۔ م پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عباس بن عبد المطلب کے پاس تشریف لائے جو آب زمزم لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بنی عبد المطلب پانی نکالو اگر لوگوں کے ہجوم کا خطرہ نہ ہوتا تو میں خود تمہارے ساتھ پانی نکالتا پھر ان لوگوں نے آپ ﷺ کو آب زمزم نکال کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔ ش اس سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد آب زمزم پینا سنت ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے بعد آب زمزم پیا تھا۔

تشریح حدیث نمبر ۲

اس بحث میں دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے اس کے باقی حصہ کی تشریح تو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں گزر گئی ہے البتہ

اس حدیث میں جو اضافی مضمون ہے اس کی تشریح کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ صرف عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا اور اسی دوران ان کے ایام ماہواری آگئے تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور سعی بھی نہیں کی تھی اور عرفہ کے دن تک ان کی یہی حالت رہی تھی اور انہوں نے عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ عمرے کا احرام کھول دو اور حج کا احرام باندھو تو حضرت عائشہؓ نے پھر حج مکمل کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تنعیم سے عمرے کا احرام باندھو اور عمرہ کرو اور آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا کیونکہ یہ حضرت عائشہؓ کے بھائی تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنعیم سے احرام باندھ کر پھر عمرہ کیا تھا اور تنعیم سے احرام باندھنے کا حکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے دیا تھا کہ عمرہ کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زمین حل سے احرام باندھے اور تنعیم زمین حل میں ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا تو انہوں نے آخر میں ایک طواف کیا تھا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قارن نے ایک ہی طواف کرنا ہے اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے تو آپ ﷺ نے دو طواف کئے تھے ایک جب مکہ میں داخل ہوئے تھے اور دوسرا حج کے بعد۔ پس ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ امام شافعیؒ نے ایک طواف والی حدیث کو ترجیح دی ہے اور احناف نے دو طواف والی حدیث کو ترجیح دی ہے اور ان کے نزدیک قارن نے دو طواف کرنے ہیں۔

تشریح حدیث نمبر ۳

اس حدیث کی باقی تشریح حدیث نمبر ایک میں گزر گئی ہے۔ البتہ دو چیزوں

کی تشریح باقی ہے جو لکھ دی جاتی ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے کیونکہ آپ ﷺ نے دو طواف کئے تھے ایک عمرے کا اور دوسرا طواف زیارت۔ اسی حدیث کی بنا پر احناف کہتے ہیں کہ قارن نے دو طواف کرنے ہیں اور لفظ تمتع ساتھ معنی ملانے کے ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں ملا کر ادا کئے تھے اور دوسری چیز یہ ہے کہ تمتع والا عمرے کے ارکان ادا کر کے احرام کھول دے یعنی سر منڈوائے یا بال کٹوائے۔ میاں بیوی ہم بستر بھی ہو سکتے ہیں اور آٹھویں ذی الحج کو زمین حرم سے ہی حج کا احرام باندھ کر منی جائیں اور نویں ذی الحج کو عرفات جائیں وہاں قیام کریں اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے واپس لوٹ کر مزدلفہ میں رات ٹھہریں اور دسویں ذی الحج کو منی میں آکر پہلے جمرہ اولی کو کنکریاں ماریں پھر قربانی کریں۔ یہ قربانی دم تمتع ہے یعنی حاجی نے پہلے جو عمرہ کیا اور پھر حلال ہو گیا اور پھر حج کا احرام باندھ کر جو حج کیا ہے یہ اس کا شکرانہ ہے یہ وہ قربانی نہیں ہے جو مسلمان گھروں میں کرتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دم تمتع کی طاقت نہ ہو تو وہ دس روزے رکھے تین حج کے ایام میں اور سات واپسی اپنی اہل میں آکر رکھے اور محدثین نے لکھا ہے کہ یہ تین روزے ساتویں۔ آٹھویں اور نویں ذی الحج کو رکھنا افضل ہے اور نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منی میں قربانی کرنے کے بعد حاجی کے لئے ہر چیز حلال ہو جاتی ہے جو پہلے اس پر حرام تھی مگر میاں بیوی ابھی تک ہم بستری نہیں کر سکتے جب تک طواف زیارت نہ کریں اور چوتھی حدیث یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی تشریح پہلے بیان ہو گئی ہے اور پانچویں حدیث یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی تشریح بھی وہی ہے جو پہلے بیان ہو گئی ہے البتہ انہوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے حج کا احرام باندھا تھا یہ یا تو بزعم خود ہے انہوں نے فرمادیا ہو گا یا اکثریت کی بنا پر ہو گا کیونکہ پہلے حدیثوں میں تفصیل آچکی ہے کہ بعض صحابہؓ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور بعض نے عمرے کا اور چھٹی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ مکہ سے خرید ا جاسکتا ہے۔

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حاجی کے لئے غسل کرنا مستحب ہے اور داخلہ دن کو ہونا چاہئے اور رفع یدین نہیں کرنا۔

عن نافع قال ان ابن عمر كان لايقدم مكة الا بات بذى طوى حتى يصبح ويغتسل ويصلى فيدخل مكة نهاراً واذا نفر منها مربذى طوىً وبات بها حتى يصبح ويذكر ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يفعل ذلك متفقٌ عليه.

حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب مکہ آتے تو رات کو مقام ذی طوی میں قیام کرتے اور جب صبح ہوتی تو قیام کرتے اور نماز پڑھتے اور دن میں مکہ کے اندر داخل ہوتے اور جب مکہ سے واپس جاتے تب بھی رات ذی طوی میں گزارتے اور صبح تک وہاں رہتے اور بیان کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

عن المهاجر المكى قال سئل جابر عن الرجل يرى البيت يرفع يديه فقال قد حججنامع النبى صلى الله عليه وسلم فلم تكن نفعله رواه الترمذى وابو دائود.

حضرت مہاجر مکیؒ کہتے ہیں کہ جابرؓ سے پوچھا گیا اس شخص کی بابت جو بیت اللہ کو دیکھ کر دونوں ہاتھوں کو بلند کرے (یعنی یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں) جابرؓ نے کہا ہم

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم تو ایسا نہ کرتے تھے۔(ترمذی۔ابوداؤد)

تشریح:

یہاں اس بحث میں دو حدیثیں ہیں اور یہ حدیث بھی سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموا الحج والعمرة لله کی تفسیر ہے اور اسی طرح سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات الله فهو خیر له عند ربه اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب کی بھی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں یں اتمام حج وعمرہ اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے مگر ان جملوں میں یہ نہیں بتایا کہ حج کس چیز کا نام ہے اور حرمات اللہ و شعائر اللہ میں کونسی کونسی چیزیں آتی ہیں اور ان کی تعظیم کس طرح کرنا ہے؟ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالی کی طرف سے شارح قرآن مجید مقرر فرمائے گئے تھے انہوں نے وہ تفصیل بیان فرمائی ہے اور کچھ تفصیل تو پہلے بیان ہو گئی ہے اور کچھ اس حدیث میں ہے چنانچہ اس میں چار چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز دخول مکہ سے پہلے رات کو ذی طوی میں آرام اور قیام کرنا اور دوسری چیز صبح کے وقت غسل کرنا اور تیسری چیز دو رکعات نفل پڑھنا اور چوتھی چیز دن کے وقت بیت اللہ میں داخل ہونا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول ابن عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا تھا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مکہ شہر بھی حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں شامل ہے اور اس کے احترام کا یہ طریقہ ہے اور عطاء نے لکھا ہے کہ یہ مستحب ہے ضروری نہیں۔اس کے استحباب کی وجہ یہ ہے کہ رات کو پہلے آرام کر لینے میں حاجی کو سکون آجائے گا۔ تھکاوٹ وغیرہ دور ہو جائے گی اور پھر دن کو آرام اور آسانی سے ارکان ادا کرے گا اور بیت اللہ پر اچھی طرح اور محبت سے نگاہ بھی پڑے گی اور اندھیرے میں ایسا نہیں ہو سکے گا اور اگرچہ

آج کل بجلی کا نظام بہت اچھا ہے تاہم دن جیسی روشنی کی برکات نہیں ہیں اور دوسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ بیت اللہ کو دیکھ کر رفع یدین نہیں کرنا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیت بیت کے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے تھے۔

رئیت بیت اللہ کے وقت کی دعائیں

عن ابن عمر یقول اذا لقی البیت بسم اللہ واللہ اکبر (ھدایہ)

عن سعید بن مسیب قال سمعت من عمر کلمۃ مابقی احد من الناس سمعھا غیری سمعتہ یقول اذا رأی البیت اللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنابالسلام (حاشیہ ھدایہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بیت اللہ سے ملاقات کرتے تو فرماتے تھے اللہ کے نام سے شروع اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

حضرت سعید بن میتب نے فرمایا کہ میں نے عمرؓ سے یعنی ابن عمر سے ایک بات سنی ہے اور میرے سوا لوگوں میں سے کوئی ایسا باقی نہیں ہے کہ جس نے یہ بات ان سے سنی ہو۔ میں نے ان سے سنا جب بیت اللہ کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اے اللہ آپ سلامتی والے ہیں اور آپ کی طرف سے سلامتی آتی ہے اے ہمارے رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندگی عطا فرما۔

صاحب ہدایہ نے بسم اللہ واللہ اکبر کے الفاظ نقل کئے ہیں اور ہدایہ کے حاشیہ پر بیہقی کے حوالہ سے بعد کی دعا منقول ہے اس کے علاوہ غنیۃ الطالبین میں اور بھی دعائیہ الفاظ ہیں۔ ہم نے اختصار کے طور پر ان ہی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ حج کے موقعہ پر دعاؤں کے سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں ہے جو دعا چاہے انسان کر سکتا ہے اور جس زبان میں چاہے کر سکتا ہے البتہ نبی کی زبان سے کئے ہوئے الفاظ بہتر ہیں۔ ہمارا مقصد یہاں

یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کو دیکھ کر تہلیل و تکبیر کے یہ الفاظ اور یہ دعا تعظیم شعائر اور حرمات اللہ کا یہ ایک طریقہ ہے اور یہ بھی اتموالحج والعمرة لله ومن یعظم حرمات اور من یعظم شعائر الله کی تفسیر ہے مگر ان دعاؤں کا تعلق فرائض میں سے نہیں بلکہ فضائل میں سے ہے۔

بیت اللہ میں بلندی کی جانب سے داخلہ اور نشیبی جانب سے نکلنا چاہیے

عن عائشه قالت ان النبی صلی الله علیه وسلم لماجاء الی مکه دخل من اعلاها وخرج من اسفلها (متفق علیہ۔ مشکوۃ)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے (یعنی حجۃ الوداع میں) تو داخل ہوئے مکہ میں بلندی کی طرف سے (یعنی مقام ذی طوی کی جانب سے) اور جب واپس ہوئے تو نکلے مکہ سے نشیب کی جانب سے

(بخاری۔ مسلم۔ اور مشکوۃ سے یہ حدیث منقول ہے)

تشریح:

یہاں اس بحث میں ایک ہی حدیث ہے جو صاحب مشکوۃ نے بخاری اور مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے اور یہ بھی قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموالحج والعمرة لله اور سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات الله فهو خیر له عند ربه اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر الله کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں سے پہلے جملہ میں حج و عمرہ پورا کرنے کا حکم ہے اور دوسرے جملوں میں تعظیم حرمات اللہ اور شعائر اللہ کا بیان ہے مگر تفصیل نہیں ہے کہ حج و عمرہ کس طرح پورا کرنا ہے اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کون کون سی چیزیں آتی ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے

ایک یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ آپ بیت اللہ میں بلندی یعنی ذی طوی کی جانب سے (جو جنت معلا کی طرف ہے) سے داخل ہوئے اور نشیبی جانب سے جو مدینہ کی طرف راستہ جاتا ہے ادھر سے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم یہ ہے کہ بلندی کی طرف سے بیت اللہ میں داخل ہونے میں عاجزی ہے اور یہ ایسا ہی نمونہ ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت حکم تھا کہ وادخلو الباب سجدا کہ بیت المقدس میں جھکتے ہوئے اور عاجزی سے داخل ہو جاؤ اور ذی طوی کی طرف سے یہ داخلہ سنت ہے ضروری نہیں ہے جدھر سے چاہے داخل ہو سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سنت پر عمل ہو۔

طواف بیت اللہ باوضو ہو کر کرنا ہے

وعن عروة ابن الزبیر قال حج النبی صلی الله علیه وسلم فاخبرتنی عائشةؓ ان اول شئی بدابه حین قدم مكة انه توضا ثم طاف بالبیت ثم لم تكن عمرة ثم حج ابوبكرؓ فكان اول شئی بدابه الطواف بالبیت ثم لم تكن عمرة ثم عمر ثم عثمان مثل ذلك متفقٌ علیه (مشكوة)

حضرت عروہ بن زبیرؒ کہتے ہیں کہ حج کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بیان کیا مجھ سے حضرت عائشہؓ نے کہ مکہ میں داخل ہو کر نبیؐ نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ وضو فرمایا پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر نہیں ہوا عمرہ (یعنی آپؐ نے حج کو موقوف کر کے عمرہ نہیں کیا) بلکہ حج اور عمرہ (دونوں کو ساتھ رکھا) پھر (آپ کے بعد) ابوبکرؓ نے حج کیا اور آپ نے (مکہ میں داخل ہو کر) سب سے پہلے طواف کیا پھر عمرہ نہیں ہوا۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا اور پھر حضرت عثمانؓ نے اسی طرح کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:

یہاں اس بحث میں ایک ہی حدیث ہے جو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور صاحب مشکوۃ المصابیح نے امام بخاری اور امام مسلم رحمھم اللہ سے نقل کی ہے اور یہ حدیث بھی قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموالحج والعمرۃ للہ اور سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر اللہ کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں اتمام حج وعمرہ اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم کا حکم ہے مگر تفصیل نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر وہ تفصیل بیان فرمائی ہے چنانچہ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کے طواف سے پہلے وضو فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ طواف سے پہلے وضو ضروری ہے۔ حاجی جب طواف بیت اللہ کرے تو پہلے وضو ضرور کرے اور دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ قارن عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام نہ کھولے بلکہ حج کے ارکان ادا کر کے احرام کھولے اور یہ اتمام حج وعمرہ اور تعظیم حرمات اللہ اور تعظیم شعائر اللہ کا ایک طریقہ ہے۔

طواف قدوم کا طریقہ

وعن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا طاف فی الحج اوالعمرۃ اول مایقدم سعی ثلثۃ اطواف ومشی اربعۃ ثم سجد سجدتین ثم یطوف بین الصفاوالمروۃ. (متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا

طواف کرتے تو اول کے تین پھیروں میں تیز قدم چلتے اور چار پھیرے معمولی رفتار سے کرتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے (مقام ابراہیم میں) اور صفامروہ کی سعی کرتے۔(بخاری و مسلم)

وعنه قال رمل رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحجر الى الحجر ثلثا ومشى اربعاً وكان يسعى ببطن المسيل اذا طاف بين الصفا والمروة(رواہ مسلم)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جلدی کی چلنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک (طواف کے) تین پھیروں میں اور معمولی چال سے چلے چار پھیروں میں اور آپ جب صفاو مروہ کو سعی کرتے تو دوڑتے وادی مسیل میں۔(مسلم)

وعن جابر قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة اتى الحجر فاستلمه ثم مشى على يمينه فرمل ثلثاً ومشى اربعاً(رواہ مسلم)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر داہنے ہاتھ کی طرف چلے (طواف کرنے کے لئے) پس تین مرتبہ تیز قدم چلے اور چار مرتبہ معمولی رفتار سے۔(مسلم)

وعن الزبير بن عربى قال سال رجل ابن عمرؓ عن استلام الحجر فقال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلمه ويقبله (رواہ البخاری)۔

حضرت زبیر بن عربی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کی بابت سوال کیا آپؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کو ہاتھ لگاتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔(بخاری)

وعن ابی هريرة قال اقبل رسول الله صلی الله عليه وسلم فدخل مكة فاقبل الی الحجر فاستلمه ثم طاف بالبيت ثم اتی الصفا فعلاه حتی ينظر الی البيت فرفع يديه فجعل يذكر الله ماشآء ويدعوا ۔(رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہو کر حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو بوسہ دیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا اس کے بعد صفا و مروہ پر چڑھے اور وہاں سے بیت اللہ کو دیکھ کر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جس قدر چاہا اور دعا مانگی۔ (ابوداؤد)

وعن ابن عمر قال لم ارا النبی صلی الله عليه وسلم يستلم من البيت الا الركنين اليمانيين (متفق علیہ)۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے اس طرف ہاتھ لگاتے دیکھا ہے جہاں دونوں یمانی رکن ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وعن يعلی بن امية قال ان رسول الله صلی الله عليه وسلم طاف بالبيت مضطبعاً ببرد اخضر (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی۔)

حضرت یعلیٰ بن امیہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ہری چادر کے ساتھ اضطباع کیا (یعنی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

وعن ابن عباس ان رسول الله صلی الله عليه وسلم واصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت ثلثا واجعلوا ارديتهم تحت اباطهم ثم قذفوها علی عواتقهم اليسری (رواہ ابوداؤد)۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے

اصحابؓ نے مقام جعرانہ سے عمرہ کیا اور بیت اللہ کے طواف میں تین مرتبہ تیز قدم چلے اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا۔(ابوداؤد)

وعن عابس بن ربيعة قال رائت عمرؓ يقبل الحجر ويقول انى لا علم انك حجر ما تنفع ولا تضر ولو لا انى رائت رسول اللهؐ يقبل ما قبلتك (متفق علیہ)

حضرت عابس بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا اور یہ کہتے سنا۔ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے تجھ پر رسول اللہ کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی تجھ پر بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:

یہاں اس بحث میں دس احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ **واتموا الحج والعمرة لله** اور سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ **ومن يعظم حرمات الله** اور آیت بتیس کے جملہ (**ومن يعظم شعائر الله**) کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں سے پہلے جملہ میں اتمام حج وعمرہ کا حکم ہے اور دوسرے جملوں میں تعظیم حرمات اللہ اور تعظیم شعائر اللہ کی تعلیم ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ اتمام حج وعمرہ کس طرح کیا جاتا ہے اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں اور ان کی تعظیم کا کیا طریقہ ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالی کی طرف سے شارح قرآن مقرر کئے تھے) وہ تفصیل اور تشریح ان احادیث میں بیان فرمائی ہے اور عملاً کر کے بتایا ہے کہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں بیت اللہ بھی

آتا ہے اور اس کی تعظیم کا یہ طریقہ ہے چنانچہ پہلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور ہے اس حدیث میں جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے بتایا ہے کہ آپؐ جب حج یا عمرہ میں بیت اللہ کا طواف فرماتے تھے تو پہلے تین پھیروں میں تیز قدم چلتے تھے اور باقی چار پھیروں میں معمولی رفتار سے چلتے تھے۔ پھر دو رکعات نماز پڑھتے تھے اور پھر صفا اور مروہ کی سعی کرتے تھے اور دوسری حدیث حضرت ابن عمرؓ سے ہی منقول ہے اس میں پہلی حدیث کی تفصیل ہے کیونکہ پہلی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے طواف کی ابتدا کہاں سے کرتے تھے اور انتہا کہاں تک کرتے تھے پس دوسری حدیث میں بتادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرتے تھے اور انتہا بھی اسی پر کرتے تھے اور باقی تفصیل پہلی حدیث والی ہی ہے اور تیسری حدیث یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ حدیث پہلی دونوں حدیثوں کی تفصیل ہے کیونکہ پہلی حدیثوں میں یہ نہیں آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے جب طواف کی ابتدا کی تھی تو کس طرح کی تھی اور کس جانب چلے تھے اور اس حدیث میں یہ تفصیل آگئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرتے وقت اسے چوما تھا اور اس کے دائیں طرف سے چلے تھے اور چوتھی حدیث حضرت زبیر بن عربی سے منقول ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے چھوا بھی تھا اور پانچویں حضرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہو کر پھر صفا اور مروہ پر تشریف لے گئے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر بیت اللہ کو دیکھتے رہے۔ رفع یدین کیا اور تادیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے اور دعا کی اور چھٹی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو

یمانی رکنوں کو ہاتھ لگایا ہے کعبہ کے چار کونے ہیں ایک تو وہ ہے جس میں حجر اسود ہے اور دوسرا اس کے سامنے ہے اس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور ان دونوں کو رکن یمانی بھی کہہ دیا جاتا ہے اور تیسرے کو رکن عراقی کہتے ہیں اور چوتھے کو رکن شامی کہتے ہیں اور ان دونوں کو رکن شامی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ طواف کے وقت صرف حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے اور جس کونے میں حجر اسود ہے اس کو ہاتھ بھی لگانا ہے اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگانا ہے چومنا نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا ہی ثابت ہے اور دو عراقی اور شامی رکنوں کو بوسہ نہیں دینا اور ہاتھ بھی نہیں لگانا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور حجر اسود والے کونے کو اس لئے چومنا ہے اور ہاتھ بھی لگانا ہے کہ اس میں وہ حجر اسود ہے اور یہ بنائے ابراہیمی بھی باقی ہے اور دوسرے رکن یمانی کو اس لئے صرف ہاتھ لگانا ہے کہ وہ بنائے ابراہیمی باقی ہے اور عراقی اور شامی رکنوں کو اس لئے ہاتھ نہیں لگانا اور چومنا بھی نہیں کیوں کہ ان میں وہ بنائے ابراہیمی باقی نہیں ہے۔
اور حدیث نمبر سات اور آٹھ میں اضطباع کا ذکر ہے یعنی احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا یہ اضطباع ہر اس طواف میں کرنا ہے جس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی کرنا ہے اور یہ سنت ہے۔

عن عائشة قالت سالت رسول الله صلي الله عليه وسلم عن الحجر من البيت هو قال نعم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا حجر بیت اللہ کا حصہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف حطیم کے پیچھے کی طرف سے کرنا چاہئے کیونکہ بیت اللہ کے باہر سے طواف کرنا ہے تو حطیم بھی تو بیت اللہ کا حصہ ہے لہذا اس کا طواف بھی باہر سے کرنا

ہے اندر سے نہیں کرنا (یہ حدیث مسلم میں ہے) **ف** حطیم اصل میں بیت اللہ شریف کا حصہ ہے اس کو حجر بھی کہتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوۃ سے پہلے جب بیت اللہ خستہ ہو گیا تھا تو قریش نے اس کی بنائے جدید کی مگر خرچ کم ہونے کی وجہ سے یہ تھوڑا سا حصہ رہ گیا تھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کے اس حطیم کو باہر چھوڑنے کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم نہیں ہوئی وہ بیت اللہ کا ہی حصہ ہے بیت اللہ کا جو حکم ہے اس کا وہی حکم ہے یعنی بیت اللہ کا طواف کرنا ہے تو حطیم کا بھی طواف کرنا ہے اگر اس کے اندر سے طواف کریں گے تو یہ جگہ طواف سے رہ جائے گی۔ لہذا بیت اللہ کے طواف کے وقت حطیم کا طواف باہر کی جانب سے کیا جائے۔ بہر حال جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کا یہ عمل پیش کر کے بتادیا کہ کعبۃ اللہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کا یہ طریقہ ہے اور تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور یہ بیت اللہ معبود اور نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور اسی طرح حجر اسود جس کی سب سے زیادہ تعظیم کی جاتی ہے وہ بھی معبود نہیں ہے اور نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اس کی تعظیم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے جس کا نمونہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا تھا۔ جیسا کہ حدیث نمبر نوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان منقول ہے کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تجھ میں کوئی نفع و نقصان نہیں ہے۔ نفع و نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے میں نے تو صرف اس لئے تجھے چوما ہے کہ تجھے نبی صلی اللہ علیہ سلم نے چوما تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ بیت اللہ کافروں کے بت خانوں کی طرح بتخانہ نہیں ہے۔ یہ صرف خدا کا عبادت خانہ ہے اور اس میں عبادت کا طریقہ وہی صحیح ہے جو ابھی بتایا گیا ہے۔

عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف جائز ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے بجائے ہاتھ یا لکڑی سے اشارہ کر کے اسے بوسہ دینا چاہیئے اور ہجوم کی حالت میں بھی ایسا ہی اشارہ کافی ہے۔

وعن ابن عباسؓ قال طاف النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع علی بعیر یستلم الرکن بمحجن (متفق علیہ).

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر طواف کیا اور حجر اسود کو لکڑی یالاٹھی سے جس کا سر خمدار تھا بوسہ دیا (بخاری و مسلم)

وعنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم طاف بالبیت علی بعیر کلما اتی علی الرکن اشار الیه بشئی فی یده و کبر (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا جب حجر اسود پر آتے تو اس چیز (لاٹھی) سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (بخاری)

وعن ابی الطفیل قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یطوف بالبیت ویستلم الرکن بمحجن معه ویقبل المحجن (رواہ مسلم)۔

حضرت ابو الطفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا آپؐ ایک لکڑی جس کا سر خمدار تھا حجر اسود کو لگاتے اور اس کو بوسہ دیتے۔ (مسلم)

عن ابن عمرؓ قال ماتر کنااستلام هذين الركنين اليمانی والحجر فی شدة ولارخآء منذ رايت رسول الله صلی الله عليه وسلم يستلمها متفق عليه وفی رواية لهما قال رايت ابن عمرؓ يستلمالحجر بيده ثم قبل يده وقال ماتر کته منذ رايت رسول الله صلی الله عليه وسلم يفعله

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود اور رکن یمانی کو بوسہ دیتے دیکھا ہے کبھی میں ان کو بوسہ دینے سے باز نہ رہا خواہ کتنا ہی ہجوم ہو یا نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نافع نے بیان کیا میں نے ابن عمرؓ کو ہاتھ لگاتے اور پھر ہاتھ چومتے دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے کبھی رکن یمانی اور حجر اسود کو بوسہ کو ترک نہیں کیا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

وعن ام سلمة قالت شكوت الی رسول الله صلی الله عليه وسلم انی اشتكی فقال طوفی من ورآء الناس وانت راكبة فطفت ورسول الله صلی الله عليه وسلم يصلی الی جنب البيت يقرابالطور وكتب مسطور (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ (حج کے دنوں میں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی علالت کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کے پیچھے پیچھے یا لوگوں سے دور دور سواری پر طواف کر لو چنانچہ میں نے سواری پر طواف کیا اور دیکھا کہ رسول اللہ بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز میں والطور و کتاب مسطور پڑھی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ان احادیث میں بھی تعظیم و تکریم حرمات اللہ اور شعائر اللہ کا طریقہ بتایا ہے کہ اگر کوئی انسان چل کر بیت اللہ طواف نہ کر سکے تو سوار ہو کر کرے اور اگر حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے یا رکن یمانی کو ہاتھ نہ لگا سکے تو لکڑی یا ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے بوسہ دے دے تو اتنا کافی ہے۔ دراصل اعذار کا لحاظ اسلام کے تمام احکامات میں ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے لایکلف نفسا الا وسعھا کہ اللہ تعالی کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق اور یہاں طواف میں ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا مشکل ہوتا ہے۔اچھا صحت مند آدمی بھی بوسہ نہیں دے سکتا چہ جائے کہ مریض اس کے لئے تو بہت مشکل ہے اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر جبکہ رش بہت ہو گیا تھا تو سوار ہو کر طواف کیا اور لکڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے اسے بوسہ دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح بھی طواف کرنا جائز ہے۔

طواف کے فضائل اور اس کے مابین پڑھنے کے الفاظ اور دعائیں

وعن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الطواف حول البیت مثل الصلوۃ الا انکم تتکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلایتکلمن الا بخیر (رواہ الترمذی والنسآئی والدارمی وذکر الترمذی جماعۃ وقفوہ علی ابن عباس)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے لیکن تم طواف کی حالت میں بات چیت کرتے ہو

(پس آئندہ) جو شخص کوئی بات کرے نیکی کی بات کرے (ورنہ خاموش رہے) ترمذی نسائی اور دارمی اور ترمذی نے کہا ایک جماعت نے اس کو ابن عباس تک موقوفاً روایت کیا ہے۔

وعنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من طاف بالبيت سبعاً ولايتكلم الا سبحان الله والحمدلله ولااله الا الله والله اكبر ولاحول ولاقوة الا بالله محيت عنه عشر سيات وكتب له عشر حسنات ورفع له عشر درجت ومن طاف فتكلم وهو فى تلك الحال خاص فى الرحمة برجليه كخائض المآء برجليه (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرے اور ان پھیروں میں بجز سبحان الله والحمدلله ولااله الا الله والله أكبر ولاحول ولاقوة الابالله کے کچھ نہ کہے تو اس کے دس گناہ محو کئے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور جو شخص طواف کرے اور کلام کرے اسی کے مانند (یعنی اور کلمات اسی قسم کے پڑھے) تو وہ رحمت کے دریا میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے جس طرح تم دریا میں اپنے پاؤں سے داخل ہوتے ہو۔ (ابن ماجہ)

وعن ابى هريرة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال وكل به سبعون ملكا يعنى الركن اليمانى فمن قال اللهم انى اسئلك العفو والعافية فى الدنيا والاخرربنا اتنا فى الدنيا حسنةً وفى الاخرة حسنةً وقنا عذاب النار قالو امين . (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متعین ہیں رکن

یمانی پر ستر فرشتے پس جو شخص کہے اللهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنيا والاخرربنا اتنا فی الدنیا حسنةً وفی الاخرة حسنةً وقنا عذاب النار. تو یہ فرشتے کہتے ہیں آمین۔ یعنی اے باری تعالیٰ تو اس دعا کو قبول فرما۔ (ابن ماجہ)

وعن عبيد بن عمير ان ابن عمرؓ كان يزاحم على الركنين زحاما مارايت احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يزاحم عليه قال ان افعل فانی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان مسحهما كفارةً للخطايا وسمعته يقول من طاف بهذاالبيت اسبوعاًفاحصاه كان كعتق رقبة وسمعته يقول لايضع قدماً ولايرفع اخرى الا حط الله عنه بهاخطيئةً وكتب له بهاحسنةً رواه الترمذی.

حضرت عبید ابن عمیرؓ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ دونوں رکنوں (یعنی حجر اسود اور رکن یمانی) کو بوسہ دیتے وقت لوگوں پر ہجوم کرتے اس قدر کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے میں نے کسی کو اتنا ہجوم کرتے نہیں دیکھا (یعنی ابن عمر ان دو رکنوں کو بہت اہتمام کے ساتھ بوسہ دیتے تھے اور لوگوں کے ہجوم میں گھس جاتے تھے) ابن عمرؓ نے (لوگوں کو اپنے اس فعل پر متعجب دیکھ کر) کہا اگر میں ایسا کروں تو تعجب نہ کرو اس لئے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ان دونوں کو ہاتھ لگانا گناہوں کا کفارہ ہے اور میں نے آپ کو ایسا فرماتے ہوئے بھی سنا کہ جو شخص اس بیت کا (یعنی بیت اللہ کا) سات مرتبہ طواف کرے اور اس کے واجبات اور سنن وغیرہ کی حفاظت کرے تو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا ایک غلام کو آزاد کرنے کا اور آپ کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ جو قدم (طواف میں رکھا جائے اور جو قدم اٹھایا جائے ہر قدم پر خداوند تعالےٰ گناہ دور کرتا اور نیکی لکھتا ہے۔ (ترمذی)

وعن عبدالله بن السآئب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مابين الركنين ربنااتنا فى الدنا حسنةً وفى الاخرة حسنةً وقنا عذاب النار . رواه ابودائود

حضرت عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ کہتے سنا ہے ربنااتنا فى الدنا حسنةً وفى الاخرة حسنةً وقنا عذاب النار .

تشریح :

یہاں اس بحث میں پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث مشکوۃ کتاب مناسک سے نقل کی ہیں اور سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ و تموالحج والعمرة لله اور سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ و من يعظم حرمات الله اور آیت بتیس کے جملہ و من يعظم شعائر الله کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں اتمام حج و عمرہ اور تعظیم حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعلیم ہے مگر اس کے فوائد اور فضائل نہیں بیان فرمائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے وہ فوائد اور فضائل بیان فرمائے ہیں چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا ہے کہ طواف کی حیثیت نماز جیسی ہے یعنی جس طرح نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی حاجی نے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال تصور کرنا ہے۔ نیکی کی بات کرنا ہے برائی کی بات سے بچنا ہے اور یہ تعلیم اس لئے دی ہے کہ اس عظیم اجتماع میں انسان سے ایک دوسرے پر زیادتی ہوجاتی ہے اور خدا کے گھر میں یہ بُری بات ہے کہ انسان ایک دوسرے پر زیادتی کرلیں اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ وہاں اکثر لوگ جیب کترے ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں بہت سے آدمی زخمی ہو جاتے ہیں

مر جاتے ہیں اور اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت لوگ ایک دوسرے کو مارتے ہیں اور اسی طرح مرد اور عورتیں گھتم گھتا ہو جاتے ہیں جو شرعاً حرام ہے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کو مثل نماز فرما کر بتادیا کہ نماز کی طرح حج کیا گیا تو حاجی برکات فضائل لے کر واپس آئے گا اور مذکورہ حرام کاموں کا ارتکاب کیا تو برکات سے محروم آئے گا لہذا طواف نماز کی حیثیت ۔ ، کرنا ہے اور جس طرح نماز میں دعائیں کی جاتی ہیں اس طرح دعا کرنا ہے اور ذکر اذکار کرنا ہے۔ جو ان احادیث میں موجود دیکھ لی جائیں اور علماء نے لکھا ہے کہ انہی دعاؤں پر اکتفا ضروری نہیں ہے جو دعا آدمی کرنا چاہے کر سکتا ہے البتہ ناجائز کام کی دعائیں نہیں کرنا چاہئیں ورنہ دعا کی قبولیت کے بجائے سزا ہو جائے گی۔ دعا کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ اے اللہ یہ چیز یا یہ کام میرے حق میں بہتر ہے تو عطا فرمادیں ورنہ نعم البدل عنایت فرمائیں۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم یہ دونوں جنتی پتھر ہیں اس لئے ان کی تعظیم کی جاتی ہے

وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل الحجر الاسود من الجنة هو اشد بياضا من اللبن فسودته خطايا بنى ادم رواه احمد والترمذى وقال هذا حديث حسن صحيح

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود جنت سے آیا ہے اور وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا آدم کے بیٹے کے گناہوں نے اس کو سیاہ کردیا۔ (ترمذی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الحجر والله

لیبعثنه الله یوم القیمة له عینان یبصربهما ولسان ینطق به یشهد علی من استلمه بحق رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کی بابت خداوند تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور سچائی کے ساتھ اس شخص کی گواہی دے گا جس نے اس کو بوسہ دیا ہوگا۔ (ترمذی۔ابن ماجہ۔دارمی)

وعن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنة طمس الله نورهما ولولم یطمس نورها لاضآء مابین المشرق المغرب . رواه الترمذی

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم دو یاقوت ہیں جنّت کے یاقوتوں میں سے خداوند تعالےٰ نے ان کا نور ماند کر دیا ہے اور اگر ان کی روشنی قائم رہتی تو مشرق و مغرب کے درمیان ساری چیزوں کو روشنی کر دیتی۔

تشریح:

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۶ کے جملے واتموا الحج والعمرةلله اور سورہ حج کی آیت تیس کے جملے ومن یعظم حرمات الله اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر الله کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں اتمام حج و عمرہ اور تعظیم حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعلیم ہے مگر ان میں یہ نہیں بتایا کہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ان حدیثوں میں بتایا

ہے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم بھی حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں شامل ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دونوں جنتی پتھر ہیں اور جنت کی ایک ایک چیز اللہ تعالی کی نعمت ہے اور ان کا اکرام اور تعظیم کر کے اللہ تعالی کی نعمتوں کی قدر کرنا ہے اور حجر اسود کے بارے میں فرمایا کہ یہ پہلے دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا تو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے یہ سیاہ ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گناہ جذب کرنے کی تاثیر ہے۔ یہ پتھر اور مقام ابراہیم یہ دونوں قیامت کے دن اپنا اکرام اور تعظیم کرنے والوں کی شہادت دیں گے کیونکہ اللہ تعالی انہیں گویائی کی طاقت دے گا اس لئے بھی ان کی تعظیم و تکریم کا حکم ہے۔

حاجی پر صفا و مروہ کی سعی کرنا لازم ہے اور اس کے سات چکر لگانا ہے

ان الصفاوالمروۃ من شعائراللہ فمن حج البیت اواعتمر فلاجناح علیہ ان یطوف بھما (سورۃ البقرہ آیت ایک سو اٹھاون)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے پس اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے۔

واتموالحج والعمرۃ للہ (سورۃ البقرہ ایک سو چھیانویں)

حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔

تفسیر:

یہاں اس بحث میں پہلے سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو اٹھاون ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک تو یہ ہے کہ صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں صفا اور مروہ دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلند چٹان سی رہ گئی ہیں۔ صفا حرم شریف کی دائیں جانب اور مروہ بائیں جانب ہے۔ دونوں کے درمیان تقریباً سات فرلانگ فاصلہ ہے۔ صفا کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں اور مروہ کے لفظی معنی سفید نرم پتھر کے

ہیں۔(ماجدی)اور ان کو شعائر اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شعائر شعار کی جمع ہے اس کے معنی علامت کے ہیں اور صفا اور مروہ کو شعائر اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان دو پہاڑوں سے حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کا تعارف ہوا تھا۔اس کی تفصیل میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کو جہاں اب آب زمزم ہے وہاں چھوڑ کر شام چلے گئے تھے اور ان کے پاس تھوڑا سا پانی اور زادراہ جو چھوڑا تھا وہ ختم ہو گیا تو حضرت ہاجرہ پریشان ہوئیں اور پانی کی تلاش میں صفا پر گئیں اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر پانی کہیں نظر نہ آیا تو وہاں سے اتر کر مروہ پر گئیں اور جاتے وقت درمیان سے تیزی کے ساتھ گئیں وہاں بھی چاروں طرف دیکھا مگر کہیں بھی پانی نظر نہ آیا تو پھر صفا پر تشریف لائیں۔اس طرح سات چکر لگائے اور ان چکروں میں آپ نے بڑی گریہ وزاری کی تھی۔آخر میں غیبی طور پر آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے پانی تیرے بچے کے قدموں میں پیدا کر دیا ہے۔چنانچہ آکر دیکھا تو واقعی پانی کا چشمہ جاری تھا۔اس طرح حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کا پورا تعارف ہو گیا اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کو شعائر اللہ میں سے فرمایا ہے اور جو بھی ان پہاڑیوں کے مابین سعی کرے گا اور گریہ وزاری کرے گا تو اس کو بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو گا اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح انعام واکرام فرمائیں گے جس طرح حضرت ہاجرہ پر فرمائے تھے اور دوسری چیز یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ جو آدمی حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ صفا اور مروہ کا طواف (یعنی سعی) کرے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ صفا اور مروہ کی سعی کو حرج سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید بیان

فرمائی ہے کہ صفا ومروہ کی سعی کرنا حرج نہیں ہے اس کی تفصیل علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ دور جاہلیت میں دو بت تھے (اساف اور نائلہ) اور مشرک لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کا استلام کرتے تھے اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر اور جب لوگ مسلمان ہو گئے تو وہ اس سعی کو حرج سمجھتے تھے کہ کہیں یہ شرک نہ ہو تو اللہ تعالی نے اس کی تردید یہ فرمائی۔ یعنی جس طرح بیت اللہ شریف میں جب بت تھے اور مشرک لوگ جب بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے تو ساتھ ساتھ ان بتوں کا بھی طواف کرتے تھے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز ان بتوں کو توڑ کر باہر نکال دیا تو اب بیت اللہ کا طواف کرنے میں حرج نہیں۔ اسی طرح صفا اور مروہ پر جو دو بت تھے اساف اور نائلہ تو ان کو بھی توڑ کر آپؐ نے پھینک دیا تھا تو اب صفا ومروہ کی سعی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور نیز عبادات میں اصل دارومدار نیت پر ہے اور طواف اور سعی میں جب نیت رضاء الہی ہے تو بت ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پس حاصل یہ ہے کہ حاجی نے صفا اور مروہ کی سعی کرنا ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کا ایک جملہ ہے واتموا الحج والعمرة لله حج وعمرہ اللہ تعالی کے لئے پورا کرو۔ اب اس جملہ اور پہلی آیت کو تطبیق دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حج وعمرہ کے لئے سعی بین الصفا اور مروہ ضروری ہے اگر یہ سعی نہ کی جائے تو حج وعمرہ پورے نہیں ہو سکتے۔ باقی سعی کی حیثیت کیا ہے؟ کیسے شروع کرنا ہے؟ حج کی سعی کیسے کرنا ہے؟ عمرہ کی سعی کیسے کرنا ہے؟ اس کی تفصیل قرآن حکیم میں نہیں ہے۔ یہ تفصیل ان شاء اللہ العزیز عنقریب احادیث کی روشنی میں عرض کی جائے گی۔ (واللہ الموفق والمعین)

وعن صفيه بنت شيبة قالت اخبرتنى بنت ابى نجراة قالت دخلت مع نسوة من قريش دارال ابى حسين ننظرالى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يسعى بين الصفاوالمروة فرايته يسعى وان ميزره ليدور من شدة السعى وسمعته يقول اسعو فان الله كتب عليكم السعى روه فى شرح السنة وروى احمد مع اختلاف.

حضرت صفیہ بن شیبہؓ کہتی ہیں کہ نجراۃ کی بیٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں قریش کی چند عورتوں کے ساتھ ابو حسین کے گھر اس غرض سے گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاومروہ کے درمیان سعی کرتے دیکھیں۔ پس میں نے آپ کو سعی کرتے دیکھا۔ آپ کا تہبند دوڑنے میں تیزی سے گھوم رہا تھا پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا سعی کرو اس لئے کہ خداوند تعالے نے تم پر سعی کو واجب کیا ہے۔ (شرح السنۃ)

تشریح:

یہ حدیث سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو اٹھاون اور آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموالحج والعمرة لله کی تفسیر ہے کیونکہ پہلی آیت میں تو فرمایا ہے کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سعی کی اجازت ہے لیکن اس سے اس کی حیثیت معلوم نہیں ہوئی اور بعد والے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حج وعمرہ ضروری ہے اور حج وعمرہ حرمات اللہ اور شعار اللہ کی تعظیم کا نام ہے اور پہلی آیت میں آچکا ہے کہ صفا اور مروہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اس سے

معلوم ہوا کہ صفا اور مروہ کی سعی حج و عمرہ میں شامل ہے لیکن اس کی حیثیت واضح نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اور قول سے واضح فرمادیا کہ سعی کیسے کرنا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ایک تو واضح فرمادیا کہ سعی میں دوڑنا ہے اور دوسرا فرمایا کتب۔ اس جملہ کو امام شافعی فرض کے معنی میں لیتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ واجب کے معنی میں لیتے ہیں۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ سعی کرنا حاجی پر لازم ہے۔

صاحب عذر صفا و مروہ کی سعی سوار ہو کر کر سکتا ہے

وعن قدامة بن عبدالله ابن عمار قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسعى بين الصفا والمروة على بعير لاضرب ولاطردولا اليك اليك رواه فى شرح السنة.

حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا و مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا نہ تو آپ نے اونٹ کو مارا نہ ہانکا اور نہ بچو بچو کہا۔ (شرح السنۃ)

تشریح:

یہ حدیث بھی سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو اٹھاون اور آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموا الحج والعمرة لله اور سورۃ حج کی آیت تیس کے جملہ ومن يعظم حرمات الله کی تفسیر ہے کیونکہ ان میں حج و عمرہ کا اتمام اور تعظیم کا تو حکم ہے مگر تفصیل نہیں بتائی کہ اتمام کیسے کرنا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بتائی ہے۔ کچھ تفصیل تو پہلے بیان ہو چکی ہے اور کچھ اس حدیث میں بیان فرمائی ہے کہ

انسان صفاومروہ کی سعی سوار ہو کر بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۔نے خود سوار ہو کر سعی کی تھی۔ مگر اس حدیث کا پہلی حدیث سے تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل سعی کی تھی تو محدثین نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ بیان فرمائی ہے کہ شاید کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عذر لاحق ہو گیا ہو گا اس لئے آپؑ نے سوار ہو کر بھی سعی کی ہو گی اور آخری جملہ **ولاضرب ولاطرد** کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کو مارا تھا نہ ہانکا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری خود ہی آپ کے **منشا** کے مطابق چلتی ہو گی بگڑی نہیں ہو گی اور دوسرے جملہ **الیہ ك الیك** کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو آپ کے سامنے سے ہٹایا نہیں جاتا تھا جیسا عام حکا کے سامنے سے ہٹایا جاتا ہے بلکہ آپؑ نے لوگوں کے ساتھ مل کر اور خلط ملط ہوکر سعی کی تھی۔ بقول شاعر ۔

درویش و غنی بندہ ایں خاک درند
آناں کہ غنی ترند محتاج ترند

سعدی

سعی صفا سے شروع کرنا ہے اور مروہ پر ختم کرنا ہے

عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم حین قدم مکه فطاف بالبیت سبعا واتی المقام فقرأ واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی فصلی خلف المقام ثم اتی الحجر فاستلمه ثم قال نبدا بمابدأ الله به فبدا بالصفا وقرأ ان الصفاوالمروة من شعائرالله (ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ

میں تشریف لائے تو سات دفعہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے پھر یہ آیت پڑھی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ تو مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا فرمائی تو پھر حجر اسود کے پاس آکر اسے بوسہ دیا پھر فرمایا کہ اس طرح شروع کریں گے جس طرح اللہ نے شروع کیا ہے تو آپؐ نے صفا سے سعی شروع کی اور آیت پڑھی کہ بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں۔

تشریح:

اس حدیث کے باقی حصہ کی تشریح پہلے بیان ہو چکی ہے یہاں صرف آخری حصہ کی تشریح کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کے طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم سعی اس طرح شروع کریں گے جس طرح اللہ تعالی نے شروع کی ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی **ان الصفا والمروة من شعائر الله** یعنی اللہ تعالی نے اس آیت میں جس طرح پہلے صفا کا ذکر فرمایا ہے اور بعد میں مروہ کا اسی طرح ہم بھی پہلے صفا سے سعی کی ابتدا کریں گے اور مروہ پر ختم کریں گے اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ سعی کی ابتدا صفا سے ہی کرنا ہے اور اگر کسی نے مروہ سعی کی ابتدا کی تو ناجائز ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ سعی ضروری ہے اگر کوئی سعی نہ کرے تو اس کا حج نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حاجی یہ سعی بھول جائے اگر قریب ہو تو واپس آکر سعی کرے اور واپس وطن چلا جائے تو دم ادا کرے یعنی کوئی جانور ذبح کرے تو اس کا حج ہو جائے گا۔ پس یہ حدیث بھی سورہ بقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ **واتموا الحج والعمرة لله** اور سورہ حج کی آیت تیس کے جملہ **ومن یعظم حرمات الله** کی تفسیر ہے کیونکہ ان میں اتمام حج وعمرہ اور تعظیم شعائر اللہ کا حکم ہے مگر تفصیل نہیں بتائی کہ اتمام حج وعمرہ

کیسے ہوتا ہے اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کون کونسی چیزیں آتی ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیل بتائی ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی سے اتمام حج وعمرہ ہوگا اور یہ اس کی تعظیم کا طریقہ ہے۔

بوڑھے اور معذور کے لئے سعی ضروری نہیں ہے ان کی معمول کی چال جائز ہے

عن کثیر بن جمهان قال رئیت ابن عمر یمشی فی السعی فقلت له اتمشی فی السعی بین الصفاوالمروة فقال لئن سعیت فقد رئیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یسعی ولئن مشیت فقد رئیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یمشی وانا شیخ بیکر (رواه الترمذی)

حضرت بن جمہان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سعی کی جگہ میں چل رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جگہ میں چلتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اگر سعی کرتا ہوں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تھا اگر میں چلتا ہوں تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں بہت بوڑھا ہوں۔ یہ حدیث امام ترمذی نے نقل کی ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوڑھا یا معذور آدمی صفا اور مروہ کے درمیان معمول کے مطابق چل کر طواف کرلیں تو کافی ہے ان پر دوڑ ضروری نہیں ہے۔

صفا ومروہ کی سعی کا مقصد اسلامی شوکت کا مظاہرہ کرنا ہے

عن ابن عباس قال انما سعی رسول الله صلی الله علیه وسلم

بالبیت وبین الصفا والمروۃ لیری المشرکین قوتا (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اس لئے کی تھی تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے طواف اور صفاو مروہ کی سعی کا مقصد اسلامی قوت اور شوکت کا مظاہرہ کرنا بھی ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو اس مظاہرہ کی ضرورت تھی اب کیا ضرورت ہے؟ پس اس کا جواب یہ ہے کہ آج بھی دنیائے کفر کے سامنے اس مظاہرہ کی اشد ضرورت ہے تاکہ ان کے دلوں پر اسلام کی عظمت چھاجائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ٹیلی ویژن پر حج کا جو منظر پیش کیا جاتا ہے یہ ٹھیک ہے کیونکہ یہ بھی اسلامی شوکت کا بہت بڑا مظاہرہ ہے۔

آٹھویں ذی الحجہ کو منی میں جا کر قیام کرنا ہے۔اور ظہر عصر' مغرب اور عشا کی نمازیں وہاں پڑھنا ہے اور نویں کی نماز فجر پڑھ کر عرفات کو جانا ہے

عن ابن عباس قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بمنی الظهر والعصر والمغرب والعشا والفجر ثم غدا الی عرفات (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منی میں ظہر' عصر' مغرب' عشا اور فجر کی نمازیں پڑھائی تھیں پھر عرفات تشریف لے گئے تھے۔

عن عائشة قالت فقلنا یا رسول الله الا نبنی لك بناء یظللك بمنی قال لا۔ منی مناخ من سبق ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے لئے منی میں کوئی عمارت نہ بنالیں جو آپ پہ سایہ کرے تو آپ نے فرمایا کہ نہ۔ منی ہر اس شخص کی جگہ ہے جو وہاں پہلے پہنچ جائے۔

عن حارثة بن وهب قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم بمنی آمن ما کان الناس واکثره رکعتین ترمذی

حضرت حارثہ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منی میں نماز پڑھی دو رکعت نہیں تھے اتنے امن والے اور زیادہ لوگ اس سے پہلے۔

تشریح :

یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں احادیث سورۃ بقرہ کی آیت ایک سو اٹھاون کے جملہ **واتموا الحج والعمرة لله** اور سورۃ حج کی آیت تیس کے جملہ **ومن یعظم حرمات الله ومن یعظم شعائر الله** کی تفسیر ہے کہ ان جملوں میں حج وعمرہ کے اتمام اور حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے مگر تفصیل نہیں ہے کہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کون سی چیزیں داخل ہیں۔

اس بحث میں مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ بھی حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں شامل ہے۔ منیٰ ایک میدان ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے چار کلو میٹر مشرق کی طرف دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ منیٰ کی وجہ تسمیہ محدثین نے یہ لکھی ہے کہ منیٰ منیہ سے ہے اور منیہ موت کو کہتے ہیں۔ اور اس جگہ کو منیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں قربانی کے جانوروں کو قربان کیا جاتا ہے۔ اور یا اس کو منیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ منیٰ تمنی سے ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام جب حضرت آدم علیہ السلام سے یہاں سے جدا ہوئے تھے تو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ کوئی تمنی ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کی تمنی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے بنی نوع انسان کو منٰی کے وہ کام بتائے ہیں کہ جن کے کرنے سے انسان کو جنت نصیب ہوتی ہے۔ ان کاموں میں سے بعض تو آٹھ ذی الحجہ کو کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پہلی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ذوالحج کو پانچ نمازیں ظہر' عصر' مغرب' اور عشاء منیٰ میں ادا فرمائی تھیں اور نویں ذی الحجہ کی صبح کی نماز بھی وہیں ادا فرمائی تھی اور پھر عرفات روانہ ہوئے تھے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ میں کوئی شخص اپنے لئے جگہ مخصوص نہیں کر سکتا بلکہ پہلے جو پہنچ جائے وہ جہاں

جگہ مل جائے وہ اس کا حق ہے جیسا کہ مسجد میں یہی اصول ہے۔ کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ کے لئے یہاں کوئی سایہ دار جگہ بنادی جائے تو آپ نے فرمایا تھا کہ نہ۔ بلکہ یہاں جو پہلے پہنچ جائے وہ جگہ اسی کا حق ہے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منی میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں تھا تو ظاہر بات ہے کہ پھر کسی بڑے سے بڑے حاکم کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پہلے سے اپنے لئے منی میں جگہ مخصوص کر لے۔ لہٰذا آج کل منی میں لوگوں نے جو عمارتیں بنارکھی ہیں اور وہ ان کا کرایہ وصول کرتے ہیں وہ ناجائز ہے۔ اور تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ منی میں نماز قصر پڑھنا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز قصر پڑھائی تھی اور منی کی بقیہ تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں بیان ہو گی۔ یہاں اتنا ہی بتلانا مقصود ہے کہ آٹھویں ذی الحج کو منی میں قیام کرنا ہے اور پانچ نمازیں پڑھنا ہے ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء اور نویں ذی الحج کو صبح کی نماز پڑھ کر عرفات روانہ ہونا ہے اور یہ قیام منی سنت ہے۔ اگر کوئی یہ قیام نہ کرے اور آٹھویں ذی الحج سے پہلے عرفات چلا جائے یا تاخیر کر کے نویں تاریخ کو عرفات پہنچ جائے تو یہ جائز ہے اس کا حج ہو جائے گا لیکن ترک سنت کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے ساتویں ذی الحج کو ظہر کے بعد امام الحج کو چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ میں خطبہ دے اور اس میں قیام منی کی اہمیت پانچ نمازیں پڑھنا اور عرفات جانے کا طریقہ اور اس میں وقوف کا طریقہ بتائے اور اس میں پڑھنے کی دعائیں بتلائے۔

حجاج منی سے عرفات جاتے وقت تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے جائیں۔

عن محمد بن ابی بکر الثقفی انه سال انس ابن مالك وهما عاذیان من منی الی عرفه کیف کنتم تصنعون فی هذالیوم مع رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان یھل منا المھل فلاینکر علیہ
ویکبر المکبر منا فلاینکر علیہ (متفق علیہ. مشکوۃ)

حضرت محمد بن ابی بکر ثقفی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس وقت یہ سوال کیا جب وہ منیٰ سے عرفات جا رہے تھے کہ آپ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا کام کیا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ بعض ہم میں سے تلبیہ پڑھتے تھے تو انہیں کوئی روکتا نہیں تھا اور بعض تکبیر پڑھتے تھے تو انہیں بھی کوئی روکتا نہیں تھا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی اتفاقی ہے اور مشکوۃ میں بھی موجود ہے۔

تشریح: یہ حدیث بھی قرآن مجید کی سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ان جملوں میں اللہ تعالیٰ نے حرمات اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کی تعلیم دی ہے اور فضیلت بیان فرمائی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں کونسی کونسی چیزیں شامل ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کا کیا طریقہ ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مقامات بتائے ہیں اور ان کی تعظیم کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ ان مقامات محترمہ میں سے ایک مقام عرفات ہے۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس کو عرفات اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا آپس میں تعارف ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت سے نکالا تھا تو ایک جگہ نہیں رکھا تھا بلکہ زمین کے مختلف حصوں میں رکھا گیا تھا تو یہ پھر زمین میں بھٹکتے رہے تھے یہاں تک کہ عرفات پہنچے اور ایک دوسرے کو پہچان لیا تو پھر یہ خوب روئے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور معافی کی درخواست کی جس کے الفاظ یہ ہیں

ربناظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین اے ہمارے رب ہم
سے اپنی جانوں پر زیادتی ہو گئی ہے آپ اگر ہمیں معاف نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم
نہیں کریں گے تو ہم ضرور نقصان اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تھا
جیساکہ سورۃ البقرہ کی اس آیت میں ہے کہ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو
التواب الرحیم حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور
میں وہ معافی نامہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا بے شک وہ بے حد توبہ قبول
کرنے والا مہربان ہے اور بنی آدم کو بھی یہ تعلیم دی ہے کہ تم بھی اپنے اپنے گناہ معاف
کرانے کے لئے عرفات جاؤ وہاں جاکر حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی طرح
گریہ وزاری کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی معاف فرمادے گا۔

ہدایہ کے حاشیہ پر انبارِسی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی میدان
میں جبریل امین کے ذریعہ ابراہیم السلام کو حج کے تمام احکام سکھائے تھے اور اسی دن
میں سکھائے تھے کہ فلاں جگہ طواف کرنا ہے فلاں جگہ سعی کرنا ہے اور فلاں فلاں جگہ
وقوف کرنا ہے اور فلاں فلاں وقت میں کرنا ہے پھر جبریل نے پوچھا تھا کہ سب چیزیں
سمجھ گئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ہاں سمجھ گیا ہوں۔ اس لئے
اس کو عرفات کہتے ہیں اور یہ بھی اس کی وجہ تسمیہ لکھی ہے کہ اس میدان میں حاجی کو
اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو جاتا ہے اور اس لفظ کو جمع لانے کیوجہ یہ لکھی ہے کہ اس کے
جوانب اور اطراف بہت ہیں اور یہ لفظ جب جمع لایا جائے تو اس سے مراد میدان
عرفات ہی ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ واحد یعنی عرفہ بولا جاتا ہے تو اس وقت اس سے مراد
نویں ذی الحج بھی لے لیتے ہیں اور میدان عرفات بھی لے لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو حج کے جو احکام و

آداب بتائے گئے تھے وہی طریقے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اس حث میں مذکور حدیث میں آپ نے بتائے ہیں کہ عرفات مقدس۔ محترم اور معظم مقام ہے کیونکہ یہاں حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو وہ مقدس تعلیم دی گئی تھی اس لئے حرمات اللہ اور شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کا ادب یہ بھی ہے کہ اس میدان میں میں جاتے وقت تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے جاؤ۔ البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حجاج کے لئے تلبیہ پڑھنا جمرہ عقبہ کی رمی تک سنت ہے اور تکبیر پڑھنے کی اجازت ہے جس طرح کہ اور ذکر اذکار کی اجازت ہے۔ نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے جانے کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ حجاج اللہ تعالیٰ کی بندگی اور پرستش کے لئے جارہے ہیں نہ کہ کسی غیر کی پرستش کے لئے ورنہ شبہ پڑے گا کہ شاید حجاج میدان عرفات کی پوجا کے لئے جارہے ہیں اور ان میدانوں اور وادیوں میں انسانوں کو پھیرنے اور پھرانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کا تعارف ہو اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یقین کامل پیدا ہو جائے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو صحرا سنائی اور میدان تیہ میں چالیس سال تک پھراتے رہے تھے کچھ عرصہ ایک جگہ ٹھہراتے اور کچھ عرصہ دوسری جگہ اور کچھ عرصہ تیسری جگہ اور کبھی ان سے جہاد کراتے تھے اور اس چٹیل میدان میں جہاں کھانے پینے کے اسباب نہیں تھے تو خود بھی ان کے لئے دعائیں کرتے اور ان سے بھی دعائیں کراتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے روزی پیدا فرما دیتے تھے مقصد اس کا صرف اتنا ہی تھا کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان پیدا ہو جائے اور اگر مصر میں ہی وہ رہتے تو ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان پیدا نہ ہوتا۔ کیونکہ مصر بڑا زرخیز علاقہ ہے تو ان کا زمین پر ایمان ہوتا کہ زمین روزی دیتی ہے وہ پانی دیتی ہے اسی طرح نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی حج فرض کیا ہے تاکہ یہ گھربار کاروبار اور خویش واقارب کو چھوڑ کر وادی خلیل میں جائیں دعائیں کریں عرفات مزدلفہ اور منی وغیرہ میں قیام کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو وہاں بھی روزی پہنچائے گا توان کا اس پر ایمان مضبوط ہوگا۔

وقوف عرفات فرض ہے:

ثم افیضوا من حیث افاض الناس (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۹)
پھر لوٹ کر آؤ جہاں سے لوٹ کر آتے ہیں لوگ۔

شان نزول: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دور جاہلیت میں قریش مکہ جب حج کرتے تھے تو صرف وہ مزدلفہ تک جاتے تھے۔ عرفات میں وہ نہیں جاتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ عرفات میں بیرونی لوگوں کے لئے جانا ضروری ہے۔ قریش مکہ چونکہ مجاورین کعبہ ہیں ان کے لئے حدود حرم سے ایام حج میں نکلنا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں ان کے اس خیال باطل کی تردید بیان فرمائی کہ تمہارے لئے بھی میدان عرفات جانا ضروری ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ وقوف عرفات تمام حجاج کے لئے ضروری اور فرض ہے اور یہ حج کا دوسرا رکن ہے اور یہ رکن اعظم ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے الحج عرفہ حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔ اگر یہ فوت ہو جائے تو سارے حج کو فوت سمجھا جاتا ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہے یہ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی میسر آجائے تو حج ادا ہو جاتا ہے۔ سارے دن وہاں قیام فرض نہیں ہے۔ اگرچہ غروب کے بعد قیام کرے یا سوتے میں عرفات سے گزر جائے۔ یہاں تک اگر زوال سے لے کر یوم النحر کی صبح تک اگر اس کو وقوف میسر آگیا تو یہ فریضہ اسکا ادا ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے ثم افیضوا من حیث افاضل الناس پھر لوٹ کر آؤ جہاں سے لوٹ کر آتے ہیں لوگ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کا میدان

عرفات میں قدم لگانا ضروری ہے اور اس آیت میں اجمال ہے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ عرفات کے کس ایریا میں وقوف کرنا ہے یہ تفصیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ عرفات :

عن خالد بن هوزة قال رئيت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب الناس يوم عرفه على بعير قائما في الركابين (رواه ابو دائود مشكوة)

حضرت خالد بن ھوزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے عرفات کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ لوگوں میں خطبہ دے رہے تھے اس حال میں آپ دو رکابوں میں کھڑے تھے۔

(صاحب مشکوۃ نے ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے)

تشریح :اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک ہی خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔درمیان میں بیٹھے نہیں تھے اور اس کے علاوہ آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے تھے وہ دو خطبے ہوتے تھے اور درمیان میں بیٹھتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے اس موقع پر امام کو عرفات میں کسی بلند مقام پر خطبہ دینا چاہئے خواہ وہ ممبر ہو یا کوئی اور چیز ہو تاکہ لوگ امام کو دیکھ سکیں اور امام کی بات کو سن سکیں اور سمجھ سکیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے باقی اس خطبہ میں جو ارشادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے وہ مندرجہ احاث میں تفصیل وار آرہے ہیں۔

حجاج عرفات میں جہاں چاہیں وقوف کر سکتے ہیں :

وعن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحرت ھھنا ومنی کلھا منحر فانحروافی رحالکم ووقفت ھھنا وعرفۃ کلھا موقف ووقفت ھھنا وجمع کلھا موقف .رواہ مسلم

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کی ہے میں نے اس جگہ اور سارا منی قربانی کی جگہ ہے پس قربانی کرو تم اپنے خیموں میں اور کھڑا ہوا میں اس جگہ اور عرفات کا سارا میدان کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور قیام کیا میں نے (مزدلفہ میں) اس جگہ اور مزدلفہ کی تمام جگہ قیام کرنے کی ہے۔ (مسلم)

عن عمرو بن عبداللہ بن صفوان عن خال لہ یقال لہ یزید ابن شیبان قال کنا فی موقف لنا بعرفۃ یباعدہ عمرو من موقف الامام جدا فاتانا ابن مربع الانصاری فقال انی رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیکم یقول لکم قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم علیہ السلام .

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حضرت عمرو بن عبداللہ بن صفوانؓ اپنے ماموں یزید بن شیبان سے روایت کرتے ہیں کہ عرفات میں اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جو امام کے ٹھہرنے کی جگہ سے بہت دور تھی کہ مربع انصاری کا بیٹا ہمارے پاس آیا اور کہا کہ میں رسول اللہ کا پیامبر ہوں اور تمہارے پاس یہ پیام پہنچانے آیا ہوں کہ تم عرفات میں جہاں ٹھہرے ہو وہیں ٹھہرو تم اپنے باپ ابراہیم علیہ

السلام کی میراث پر ہو عرب میں دستور تھا کہ ہر قبیلہ کی ایک جگہ عرفات میں مقرر تھی۔ یزید بن شیبان کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھہرنے کی جگہ سے اس دستور کے موافق بہت دور تھی۔ اس نے خواہش کی کہ رسول اللہ کے قریب جگہ مل جائے آپؐ نے نزاع پیدا ہو جانے کے خیال سے ان کی خواہش کو قبول نہیں کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہرو امام سے قربت تفوق کا موجب نہیں پھر ان کی تسکین کے لئے یہ بھی کہلا بھیجا کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی جگہ کے وارث ہو اپنے باپ کی اطاعت کرو۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

وعن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كل عرفة موقف وكل منى منحر وكل المزدلفة موقف وكل فجاج مكة طريق ومنحر. (رواه ابو دائو والدارمی)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ قربانی کی جگہ ہے اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ اور مکہ کا ہر راستہ اور ہر گلی راستہ اور قربانی کی جگہ ہے۔ (ابوداؤد۔ دارمی)

تشریح: اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں احادیث قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو چھیانویں کے جملہ واتموا الحج والعمرة للہ اور آیت ۹۹ ثم افیضوا من حیث افاض الناس الخ اور سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیرلہ اور آیت بتیس کے جملہ ومن یعظم شعائراللہ فانھا من تقوی القلوب کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں سے پہلے جملہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو مگر یہ نہیں بتایا کہ حج و عمرہ کہاں کرنا ہے اور دوسرے جملہ میں فرمایا ہے کہ پھر لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں اس میں پہلے جملہ کی تفسیر آگئی ہے کہ ارکان حج میں سے عرفات میں جانا بھی ہے اور یہ بات اس لئے فرمائی کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قریش قوم کے لوگ عرفات میں نہیں جاتے تھے وہ مزدلفہ تک ہی جاتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ عرفات میں جانا بیرونی لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ قریش کے لئے ضروری نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں ان کے اس خیال باطل کی کی تردید بیان فرمادی پس اس سے معلوم ہوا کہ عرفات کا وقوف ارکان حج میں سے ہے اگر کوئی آدمی اس میدان کا وقوف نہیں کرے گا تو اس کا حج نہیں ہوگا۔ اگر وقوف عرفات کے سوا حج ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ قریش کے خیال کی تردید نہ فرماتے۔ لیکن اس میں اشتباہ باقی ہے کہ آیا سارے میدان عرفات کا وقوف کرنا ہے یا کہ اس کے کسی ایک حصہ میں وقوف کرنا کافی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں بتادیا کہ حاجی کے لئے سارے میدان میں وقوف ضروری نہیں ہے کسی ایک جگہ وقوف کرلے تو کافی ہے اسی طرح فرمایا کہ مزدلفہ اور منی میں کسی ایک جگہ قیام کافی ہے اور اسی طرح سارا منی قربانی کی جگہ ہے اور مکہ کے راستے گلیاں بھی سب قربانی کی جگہ ہے۔

کسی ایک جگہ کو دوسری جگہ پر فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے جہاں چاہے انسان قربانی کرسکتا ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان تین میدانوں میں جہاں انسان چاہے وقوف وغیرہ کرسکتا ہے یہ کہاں سے معلوم کیا تھا؟

کیا اپنی رائے گرامی سے یہ تفصیل بیان فرمائی تھی یا کہ کسی آیت سے اس کا

اشارہ ملتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرہ کی آیت کے اس جملہ ثم افیضوا من حیث افاض الناس سے ہی استنباط فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں میدان عرفات کی کسی خاص جگہ کو مخصوص نہیں فرمایابلکہ عام رکھا ہے اور اسی طرح مزدلفہ اور منی کے میدانوں کو بھی عام رکھا ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عموم کی تفصیل بیان فرمادی ہے اور نیز سورۃ البقرہ کی اس آخری آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کہ اللہ تعالیٰ نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق اور ان میدانوں میں ایک ایک چپہ زمین پر قیام ایام حج میں ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے اور ایسی بصیرت آپؐ ہی کا طرہ امتیاز تھا اسی لئے ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ فہم قرآن مجید کے لئے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا ضروری ہے آپ کی احادیث کے سوا قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا اور جو لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں در حقیقت وہ قرآن ہی کے منکر ہیں اور انہوں نے بظاہر انکار حدیث کی جو راہ اختیار کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انکار حدیث سے قرآن کا خود بخود انکار ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن میں اجمال ہے اگر اس کی تفصیل نہیں ہوگی تو وہ مہمل اور بے کار ہو کر خود ناقابل عمل ہو جائے گا۔

عرفات میں حکم استغفار اور دعاؤں کا بیان:

واستغفروا اللہ ان اللہ غفور الرحیم

اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

تفسیر: اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے ایک حکم استغفار اور دوسرا وعدہ بخشش اور تیسرا وعدہ رحم باقی اس آیت میں اجمال ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل احادیث

میں آرہی ہے۔

وعن عائشة قالت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال مامن یوم اکثر من ان یعتق الله فیه عبداً من النار من یوم عرفة وانه لیدنو ثم یباهی بهم الملئکة فیقول ماارادهولآء راه مسلم

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عرفہ کے دن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی دن میں اپنے بندوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد نہیں کرتا اور اس روز اللہ قریب ہوتا ہے اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ (بندوں سے) اور فخر کرتا ہے حج کرنے والوں کے ساتھ ملائکہ کے سامنے اور فرماتا ہے کیا چاہتے ہیں یہ لوگ (یعنی جو کچھ یہ چاہتے ہیں۔ میں ان کو وہی دوں گا)۔ (مسلم)

وعن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم قال خیرالدعآء دعاء یوم عرفة وخیرماقلت انا والنبیون من قبلی لااله الا الله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر رواه الترمذی وروی مالك عن طلحه ابن عبیدالله الی قوله لاشریك له۔

حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عرفہ کے دن کی دعا بہترین دعاؤں میں سے ہے اور بہترین ان چیزوں کی جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے (یہاں) کی ہے لااله الا الله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر ہے۔ (ترمذی)

وعن طلحة بن عبیدالله بن کریز ان رسول الله صلی الله علیه

وسلم قال ماراى الشیطن یوما ھو فیه اصغر ولاادحر ولااحقر ولااغیظ منه فی یوم عرفة وماذلك الا لمایری من تنزل الرحمة وتجاوز الله عن الذنوب العظام الا ماراى یوم بدر فانه قدرای جبرئیل یزع الملئکة رواہ مالك مرسلا وفی شرح لسنة بلفظ المصابیح

حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کہتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل بہت راندہ (پھٹکارا) ہوابہت حقیر اور نہایت غضبناک شیطان کو کسی دن نہیں دیکھا گیااور یہ اس واسطے کہ اس دن میں شیطان خدا تعالیٰ کی رحمتوں کو اترتے دیکھتا ہے اور دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اس روز بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرتا ہے مگر ہاں بدر کے روز (کہ اس روز بھی شیطان، عرفہ کے دن کی طرح ہی اسلام کی شوکت کو دیکھ کر ذلیل ہوا ہے) بدر کے دن شیطان نے دیکھا کہ جبرئیل (کافروں سے لڑنے کے لئے) فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔ (مالک شرح السنۃ)

وعن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یوم عرفة ان الله ینزل الی السمآ ء الدنیا فیباھی بھم الملئکة فیقول انظروا الی عبادی ایتونی شعثا غبراً ضاجین من کل فج عمیق اشھدکم انی قد غفرت لھم فیقول الملئکة یا رب فلان کان یزھق وفلان وفلانة قال یقول الله عزوجل قد غفرت لھم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فمامن یوم اکثر عتیقا من النار من یوم عرفة رواہ فی شرح السنة۔

حضرت جابرؓ نے کہافرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور فرشتوں کے درمیان حج

کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے میرے بندوں کو دیکھو جو پریشان بال۔ گرد آلود اور راستوں میں چلاتے اور مجھ کو پکارتے میرے پاس آئے ہیں۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا فرشتے یہ سن کر کہتے ہیں اے پروردگار ان میں تو فلاں شخص بھی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ گنہگار رہے اور فلاں شخص اور فلاں شخص اور فلاں عورت بھی ہے جو گنہگار ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ان کو بھی میں نے بخش دیا رسول اللہ نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ خداتعالیٰ اپنے بندوں کو کسی دن آگ سے نجات نہیں دیتا۔ (شرح السنۃ)

وعن عائشة قالت كان قريش ومن دان دينها يقفون بالمزدلفة وكانوا يسمون الحمس فكان سائرالعرب يقفون بعرفة فلما جآء الاسلام امر الله نبيه ان ياتى عرفات فيقف بهاثم يفيض منها فذالك قوله عزوجل ثم افيضوا من حيث افاض الناس متفق عليه۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ قریش اور انکے ہم مذہب لوگ (ایام جاہلیت میں حج کے دنوں میں) مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور ان کو شجاع و بہادر کہا جاتا تھا اور عرب کے باقی قبائل عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر اسلام آنے کے بعد خداوند تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ (سب لوگ) عرفات میں آئیں اور قیام کریں اور پھر وہاں سے لوٹیں اور یہی مطلب ہے خداوند تعالیٰ کے اس ارشاد کا ثم افيضوا من حيث افاض الناس۔ (بخاری و مسلم)

وعن عباس ابن مرداس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دعا لامته عشية عرفة بالمغفرة فاجيب انى قد غفرت لهم ماخلاالظالم فانى آخذ للمظلوم منه قال اى رب ان شئت اعطيت المظلوم من

الجنة وغفرت للظالم فلم يجب عشيته فلمااصبح بالمزدلفة اعادالدعآء فاجيب الی ما سال قال فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم او قال تبسم فقال له ابوبکرؓ وعمرؓ بابی انت وامی ان هذه لساعة ماکنت تضحك فیها فماالذی اضحك اضحك اللہ سنك قال ان عدواللہ ابلیس لماعلم ان اللہ عزوجل قداستجاب دعائی وغفرلامتی اخذالتراب فجعل یحثوه علی راسه ویدعوه بالویل والثبور فاضحکنی مارایت من جزعه رواه ابن ماجة وروی البیهقی فی کتاب البعث والنشور۔

حضرت عباس بن مرداسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی خداوند تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے کہا میں نے سب کو بخش دیا لیکن ظالم کو نہیں بخشوں گا اور مظلوم کا حق اس سے ضرور لوں گا رسول اللہ نے دربار رب العزت میں عرض کیا۔ اے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا فرمادے اور ظالم کو بخش دے۔ لیکن یہ درخواست عرفہ کی شام کو قبول نہیں کی گئی۔ پھر جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی دعا مانگی اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی دعا قبول کرلی گئی (یعنی خداوند تعالیٰ نے ظالم کو بھی بخشدیا) راوی کا بیان ہے (کہ قبولیت دعا کے بعد) رسول اللہ ہنسے یا مسکرائے) حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ وقت ہنسنے کا نہیں ہے کس چیز نے آپکو ہنسایا خداوند تعالیٰ ہمیشہ آپ کو ہنساتا رہے۔ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ خداوند بزرگ وبرتر نے میری دعا کو قبول فرمالیا ہے اور میری امت

کو بخش دیا ہے تو وہ سر پر خاک ڈالتا اور افسوس وواویلا کہتا ہو بھاگ نکلا اس کو پریشان وبد حواس دیکھ کر مجھ کو ہنسی آگئی۔ (بیہقی۔ابن ماجہ) یہ احادیث مشکوۃ سے منقول ہیں۔

تشریح: اس بحث میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں اور یہ احادیث قرآن مجید کی سورۃ الحج کی آیت تیس کے جملہ ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیرلہ عند ربہ اور استغفروا اللہ ان اللہ غفور الرحیم کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں فرمایا ہے جو اللہ کی معزز چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بہتری ہے مگر اس میں بہتری کی تفصیل نہیں ہے کہ وہ کونسی بہتری ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں وہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بندوں کو آگ سے آزاد کرتے ہیں سب سے زیادہ دعا قبول ہوتی ہے اس کے گناہ معاف کرتے ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن اپنی ساری امت کے لئے بخشش کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر ظالم کے حق میں قبول نہ ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں آکر پھر وہی دعا مانگی تو پھر ظالم کی بخشش کا بھی وعدہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ قبولیت کا مقام ہے مزدلفہ کا لفظ زلف سے بنا ہے اس کا معنی قرب ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوا انسان مزدلفہ میں عبادت اور ذکر واذکار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب ہو جاتا ہے تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا جو ظالم کی بخشش کے لئے آپ نے عرفات میں مانگی تھی وہ قبول نہیں ہوئی تھی مگر مزدفہ میں قبول ہو گئی تھی اور اس دن اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور حجاج پر خصوصی رحمت نازل فرماتے ہیں جسے حجاج قلبی اور وجدانی طور

پر خود بخود محسوس کرتے ہیں اور شیطان اس دن جزع فزع اور واویلا کرتا ہے اور اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے کیونکہ وہ بنی آدم کا ازلی ابدی دشمن ہے وہ اس کی بخشش اور ان پر نزول رحمت برداشت نہیں کر سکتا بہر حال ان احادیث میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمات اللہ کی تعظیم کا طریقہ بتایا ہے اور اس کے فوائد فضائل اور برکات بیان فرمائے ہیں اس کے بعد آنے والی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے میدان عرفات میں جو دعائیں مانگی ہیں ان کا بیان ہے اور آپ نے امت کو جس طرح دعائیں مانگنے کا طریقہ بتایا ہے اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فلما فرغ صلی اللہ علیه وسلم من صلوة رکب حتی اتی الموقف فوقف فی ذیل الجبل عندالصخرات واستقبل القبلة وجعل جبل المشاة بین یدیه وکان علی بعیره فاخذ فی الدعاء والتضرع والا بتهال الی غروب الشمس وکان فی دعائه رافعا یدیه الی صدره کاستطعام المسکین. واخبرهم ان خیرالدعاء دعاء یو م عرفه زادالمعارف فی هدی خیرالعباد—

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف میں آئے اور صخرات کے پاس پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے رخ قبلہ کی طرف کیا اور مشاۃ ٹیلے کو اپنے سامنے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے پھر غروب آفتاب تک دعا گریہ وزاری میں مشغول رہے اور کھانا مانگنے والے کی طرح اپنے ہاتھوں کو سینے تک اٹھایا ہوا تھا اور ان صحابہ کو بتایا کہ بہترین دعا یوم عرفہ کی ہے۔

وذکر البیهقی من حدیث علی رضی اللہ عنه انه صلی اللہ علیه وسلم قال اکثر دعائی ودعاء الانبیاء من قبلی بعرفة لااله الا اللہ وحده

لاشريك له . له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير اللهم اجعل فى قلبى نورا فى صدرى نورا وفى سمعى نورا وفى بصرى نورا اللهم اشرح لى صدرى ويسرلى امرى واعوذبك من وسواس الصدر وشتات الامر وفتنة القبر اللهم انى اعوذبك من شرما يلج فى الليل وشرما يلج فى النهار وشرما تهب به الرياح وشر بوايق الرعد۔

بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ میں اکثر یہ دعا اور مجھ سے پہلے انبیا علیہم السلام کی دعائیں یہ تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اسی کے لئے تعریفیں ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ میرے دل میں نور ڈالدے میرے سینہ میں نور ڈالدے میرے کانوں میں نور ڈالدے میری آنکھوں میں نور ڈالدے اے اللہ میرے سینہ کھولدے میرے کام کو آسان بنادے میں اپنے آپ کو سینے کے وساوس سے پریشان کاموں سے اور قبر کے فتنے سے بچنے کے لئے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں اے اللہ میں رات میں داخل ہونے والی چیزوں کی شر سے اور دن میں داخل ہونے والی چیزوں اور ہوا میں اڑنے والی چیزوں کی شر سے اور زمانے کی ہلاکتوں کی شر سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال جاء رجل من الانصار الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله كلمات اسال عنهن فقال صلى الله عليه وسلم ان شئت اخبرتك عماجئت تسالنى وان شئت تسالنى واخبرك فقال لا. يا نبى الله. اخبرنى بماجئت اسالك. قال

صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسالنی عن الحاج ماله حین یخرج من بیته وماله حین یقوم بعرفات وماله حین یرمی الجمار وماله حین یحلق راسه وماله حین یقضی اخرطواف بالبیت فقال یانبی الله والذی بعثك مااخطئت مماکان فی نفسی شیئا قال صلی الله علیه وسلم فان له حین یخرج من بیته ان راحلته لاتخطوخطوة الا کتب الله لـه حسنة اوحط عنه بهاخطیئته فاذا وقف بعرفات فان الله عزوجل ینزل الی السماء الدنیا فیقول انظروا الی عبادی شعثا غبراء اشهد وا انی قد غفرت لهم ذنوبهم وان کانت عدد قطر السماء ورمل عالج. واذا رمی الجمار لایدری احد ماله حتی یتوفاه الله عزوجل یوم القیمة واذا قضی اخر طواف بالبیت خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه– (بزاز. طبرانی. ابن حبان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ چند باتوں کے بارے میں آپ سے سوال کرنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتادوں کہ تم کن چیزوں کے بارے میں مجھ سے پوچھنے آئے ہو اور اگر تم خود پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھو میں تمہیں بتادونگا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ بتائیں میں جو آپ سے پوچھنے آیا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے حاجی کے متعلق پوچھنے آئے ہو کہ جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لئے کیا ثواب ہے؟ اور جب وہ عرفات میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کو کیا ثواب ملتا ہے؟ اور جب وہ جمروں کو مارتا ہے تو اس کو کیا ثواب ملتا ہے؟ اور جب سر منڈواتا ہے تو اس کو کیا ثواب ملتا ہے؟

اور جب وہ بیت اللہ کا آخری طواف کرتا ہے تو اس کو کیا ثواب ملتا ہے؟ تو اس انصاری نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے میرے دل میں جو کچھ تھا وہ بیان کرنے میں آپ نے کوئی خطا نہیں کی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ وہ حاجی جب گھر سے نکلتا ہے تو اس کی سواری کے ایک ایک قدم کے بدلے اسے نیکی ملتی ہے یا فرمایا اس کا ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب وہ عرفات میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر توجہ فرماتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے غبار آلودہ اور پراگندہ بندوں کو دیکھو اور گواہ رہو کہ میں نے ان کے سب گناہ معاف فرمادئے ہیں اگرچہ وہ آسمان سے برسنے والی بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا جمع شدہ ریت کے برابر ہوں اور جب جمروں کو مارتا ہے تو قیامت کے دن تک کسی کو کوئی پتہ نہیں ہے کہ اس کا کیا اجر ہے؟ اور جب وہ بیت اللہ کا آخری طواف کرتا ہے تو وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح کہ وہ ماں کے پیٹ سے پاک آیا تھا۔ یہ حدیث بزاز۔ طبرانی اور ابن حبان نے نقل کی ہے۔

عن انس بن مالك رضى الله عنه قال وقف النبى صلى الله عليه وسلم بعرفات وقد كازت الشمس ان تئوب فقال يا بلال انصت لى الناس فقال بلال انصتو الرسول الله صلى الله عليه وسلم فانصت الناس فقال يا معشر الناس اتانى جبريل انفافا قرأنى من ربى الاسلام وقال الله عزوجل غفر لاهل عرفات واهل المشعر وضمن عنهم التبعات فقام عمر بن الخطاب رضى الله عنه فقال يارسول الله هذالنا خاصة؟ قال: هذالكم ولمن التى من بعدكم الى يوم القيمة فقال عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه كثر خير الله وطاب—(اعلاء السنن)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ٹھہرے اور سورج ڈھلنے کے قریب تھا تو فرمایا بلال لوگوں کو میری خاطر چپ کراؤ۔ تو بلال نے کہا کہ رسول اللہ کی خاطر چپ ہو جاؤ تو لوگ چپ ہو گئے تو آپ نے فرمایا لوگوں کی جماعت ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے اور میرے رب کی طرف سے انہوں نے مجھے سلام پیش کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل عرفات اور اہل مشعر (مزدلفہ) کی بخشش کر دی گئی ہے اور ان کے گناہ لپیٹ دیئے گئے ہیں پھر عمر بن خطابؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ خاص ہمارے لئے ہے یا سب کے لئے ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بھی ہے اور ان کے لئے بھی جو یہاں تمہارے بعد قیامت تک آتے رہیں گے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی خیر بہت ہے اور اچھی ہے۔ یہ حدیث اعلاء السنن میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو یوم عرفہ مادا یدیہ کا المستطعم المسکین ۔

(بزاز. طبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن دعا فرما رہے تھے اس حال میں کہ آپ نے کھانا مانگنے والے مسکین کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے۔ یہ حدیث بزاز اور طبرانی نے نقل کی ہے۔

عن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رئیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقفا بعرفۃ متابطا رداءہ رافعا یدیہ لایجاوزان راسہ وعضلتاہ ترعدان ۔(طبرانی فی الکبیر)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفہ میں کھڑے تھے چادر بغل کے نیچے سے نکالی ہوئی تھی (یعنی حالت احرام میں تھے) دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے سر سے اونچے نہیں تھے اور آپ پر کپکپی طاری تھی۔ (طبرانی نے کبیر میں یہ حدیث نقل کی ہے)

عن انس بن مالك رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان واقفا بعرفه رافعا يديه يدعو فوقع زمام الناقة فتناوله باصبعه فقال اصحابه هذا الابتهال وهذ التضرع —

(طبرانی فی کتاب الدعاء)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں کھڑے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگ رہے تھے تو اونٹی کی لگام گر پڑی تو آپ نے وہ اپنی انگلیوں سے اٹھائی تو صحابہ نے کہا کہ یہ ہے عاجزی اور انکساری۔

عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال قال النبى صلى الله عليه وسلم مامن عبد دعا بهذه الدعوات عشية عرفه وهى عشر كلم الفا مرة الا لم يسال ربه عزوجل شيئا الا اعطاه اياه الا قطيعة رحم اوماثم سبحان الذى فى السماء عرشه. سبحان الذى فى الارض موطئه سبحان الذى فى البحر سبيله. سبحان الذى فى النار سلطانه سبحان الذى فى القبور قضاءه. سبحان الذى فى الجنة رحمته سبحان الذى فى الهواء روحه. سبحان الذى رفع السماء. سبحان الذى وضع الارض سبحان الذى لامنجامنه الا اليه— (طبرانى فى كتاب الدعاء)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی عرفہ کی شام کو یہ دس کلمات ہزار مرتبہ پڑھ کر جو بھی دعا کرے تو اللہ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں مگر قطعہ رحمی اور گناہ کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ دس کلمات یہ ہیں پاک ہے وہ ذات کہ آسمان میں اس کا عرش ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ زمین اس کے روندنے کی جگہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ سمندر میں جس کا راستہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ آگ میں اس کی بادشاہی ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ قبروں میں اس کے فیصلہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات جنت میں اس کی رحمت ہے۔ پاک ہے وہ ذات ہوا میں جس کی روح ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آسمان کو اونچا کیا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین بنائی ہے۔ پاک ہے وہ ذات نہیں کوئی جائے پناہ اس کے مقابلے میں مگر طرف اسی کے ہے پناہ (یہ حدیث طبرانی نے کتاب الدعا میں نقل کی ہے۔

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن مسلم یقف عشیة عرفه بالموقف فیستقبل القبلة بوجهه ثم یقول لااله الا اللہ وحده لاشریك له. له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو علی کل شئی قدیر ماۃ مرۃ ثم یقرأ قل هو اللہ احد الخ ماۃ مرۃ. ثم یقول اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد کماصلیت علی ابراهیم وعلی الی ابراهیم انك حمید مجید وعلینا معهم ماۃ مرۃ الا قال اللہ تعالیٰ یا ملائکتی ماجزاء عبدی هذا سبحنی وهللنی وکبرنی وعظمنی وعرفنی واثنی علی وصلی علی نبی. اشهد وملائکتی انی قد غفرت له وشفعته فی نفسه ولو سالنی عبدی هذالشفعته فی اهل

الموقف –(البیھقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان عرفہ کی شام کو موقف میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو پھر یہ کلمات کہے سو مرتبہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اسی کی تعریفیں ہیں وہی زندگی دیتا ہے موت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے پھر قل ھواللہ الخ پڑھے سو مرتبہ پھر سو مرتبہ پڑھے اے اللہ رحمت نازل فرما محمد پر اور اس کی آل پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم پر اور اس کی آل پر بے شک آپ کی ذات صفتوں والی بزرگ والی ہے اور ہم پر بھی ساتھ ان کے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کی کیا جزا ہے اس نے میری پاکی بیان کی ہے اس نے میری توحید بیان کی ہے بڑائی بیان کی ہے عظمت بیان کی ہے، اس نے میری تعریف بیان کی ہے اور ثنا بیان کی ہے میرے نبی پر درود بھیجا۔ فرشتو تم گواہ رہو میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اس کے دل میں جس کی شفاعت ہے میں نے وہ بھی قبول کر لی ہے اگر میرے اس بندے نے اہل عرفات کے لئے شفاعت کی تو قبول کر لوں گا۔ (بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے) (یہ احادیث فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ المحدث عبدالحفیظ بن ملک عبدالحق مکی کی تعلیم از ذکر والدعا یوم عرفہ سے نقل کی گئی ہے)۔

عن ھشام بن عروہ عن ابیه قال سئل اسامه بن زید کیف کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسیر فی حجة الوداع حین دفع قال کان یسیر العنق فاذا وجد فجوة نص (متفق علیہ)

حضرت ہشام بن عروہؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ سے پوچھا گیا کہ عرفات سے واپسی میں حجۃ الوداع کے اندر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح چلے، انہوں نے کہا کہ آپؐ تیز رفتار سے چلے اور جہاں کہیں کشادہ راستہ ملا آپؐ نے اپنی سواری کو دوڑایا۔ (بخاری، مسلم)

وعن ابن عباس انه دفع مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفة فسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وراء ہ زجراً شدیداً وضربا للابل فاشار بسوطه الیهم و قال یایها الناس علیکم بالسکینة فان البر لیس بالایضاع ۔(رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عرفات کے دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہوئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیچھے جانوروں کو سختی کے ساتھ مارتے اور تیز ہانکنے کا شور سنا آپؐ نے اپنے چابک کو حرکت دے کر اشارہ کیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: لوگو! تم پر آرام سے چلنا واجب ہے اور دوڑانا نیکی نہیں ہے۔ (بخاری)

وعنه ان اسامة بن زید کان ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عرفة الی المزدلفة ثم اردف الفضل من المزدلفة الی منی فکلاهما قال لم یزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبی حتی رمی جمرة العقبة– (متفق علیه)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ عرفات سے مزدلفہ تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف رہے (یعنی آپؐ کی سواری پر

آپؐ کے پیچھے پیچھے) پھر مزدلفہ سے منیٰ تک فضل بن عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف رہے۔ دونوں کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپؐ نے جمرہ عقبیٰ پر رمی کی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت محمد بن قیسؒ بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا کہ ایام جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) لوگ عرفات سے اس وقت روانہ ہوتے تھے کہ جب آفتاب آدمیوں کے سروں پر اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا وہ ان کے سروں پر عمامہ ہے یعنی آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اور مزدلفہ سے اس وقت روانہ ہوتے تھے جب کہ سورج اتنا بلند ہو جاتا تھا کہ وہ لوگوں کے چہروں پر عمامہ ہے اور ہم عرفات سے اس وقت تک روانہ نہ ہوں گے جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو جائے اور چلیں گے ہم مزدلفہ سے آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور ہمارا طریقہ مخالف ہے بت پرستوں کے طریقے سے۔ (بیہقی)

عن یعقوب بن عاصم بن عروۃ انہ سمع الشرید یقول افضت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مست قدماہ الارض حتی اتی جمعا ۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت یعقوب بن عاصمؒ بن عروہ کہتے ہیں کہ انہوں نے شرید کو یہ کہتے سنا ہے کہ واپس ہوا میں (عرفات سے) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پس نہیں قدم لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین پر یہاں

تک کہ پہنچے مزدلفہ میں (ابوداؤد)۔

و عن ابن شهاب قال اخبرنی سالم ان الحجاج بن یوسف عام نزل بابن الزبیر سال عبدالله کیف تصنع بالموقف یوم عرفة فقال سالم ان کنت ترید السنة فهجر بالصلوة یوم عرفة فقال عبدالله بن عمر صدق انهم کانوا یجمعون بین الظهرو العصر فی السنة فقلت لسالم افعل ذالك رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال سالم و هل یتبعون ذلك الا سنة .رواه البخاری–

حضرت ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ حجاج بن یوسف نے جس سال عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا ہے اس سال عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ عرفہ میں ٹھہرنے کے دن ہم کیا کریں۔ سالم بن عبداللہ نے جواب دیا اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن ظہر و عصر کو سویرے پڑھ عبداللہ بن عمر نے کہا سالم نے سچ کہا صحابہؓ طریقہ سنت کو ادا کرنے کے لئے ظہر و عصر کو جمع کیا کرتے تھے (یعنی دونوں نمازیں ساتھ پڑھتے تھے) ابن شہاب کہتے ہیں میں نے سالم سے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے؟ سالم نے کہا ہم اس معاملہ میں سنت رسول ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح: اس بحث میں پندرہ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت (ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفرواالله ۱۹۹) پھر لوٹ کر آؤ جہاں سے لوگ لوٹ کر آتے ہیں اور اللہ

سے معافی مانگو) کی تفسیر ہے۔ کیونکہ یہاں یہ ذکر نہیں کہ کس تاریخ کو عرفات جانا ہے۔ اور یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ وہاں کتنی دیر ٹھہرنا ہے اور کس وقت لوٹنا ہے۔ پس اس اجمال کی تفصیل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان احادیث میں بیان فرمائی ہے ان میں سے پہلی حدیث جو ہشام بن عروۃ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے جب واپس ہوئے تو آپ اونٹنی پر سوار تھے اور اسے تیز چلاتے تھے اور جب راستہ ملتا تو اسے دوڑاتے تھے اور دوسری حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے جانوروں کو سختی سے مارنے اور تیزی کے ساتھ ہانکنے کا شور سنا تو آپ نے چابک کو حرکت دے کر اشارہ کیا اور فرمایا لوگو تم پر آرام سے چلنا واجب ہے اور دوڑانا نیکی نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عرفات سے واپسی کے وقت حاجی سوار ہو سکتا ہے اور اگر سواری کا جانور ہو تو اسے دوڑا سکتا ہے لیکن دوڑانے کے لئے اسے مار نہیں سکتا۔ یہ گناہ ہے کیونکہ یہ جانور بھی حرمات اللہ میں شامل ہے۔ اس کا ادب ضروری ہے اس کو اذیت دینا جائز نہیں۔ صحابہ اس کو نیکی سمجھ کر جانوروں کو مار مار کر دوڑا رہے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کی تردید یہاں فرمائی تھی۔ اور تیسری حدیث بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں انہوں نے اسامہ بن زید اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں جمرہ عقبہ کی رمی تک تلبیہ پڑھتے رہے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی عرفات سے جب واپس ہو تو راستے میں تلبیہ پڑھتا رہے۔ جب جمرہ عقبہ کو کنکری مارے تو تلبیہ بند کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایسا ہی کیا تھا۔ پس ان تینوں احادیث سے عرفات سے واپسی کا طریقہ معلوم ہو گیا کہ حاجی تلبیہ پڑھتے ہوئے واپس ہو۔ آرام اور سکون سے چلے تیز بھی چل سکتا ہے سواری کو بھی تیز چلا سکتا ہے مگر اسے تیزی کے لئے مارنا جائز نہیں۔ اور چوتھی حدیث یہاں محمدؒ بن قیس بن مخرمہ سے منقول ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات سے غروب آفتاب کے بعد اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب سے پہلے آنے کی حکمت بیان فرمائی کہ یہ مشرکین کی مخالفت ہے کیونکہ مشرک لوگ میدان عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد واپس آتے تھے۔ اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے حدود عرفات سے نکل آیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ اگر کوئی آدمی اپنی جائے قیام سے چل پڑا مگر حدود عرفات سے نہ نکلا تو کوئی حرج نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ حاجی غروب آفتاب کے بعد اور امام موسم کے ساتھ عرفات سے واپس ہو۔ اگر کوئی شخص غروب آفتاب کے بعد کچھ دیر کے لئے کسی کام کے لئے رک گیا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ غروب آفتاب سے پہلے آنے کی ممانعت ہے۔ بعد میں تاخیر ممانعت مذکور نہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جب حج کے لئے تشریف لے گئی تو میدان عرفات سے غروب آفتاب کے بعد روزہ افطار کر کے واپس ہوئی تھیں۔ اور پانچویں حدیث یہاں حضرت یعقوب بن عاصم سے منقول ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ عرفات سے لے کر مزدلفہ تک سوار ہو کر تشریف لائے تھے۔ پیدل سفر نہیں کیا تھا۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں اترے نہیں تھے۔ مظاہر حق نے بخاری سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ قضائے حاجت کے لئے راستے میں اترے

تھے اور وضو فرمایا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے ساتھ تھے فرمایا تھا کہ نماز کا وقت ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ الصلوة امامك . مقصد یہ ہے نماز آگے پڑھیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرفات سے واپسی کے وقت راستے میں نماز مغرب پڑھنا نا جائز ہے۔ کیونکہ مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا لازم ہے اگر کوئی غلطی سے راستے میں نماز مغرب پڑھ لے تو اس پر اعادہ لازم ہے تاکہ دو نمازوں کو جمع کیا جا سکے۔ اور چھٹی حدیث جو حضرت ابن شہاب سے مروی ہے۔ اس میں پہلی احادیث کی تائید ہے۔ اور اس کے بعد والی احادیث میں دعا کی ہیں۔

قیام مشعر الحرام (مزدلفہ) میں ذکر اللہ کا حکم :

فاذا افضتم من عرفات فاذکروااللہ عندالمشعر الحرام واذکرواکما ھداکم و ان کنتم من قبلہ لمن الضالین۔(بقرہ آیت ۱۹۸)

جب تم عرفات سے پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں بتائی ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے۔

تفسیر : بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مشرک لوگ جب حج کے لئے جاتے تھے تو عرفات میں وقوف کے بعد واپس آکر مزدلفہ میں قیام نہیں کرتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم عرفات سے پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اس آیت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسی غلطی کرتے تھے تب انکو یہ حکم دیا گیا ہے اور یہ اصول ہے کہ بعض آیات کا شان نزول خاص ہوتا ہے مگر

اس کا حکم عام ہوتا ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ جن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے وہ ہی اس کے مامور ہیں اور بس۔ پس یہ حکم تمام مسلمانوں کو بھی شامل ہے کہ جب حج بیت اللہ کے لئے جائیں تو واپسی پر مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ لفظ مشعر اسم میں ظرف کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے پہچاننے کی جگہ اور حرام محترم کے معنیٰ میں ہے۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ مزدلفہ حرم میں شامل ہے اور مشعر الحرام مزدلفہ کے پاس ایک پہاڑی ہے۔ اس کا نام ہے اور اس کے نیچے جو میدان ہے اس کا نام مزدلفہ ہے اور مزدلفہ کے معنیٰ قریب کے ہیں اور اس میدان کو اس لئے مزدلفہ کہتے ہیں کہ یہاں عبادت کرنے سے بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ مگر اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ تو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مشعر الحرام کے پاس یاد کرو مگر یہ تفصیل نہیں بتائی ہے کہ کس طرح یاد کرنا ہے، رات کو یاد کرنا ہے یا دن کو یاد کرنا ہے، وقت کا کوئی تعین نہیں ہے کہ رات کو یاد کرنا ہے تو کب تک؟ یا رات کو سونے کی اجازت بھی ہے یا نہیں؟ یا دن کو یاد کرنا ہے تو کب تک؟ اور اس یاد کرنے کی حیثیت کیا ہے؟ فرض ہے یا واجب ہے۔ اگر کوئی یہ قیام نہیں کرے گا تو کیا نقصان لازم آئے گا۔ یہ سب اجمالی ہے۔ تفصیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے بیان فرمائی ہے جو مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھنا ہے:

وعن ابن عمر قال جمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المغرب والعشآء بجمع كل واحدة منهما باقامة ولم يسبح

بينهما ولا على اثر كل واحدة منهما –(رواه البخاری)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جمع کیا (مزدلفہ میں) نبیؐ نے مغرب اور عشا کی نمازوں کو اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ تکبیر کہی اور ان کے درمیان میں نہ سنتیں پڑھیں اور نہ نفل اور نہ ان کے پیچھے کچھ پڑھا۔(بخاری)

و عن عبدالله بن مسعود قال ما رئيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوة الا لميقاتها الا صلوتين صلوة المغرب والعشاء بجمع و صلى الفجر يومئذ قبل ميقاتهامتفق عليه–

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا مگر دو نمازوں کو یعنی مغرب اور عشاء کی نمازوں کو آپ نے (مزدلفہ) میں جمع کیا اور اس روز فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی۔(بخاری و مسلم)

عن شعبة قال حدثنى سلمة بن سهيل قال رئيت سعيد بن جبير اقام بجمع فصلى المغرب ثلثا ثم صل العشاء ركعتين ثم قال شهدت ابن عمر صنع بهى هذالمكان مثل هذا و قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع مثل هذا فى هذاالمكان۔

(ابوداؤد)

حضرت شعبہ نے کہا کہ مجھے سلمۃ بن سہیل نے بتایا کہ میں نے سعید بن جبیر کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں قیام کیا تو انہوں نے مغرب کی تین رکعات پڑھیں اور پھر عشاء کی دو رکعات پڑھیں اور پھر فرمایا کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا اس مکان میں انہوں نے بھی اس

جگہ ایسا ہی کیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس مکان میں تو انہوں نے بھی ایسا کیا تھا۔ (ابو داؤد)

اور پہلی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی یہ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی فرض نمازیں جمع کر کے پڑھی ہیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کی نماز کے لئے علیحدہ تکبیر کہی گئی تھی اور عشاء کی نماز کے لئے علیحدہ۔ اور اذان کا ذکر نہیں ہے اور تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان آپ نے سنتیں اور نفل نہیں پڑھے۔ اور بعد میں بھی سنتیں نفل اور وتر نہیں پڑھے۔ اور اس سے پہلے حدیث جابر رضی اللہ عنہ گزر گئی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازوں کو جمع کیا تھا ایک دفعہ اذان اور دو دفعہ تکبیر کہی تھی۔ اور ابو داؤد میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا تھا ہر ایک کو ساتھ ایک اقامت کے یعنی ہر ایک کے لئے الگ الگ تکبیر کہی گئی تھی۔ پس ان روایات میں اختلاف ہو گیا۔ تطبیق یہ معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پہلے نماز مغرب ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی ہو۔ اور یہ مجمع چونکہ بہت بڑا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کام میں لگ گئے ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے ساتھ عشاء کی نماز اسی اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھ لی ہو اور بعض صحابہ نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہو کہ تم اقامت کے ساتھ پڑھ لو اور ان صحابہ نے یہ نسبت بھی مجازاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردی ہو جیسا کہ نبی الامیر المدینہ اور اگر یہ تطبیق منظور نہیں کریں گے تو ان احادیث میں اچھا خاصہ اضطراب ہے کسی ایک حدیث کو ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پھر علماء اصولین کے اصول کے مطابق ان دونوں کو چھوڑنا پڑے گا اور اصل کی طرف آنا پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ جب زیادہ نمازیں جمع ہو جائیں وقتی بھی قضا شدہ بھی۔ اور ایک وقت میں ادا کرنا ہو تو پہلی کے لئے اذان اور اقامت دونوں کہی جاتی ہیں اور دوسری تیسری کے لئے صرف تکبیر کہی جاتی ہے، جیسا کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا۔ اور یہاں بھی چونکہ دو نمازیں جمع ہو جاتی ہیں مغرب بھی اور عشاء بھی تو مغرب کی نماز جو فوت شدہ ہے اس کے لئے تو اذان اور اقامت دونوں ہونی چاہئیں اور نماز عشاء کے لئے صرف اقامت بھی کافی ہے۔ اور اگر مغرب کی نماز پڑھ کر کسی کام میں لگ جائے مثلاً کھانا کھانے میں مصروف ہو جائے یا قضائے حاجت کی ضرورت پڑ جائے تو بہتر یہ ہے کہ عشاء کے لئے اذان اور اقامت دونوں کہے یا صرف اقامت پر اکتفا کرے تو بھی ٹھیک ہے۔ ھدایہ میں اسی طرح ہے اور حدیث میں جو لم یسبح کا جملہ آیا ہے بعض محدثین نے اس کے معنی نفلی نماز کے لئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان اور بعد میں نفلی نماز نہیں پڑھی۔ اس سے سنتوں کی اور وتروں کی نفی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ مظاہر حق نے ملا علی قاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد سنتیں پڑھیں تھیں اور وتر بھی

پڑھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ سنتیں اور وتر پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ پس اب جمع بین المغرب اور عشاء کا مقصد یہ ہو گا کہ ان دونوں نمازوں کو عشا کے وقت میں پڑھنا ہے ان دونوں کے درمیان اگر کوئی کام وغیرہ کر لے تو کوئی حرج نہیں اور دوسری حدیث یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھتے تھے صرف دو نمازیں آپ نے مزدلفہ میں اپنے وقت میں نہیں پڑھیں ایک مغرب اور دوسری عشاء۔ یہ مغرب اپنے وقت سے بعد پڑھی تھی اور عشا تو اپنے وقت میں ہی پڑھی تھی مگر یہاں ضمناً عشا کا ذکر کر دیا اور عرفات میں بھی ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھا تھا مگر یہاں شہرت کی بنا پر ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دن ہونے کی وجہ سے سب جانتے تھے اور یہاں مزدلفہ میں رات کی وجہ سے کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا اس لئے یہاں کی دو نمازوں کا ذکر فرمادیا۔ یا ممکن ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہی پڑھی گئی ہوں کیونکہ ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول وقت مشترک معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل کی امامت والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اور تیسری حدیث بھی جو حضرت ابن عمرؓ سے ہی مروی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی تو تین ہی رکعات پڑھی تھیں۔ اور عشا کی دو پڑھی تھی یعنی قصر کی تھی۔ اور اس کے بعد جیسا کہ قصہ حجۃ الوداع میں بیان ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے تھے یعنی سو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کا یہ سونا بھی سنت ہے اور عبادت ہی ہے کیونکہ یہ حدیث ہے کہ آدمی عشا کی نماز پڑھ کر اس ارادے سے سو جائے کہ میں نے صبح

کی نماز پڑھنا ہے تو اس کی یہ ساری رات کی نیند عبادت میں لکھی جاتی ہے۔اور اس حاجی نے چونکہ نویں ذی الحجہ کا یہ دن انتہائی مصروفیت کا گزارا ہے اس کو تھکاوٹ بہت ہو گی اور آگے دسویں ذی الحجہ کا دن اس سے بھی زیادہ مصروفیت کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسے تعلیم دی ہے کہ اس رات سو جا تاکہ گزشتہ دن کی تھکاوٹ بھی اتر جائے اور آنے والے دسویں کے دن کی عبادت کے لئے آسانی بھی ہو جائے۔

مزدلفہ میں صبح کی نماز سویرے پڑھ کر مشعر الحرام کے پاس آنا ہے اور اچھی طرح سفیدی تک دعا وغیرہ میں مصروف رہنا ہے اور طلوع آفتاب سے پہلے منی کو روانہ ہونا ہے۔

عن عبداللہ بن مسعود، قال مارئیت رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وسلم) صلی صلوۃ الا لمیقاتها الا صلو تین صلوۃ المغرب العشاء بجمع و صلوۃ الفجر یومئذ قبل میقاتها۔

(متفق علیہ ومشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی نماز اپنے اپنے وقت کے سوا پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اور اسی دن فجر کی نماز۔ یہ حدیث بخاری و مسلم اور مشکوۃ میں موجود ہے۔

فصلی الفجر حین تبین له الصبح باذان واقامة ثم رکب القصواء حتی اتی مشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاه و کبره و

هلله و وحده فلم يزل و اقفا حتى اسفر جدا فدفع قبل تطلع الشمس– (مشکوة)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز اذان اور اقامۃ کے ساتھ اسوقت پڑھی تھی جب روشنی ہو گئی تھی پھر اپنی قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام (پہاڑی) کے پاس آئے اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگتے رہے اور الله اکبر لا اله الا الله وحده لا شريك له پڑھتے رہے اور اچھی طرح سفیدی ہونے تک کھڑے رہے پھر طلوع آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ کو روانہ ہو گئے۔

عن عباس بن مرداس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دعا لامته عشيته عرفه بالمغفرة فاجيب ان قدغفرت لهم ما خلا المظالم فانى اخذ للمظلوم منه قال اے رب ان شئت اعطيت المظلوم من الجنة وغفرت للظالم فلم يجب عشيته فلما اصبح باالمزدلفه اعاد الدعا فاجيب الى ماسال قال فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم اوقال تسبم فقال له ابوبكر و عمربابى انت و امى ان هذه لساعته ماتضحك فيها فما الذى اضحكك. اضحك الله سنك قال ان عدوالله ابليس لما علم ان الله عزوجل قد استجاب دعائى و غفر لامتى اخذ التراب فجعل يحثوه على راسه ويدعو بالويل والثبور فاضحكنى مارئيت من جزعه–

(ابن ماجه. بيهقى. مشكوة)

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے

بخشش کی دعا مانگی تو ظالم کے سوا سب دعائیں منظور ہو گئیں مگر فرمایا کہ میں ظالم سے مظلوم کا انتقام ضرور لونگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا مانگی کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے سکتے ہیں اور ظالم کو بخش سکتے ہیں تو عرفہ شام کو وہ دعا قبول نہ ہوئی اور مزدلفہ میں آپ نے وہی دُعا دہرائی تو قبول ہو گئی تو راوی نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہنس پڑے یا فرمایا کہ مسکرائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اس وقت ہنسا نہیں کرتے کس وجہ سے آپ ہنس پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنساتا رہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کرلی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالنی شروع کی اور اپنے لئے تباہی اور بربادی کی دعا مانگنی شروع کی تو میں اس کی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ صاحب مشکوۃ نے ابن ماجہ اور بیہقی کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں پہلی حدیث کے پہلے حصہ کی تشریح تو قبل ازیں بیان ہو گئی ہے۔ آخری حصہ کی تشریح کرنا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مزدلفہ میں فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی تھی اور دوسری روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح روشن ہو گئی تھی تب آپ نے صبح کی نماز پڑھی تھی۔ پس حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے تطبیق یہ ہے کہ

اس دن آپ نے صبح کی نماز معمول سے پہلے اور صبح ظاہر اور نمودار ہونے کے بعد پڑھی تھی۔ اور پھر مشعر حرام کے پاس قبلہ رخ ہو کر دعا مانگتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر تھلیل اور اس کی توحید کے الفاظ پڑھتے رہے اور طلوع آفتاب سے پہلے آپ منی کی طرف روانہ ہو گئے اور تیسری حدیث۔ حدیث نمبر ۲ کی تشریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی تھی وہ اجتماعی تھی اور اپنی پوری امت کے لئے دعا مانگی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاجی کو وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کے لئے بھی مانگنا چاہئے۔

پس اس عنوان اور اس سے پہلے عنوان کی مذکورہ احادیث آیت (**اذا افضتم من عرفات فاذکرو اللہ عندالمشعر الحرام**) کی پوری تفسیر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے بیان فرمادی ہے اب یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے کہ آیا یہ قیام مزدلفہ فرض ہے یا واجب ہے ؟ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان منقول نہیں ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قیام مزدلفہ کے فرض اور رکن ہونے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں **فاذکروا اللہ عندالمشعر الحرام** صیغہ امر ہے جو فرض کے لئے استعمال ہوتا ہے لہذا قیام مزدلفہ فرض ہے پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے چار ارکان ہوئے احرام۔ وقوف عرفات۔ وقوف مزدلفہ اور طواف زیارت اگر ان ارکان میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو اس کا حج نہیں ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے **فاذکروا اللہ** فرمایا ہے۔ اور ذکر اللہ کسی کے نزدیک فرض نہیں لہذا قیام مزدلفہ واجب ہو گا اگر وہ چھوٹ جائے تو دم واجب ہو گا۔ اس کا حج ہو جائے گا۔ مگر

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات جاتے وقت مزدلفہ میں قیام نہیں فرمایا تھا۔ اور عرفات سے غروب آفتاب کے بعد اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد واپس ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ اس سے مشرکین کی مخالفت مقصود ہے۔ تو آپ نے یہ کہاں سے معلوم کیا تھا کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے کہ جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ فریضہ حج ادا کرتے وقت مشرکین کی مخالفت کرنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار کفار اور مشرکین کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ اطاعت عام ہے خواہ عقائد میں ہو یا اعمال میں ہو اور کفار اور مشرکین نے جس طرح عقائد میں تبدیلی کی ہوئی تھی اسی طرح اعمال کے اندر بھی تبدیلی کی ہوئی تھی اور خصوصاً حج کے اندر تو انہوں نے بہت سی تبدیلیاں کی ہوئی تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر جس طرح ان کے عقائد کی اصلاح فرمائی تھی اسی طرح احکامات اور اعمال کی بھی اصلاح فرمائی تھی۔ ان اصلاحات میں سے حج کی اصلاحات بھی تھیں مثلاً تین سو ساٹھ بت انہوں نے بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے بیت اللہ کا طواف کرتے وقت ساتھ ان کا طواف کرتے تھے۔ صفاء مروہ پر سعی کرتے تھے تو ساتھ ساتھ بتوں کی بھی سعی کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر و نیاز دیتے تو بتوں کی بھی نذر نیاز دیتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح وہ بت توڑ کر ان کی اصلاح فرمائی تھی اس طرح عرفات میں اور مزدلفہ میں ان کی جو غلطیاں تھیں ان کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

ضعیفوں، بچوں اور عورتوں کو وقوف مزدلفہ سے پہلے منیٰ بھیجنا جائز ہے

عن بن عباس قال انا لمن قدمنا رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وسلم) لیلة المزدلفة اغیلمة بنی عبدالمطلب علی حمرات فجعل یلطح افحاذنا ویقول ابینی لاترموا الجمرة حتّی تطلع الشمس.

(ابو دائود. نسائی. ابن ماجه. مشکوة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات میں ہم بنو عبدالمطلب کے کچھ لڑکوں کو گدھیوں پر سوار کر کے منی میں پہلے بھیجدیا تھا اور ہماری رانوں پر شفقت سے مار رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ بیٹو طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ (عقبہ) کی رمی نہ کرنا۔

(اس حدیث کو صاحب مشکوۃ نے ابو داؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے)۔

عن عائشه قالت ارسل النبی صلی اللہ علیه وسلم بام سلمة لیلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فافاضت و کان ذالك الیوم الذی یکون رسول صلی اللہ علیه وسلم عندها –

(مشکوة)

بحوالہ ابو داؤد (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کی رات میں بھیجدیا تھا تو انہوں نے جمرہ کو فجر سے پہلے مارا پھر چلی گئیں اور انہوں نے طواف افاضہ (طواف زیارت) کیا اور یہ وہ

دن تھا جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے۔ صاحب مشکوۃ نے یہ حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔۔

تشریح: یہاں اس بحث میں دو حدیثیں منقول ہیں۔ پہلی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی یہ ہے کہ قیام مزدلفہ بچوں کے لئے ضروری نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات بچوں کو منی بھیجدیا تھا اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے سے روکا تھا۔ اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس سے بھی دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ ہے کہ عورتیں بھی قیام مزدلفہ سے پہلے آسکتی ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہلے بھیج دیا تھا۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل رمی بھی جائز ہے۔ کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ رمی بھی کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ فرمایا ہوگا پس ان دونوں حدیثوں کا ماحصل یہ ہے کہ بچے بھی قیام مزدلفہ سے پہلے منی میں جاسکتے ہیں اور عورتیں بھی جاسکتی ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے مگر دوسرے مضمون میں اختلاف ہے۔

کیونکہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرنے سے منع فرمایا تھا اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے

کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ رمی رات کے وقت کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے آپ کو فرمایا ہوگا پس ان حدیثوں میں تعارض ہے اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کو ترجیح دی اور موقف یہ اختیار کیا کہ جمرہ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل ناجائز ہے اور حضرت ام سلمہ والی حدیث کو آپ کی خصوصیت پر محمول کیا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری حدیث کو ترجیح دی اور موقف یہ اختیار کیا کہ قبل طلوع آفتاب رمی جائز ہے مگر افضل بعد میں ہے اور ان تطبیقوں سے دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور جب بچوں کے لئے اور عورتوں کے لئے قیام مزدلفہ ضروری نہیں تو بوڑھوں کے لئے بطریقہ اولی ضروری نہیں، ہے لہذا وہ بھی قیام مزدلفہ سے پہلے جا سکتے ہیں مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہاں سے معلوم کیا عندالمشعر الحرام تو سب کو شامل ہے۔ اس میں مردوں۔ عورتوں۔ بچوں اور ضعیفوں کی تخصیص نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے اس قاعدہ کلیہ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** کے تحت بچوں عورتوں کو یہ اجازت دی تھی کیونکہ عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منی تک حجاج کا یہ رش برداشت کرنا عورتوں بچوں اور بوڑھوں کے بس میں نہیں (واللہ اعلم)

حاجی مزدلفہ سے منی آتے وقت تلبیہ پڑھتے ہوئے اور سکون سے آئے اور جمرات کو مارنے کے لئے چنے کے برابر کنکریاں وہیں سے ساتھ لائے

وعنه عن الفضل بن عباس و كان رديف النبى صلى الله عليه

وسلم انه قال فی عشیة عرفة و غداة جمع للناس حین دفعوا علیکم بالمسکینة وهو کاف ناقته حتی دخل محسرا وهو منی علیکم بحصی الحذف الذی یرمی به الجمره وقال لم یزل رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبی حتی رمی الجمرة (مشکوة بحواله مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح لوگوں سے فرمایا لازم ہے تم پر آرام سے چلنا اور آپؐ اپنی اونٹنی کو روک روک کر چلتے تھے یہاں تک کہ آپ وادی محسر میں داخل ہوئے اور وہ منی کا حصہ ہے اور فرمایا کہ لازم ہے تم پر چنے برابر کنکریاں لینا جن سے جمرہ کو مارا جائے گا۔ اور راوی نے کہا کہ آپ جمرہ کو مارنے تک تلبیہ پڑھتے رہے تھے۔

عن جابر قال افاض النبی صلی الله علیه وسلم من جمع و علیه السکینة وامر هم بالسکینة و اوضع فی وادی محسر و امرهم ان یرموا بمثل حصی الخذف و قال لعلی لا اراکم بعد عامی هذا(مشکوة)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے چلے اس حال میں کہ آپ پر سکون تھا اور صحابہ کو بھی سکون سے چلنے کا حکم دیا اور وادی محسر میں آپ نے اونٹنی تیز چلائی اور ان صحابہ کو حکم دیا کہ چنے کے برابر کنکری مارنا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ اس سال کے بعد نہیں

دیکھوں گا۔

تشریح: یہاں اس حث میں دو حدیثیں ہیں۔ پہلی حضرت ابن عباس
ضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں تین چیزوں کا بیان ہے پہلی یہ ہے کہ نبی
لی اللہ علیہ وسلم میدان مزدلفہ سے جب منی کی طرف آئے تو خود بھی آرام آرام
سے چلتے تھے اور صحابہ رضوام اللہ علیہم اجمعین کو بھی آرام سے چلنے کا حکم دیا اور
دسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کو آپ نے فرمایا کہ کنکریاں یہاں مزدلفہ سے لینا ہے
یہ ۹ ۴۹ یا ۷۰ کنکریاں ہونی چاہئیں۔ (جن سے جمرہ کو مارا جائے گا) اور تیسری چیز
یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ پر رمی کرتے تک تلبیہ پڑھتے رہے تھے
ور دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں پہلا مضمون ہے
البتہ دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ ہے کہ آپ نے وادی محسر میں اپنی اونٹنی کو
قدرے تیز چلایا تھا کیونکہ اس وادی میں اصحاب فیل پر عذاب اترا تھا۔
اور دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ کو فرمایا تھا کہ اس سال کے بعد میں
تمہیں نہیں دیکھوں گا۔ اس مین آپ نے اپنے انتقال پر ملال کی پیش گوئی فرمادی
تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مجھ سے جو دین سیکھنا ہے سیکھ لو۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا
ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات سے مزدلفہ تک اور مزدلفہ سے
منی تک آرام سے چلنے کا جو حکم دیا تھا یہ آپ نے کہاں سے معلوم کیا تھا۔ اور
قرآن مجید کی کس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید
میں آیت موجود ہے من فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا
جدال فی الحج جو ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو جماع کی بات فسق اور
لڑائی جھگڑا نہیں کرنا اور تیزی رفتاری سے فسق اور جدال کا احتمال ہے اور

مومن شعائر اللہ میں شامل ہے۔اور سواری کے جانور کو مارنے سے ہو سکتا ہے کہ اس سے کسی انسان کو تکلیف ہو جائے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سکون اور آرام آرام سے چلنے کا حکم دیا تھا۔اور مزدلفہ سے کنکریاں چننے کا جو حکم دیا یہ آسانی کے لئے تھا علماء نے لکھا ہے کہ مستحب یہی ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے چنے ورنہ جہاں سے میسر آئیں چن سکتا ہے۔

منیٰ میں قیام ثانی کے زمانہ میں

احکامات حج کے ساتھ ذکر اللہ اور دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا ہے

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم او اشدذکرا فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وما له فی الاخرة من خلاق و منهم من یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنةوقنا غذاب الناس اولئك لهم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب واذکروا اللہ فی ایام معدودت فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه ومن تاخر فلا اثم علیه لمن اتقی واتقوا اللہ واعلموا انکم الیه تحشرون۔

پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض یہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب

لینے والا ہے اور اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو پھر جس نے دو دن
کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر
کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ سے ڈرو
اور جان لو کہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

(سورۃ بقرہ آیت ۲۰۰ تا ۲۰۳)

تفسیر: ان آیات میں نو چیزوں کا بیان ہے اول یہ کہ پہلے احکامات اور ارکان حج پورے کرنا ہے یہ بیان فاذا قضیتم مناسککم میں اجمالاً مذکور ہے۔ کیونکہ مناسک منسک کی جمع ہے اس کا اطلاق احکامات اور ارکان حج پر ہوتا ہے دوسری چیز ماں باپ کی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم ہے یعنی جس طرح ماں اور باپ کو بچہ محبت اور پیار سے پکارتا ہے اور مصیبت میں بے تاب ہو کر ان کی طرف لپکتا ہے اسی طرح محبت اور پیار سے اللہ کو پکارنا ہے اور پریشان حال میں اس کی طرف لپکنا ہے بعض مفسرین نے دوسری تفسیر بھی لکھی ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ جو لوگ صرف دنیا کی خاطر حج کرتے ہیں انہیں آخرت میں کچھ اجر نہیں ملے گا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے کہ بعض حاجی دنیا اور آخرت دونوں مانگتے ہیں اور دوزخ سے بھی پناہ مانگتے ہیں اور پانچویں چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں مانگنے والوں کے ساتھ اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور چھٹی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کا حساب جلدی لیں گے۔ اور ساتویں چیز منیٰ میں ذکر اللہ کے ایام کا تعین ہے کہ وہ تین دن ہیں آٹھویں چیز دل میں خوف الٰہی رکھنے کی تلقین ہے اور نویں چیز عقیدہ قیامت ہے یہ تو اجمالی سرسری تفسیر ہے۔ تفصیل نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے آنے والی احادیث ملاحظہ فرمائیں اور ان احادیث

سے خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ تفسیر اور تشریح قرآن کے لئے اقوال اور فرامین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ضرورت ہے اور اہمیت ہے اگر احادیث نبویہ نہ ہوں تو کسی بھی آیت کی مراد متعین ہو سکتی ہی نہیں اور قرآن سارا مہمل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور منکرین احادیث کا یہی مقصد ہے کہ قرآن کو مہمل اور بے کار بنایا جائے مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے تو کھلم کھلا انہیں کفر کے میدان میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اور انکی بات پر کسی مسلمان نے کان بھی نہیں دھرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے انکار حدیث کی راہ اختیار کی ہے۔ کیونکہ ترک احادیث سے قرآن مہمل ہو جاتا ہے اور اس سے انکار قرآنی کی راہ ہموار ہو جائے گی مگر علماء حق نے ایسے شیطانی اور طاغوتی عناصر کو ہمیشہ دندان شکن جوابات دیئے ہیں اور انشاء اللہ العزیز ہمیشہ دیتے رہیں گے۔

دسویں ذی الحجہ کو منی میں پہنچ کر پہلے آخری جمرہ پر سات کنکریاں مارنے کا طریقہ

عن جابر قال رايت النبى صلى الله عليه وسلم يرمى على راحلته يوم النحر و يقول لتاخذوا مناسككم فانى لا ادرى لعلى لا احج بعد حجتى هذه رواه مسلم.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ کو اپنی اونٹنی پر سوار قربانی کے دن کنکریاں مارتے دیکھا آپ کنکریاں مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے حج کے ارکان وافعال سیکھ لو۔ اس لئے کہ میں نہیں جانتا شاید کہ اس حج کے بعد مجھ کو دوسرے حج کا موقع نہ ملے (مسلم)

وعنه قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم رمى

الجمرة بمثل حصى الخذف رواه مسلم.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارتے دیکھا۔ (مسلم)

و عنه قال رمى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمرة يوم النحر ضحى و اما بعد ذلك فاذا زالت الشمس متفق عليه.

حضرت جابرؓ نے کہا کہ قربانی کے دن رسول اللہؐ نے جمرہ پر کنکریاں ماریں چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے اور اس کے بعد دن ڈھلے۔ (بخاری و مسلم)

وعن عبدالله ابن مسعود انه انتهى الى الجمرة الكبرى فجعل البيت عن يساره و منى عن يمينه و رمى بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة ثم قال هكذا رمى الذى انزلت عليه سورة البقره متفق عليه.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ جمرہ عقبہ پر پہنچے اور (اس طرح کھڑے ہوئے کہ) بیت اللہ کو بائیں جانب کیا اور منی کو داہنی طرف اور سات کنکریاں ماریں ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا اور پھر لوگوں سے کہا کہ اسی طرح کنکریاں ماری ہیں اس شخص نے جس پر نازل ہوئی سورۂ بقرہ۔ (بخاری و مسلم)

وعن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الاستجمار تو رمى الجمار تو والسعى بين الصفا والمروة تووالطواف تووا ذا استجمر احدكم فليستجمربتو رواه مسلم.

حضرت جابرؓ نے کہا فرمایا رسول اللہؐ نے کہ استنجا طاق ہے (یعنی استنجے کیلئے طاق ڈھیلے لینے چاہئیں) یعنی تین۔ پانچ سات) اور رمی جمار بھی طاق ہے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا بھی طاق ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص اگر وغیرہ کی دھونی لے تو طاق مرتبہ لے۔

(مسلم)

عن قدامة بن عبدالله بن عمار قال رايت النبى صلى الله عليه وسلم يرمى الجمراة يوم النحر على ناقة صهباء ليس ضرب ولا طرد و ليس قيل اليك رواه الشافعى و الترمذى والنسائى وابن ماجه والدارمى.

حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو قربانی کے دن صہبا (سرخ و سفید) اونٹنی پر سوار کنکریاں مارتے دیکھا نہ تو وہاں مارنا تھا نہ ہانکنا اور نہ ہٹو۔ (شافعی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی۔ دارمی)

وعن عائشه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال انما جعل رمى الجمار والسعى بين الصفا والمروة لاقامة ذكرالله رواه الترمذى والدارمى و قال الترمذى هذا حديث حسن.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جمروں پر کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا صرف ذکر الٰہی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ (ترمذی۔ دارمی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

وعنها قالت قلنا يا رسول الله الانبنى لك بناء يظللك بمنى

قال لا منی مناخ من سبق-(رواہ الترمذی و ابن ماجه والدارمی)

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا آپ کے لئے منی میں کوئی سایہ دار عمارت بنادیں آپ نے فرمایا نہیں منی اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو پہلے پہنچے۔

(ترمذی۔ابن ماجہ۔دارمی)

عن نافع قال ان ابن عمر کان یقف عندالجمرتین الاولین وقوفا طویلا یکبر الله و یسبحه و یحمده و یدعوالله ولا یقف عندجمرة العقبة رواه مالك.

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ جمرہ اولے اور جمرہ وسطے پر بہت دیر تک ٹھہرتے اور اللہ اکبر. سبحان الله اور الحمد الله کہتے رہتے تھے۔اور پھر خدا تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرتے تھے۔ (مالک)

تشریح: یہاں اس بحث میں نو احادیث نقل ہیں اور یہ احادیث مشکوۃ باب رمی الجمار سے منقول ہیں اور یہ ساری احادیث سورۃ البقرہ کے اس جملہ اذا قضیتم مناسککم کی تفسیر ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حج کے احکام پورے کرو تو پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو مگر یہاں جگہ کا بھی ذکر نہیں ہے کہ کس جگہ یہ احکام پورے کرنا ہیں۔ کس طرح پورے کرنا ہیں، وہ کیا کیا ہیں، ان کی حیثیت کیا ہے، وہ کتنے ہیں۔ یہ سب اجمال ہے البتہ اتنا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ ابھی کچھ احکامات باقی ہیں یعنی سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ خودبخود اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ احکامات تو اس سے قبل عرفات میں اور مزدلفہ میں ادا ہو چکے ہیں مگر

ابھی کچھ باقی ہیں وہ ابھی ادا نہیں ہوئے وہ ابھی منی میں ادا کرنا ہے۔ چنانچہ
تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

پہلی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اس
میں پانچ چیزوں کا بیان ہے پہلی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری ماری
دوسری یہ ہے کہ وہ کنکری سوار ہونے کی حالت میں ماری۔ تیسری یہ ہے کہ
کنکری نحر کے دن ماری یعنی دسویں ذی الحجہ کو ماری۔ چوتھی یہ ہے کہ آپؐ نے
فرمایا کہ مناسک مجھ سے سیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کنکری مارنا مناسک حج میں
شامل ہے۔ اور پانچویں چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی پیشن گوئی
فرمائی۔ اور دوسری حدیث بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے
یہ حدیث پہلی حدیث کی تشریح ہے کیونکہ پہلی حدیث میں صرف رمی کا ذکر ہے
یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو رمی کی ہے پس حدیث نمبر
میں آگیا کہ آپ نے جمرہ پر رمی کی ہے۔ اور پہلی حدیث میں یہ ذکر بھی نہیں ہے
کہ وہ کنکری کتنی بڑی تھیں اور اس حدیث میں آگیا کہ وہ چنے کے دانے برابر
تھی۔ اور تیسری حدیث بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اس
میں پہلے یہ اضافہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رمی دسویں ذی الحجہ
چاشت کے وقت کی تھی۔ اور گیارہویں۔ بارہویں کی رمی آپ نے سورج ڈھلے
کے بعد کی تھی۔ اور چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
منقول ہے اس میں مزید تفصیل ہے کہ آپ نے بڑے جمرہ (عقبہ) کو مارا تھا
بیت اللہ کو اپنی دائیں جانب اور منی اپنی بائیں رکھ کر سات کنکریاں ماری تھیں
اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اور فرماتے تھے اس طرح رمی کی۔

اس ذات نے جس پر سورۃ بقرہ نازل کی گئی ہے اور پانچویں حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ سات کنکریاں مارنا ہے اور چھٹی حدیث حضرت قدامہ سے منقول ہے اس میں باقی مضمون تو ماسبق والا ہے البتہ اتنا اضافہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کنکریاں مار رہے تھے تو آپ کے سامنے سے لوگوں کو ہٹایا نہیں جاتا تھا بلکہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر مار رہے تھے اور ساتویں حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا یہ ذکر اللہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے پس آیت اذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کا معنی اور مقصد یہ بنے گا کہ مناسک میں سے جب بھی کوئی منسک ادا کرو تو ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یعنی اللہ اکبر کہو اور آٹھویں حدیث کا مقصد یہ ہے کہ منی تمام حجاج کے قیام کی جگہ ہے کوئی شخص منی کی کوئی جگہ اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ خصوصی جگہ بنانا چاہتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت نہیں دی تھی اگر آپ اجازت دیتے اور صحابہ آپ کے لئے جگہ بناتے تو یہ سنت بن جاتی مگر آج وہاں بڑی بڑی خصوصی عمارتیں بنی ہوئی ہیں جو سراسر اس حدیث کی خلاف ورزی ہے اور نویں حدیث حضرت نافع سے منقول ہے اسکا مقصد یہ ہے کہ جب جمرہ اولی اور وسطی کی رمی کرنا ہے تو وہاں تادیر تک ٹھہرنا ہے اور اللہ اکبر سبحان اللہ والحمد اللہ کہنا ہے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرنا تو حاصل یہ ہوا فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ والی آیت مجمل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفصیل بتائی ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ یہ رمی کرنا واجب ہے۔

دسویں ذی الحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد دوسرا کام ہدیہ ذبح کرنا ہے

جعل اللہ الکعبة البیت الحرام قیام للناس والشهر الحرام والهدیه والقلائد ذالك لتعلموا ان الله یعلم ما فی السموت وما فی الارض و ان الله بکل شئی علیم-(سورۃ المائدہ آیت ۹۷)

اللہ نے کعبہ کو جو بزرگی والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام کا باعث کردیا ہے اور عزت والے مہینے کو اور حرم میں قربانی والے جانور کو بھی اور جن گلے میں پٹہ ڈال کر کعبہ کو لے جائیں یہ اس لئے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر: اس آیت میں چار چیزوں کو قیام للناس فرمایا ہے بیت اللہ۔ اشہر حرم۔ ہدیہ۔ قلائدہ۔ ہدیہ وہ جانور ہے جسے مکہ میں رضاء الٰہی کے لئے قربانی کرنے کو لے جائیں اور گلے میں پٹہ نہ ہو اور قلائدہ وہ ہے جس کے گلے میں پٹہ بھی ہو اور قیام للناس سے مراد وحدت ملی کا عملی ثبوت ہے جو ایام حج میں پیش کیا جاتا ہے اور اس سے ایمان بالغیب بھی پیدا کرانا مقصود ہے۔ اس وقت ہدیہ کی تفسیر عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم پر ہدیہ اور قلائدہ رکھا ہے مگر اس میں یہ نہیں بتایا کہ وہ ہدیہ اور قلائدہ کیا کرنا ہے اور کہاں لے جانا ہے۔ اس کی تشریح یہاں نہیں ہے۔ سورۃ الحج میں اس کی تفسیر موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ مجمل آیات کی تفسیر یا تو اسی جگہ فرمادیتے ہیں یا کسی دوسری سورۃ میں بیان فرماتے ہیں یہاں اس کی تشریح سورۃ الحج میں

ہے جو عن قریب آرہی ہے۔

و اذا بوانا لابراهيم مكان البيت ان لا تشرك بى شئيا و طهر بيتى للطائفين والقائمين والركع السجود و اذن فى الناس بالحج يأتوك رجالا و على كل ضامر ياتين من كل فج عميق ليشهدوا منافع لهم و يذكروا اسم الله فى ايام معلومت على مارزقهم من بهيمة الانعام فكلوا منها و اطعموا البائس الفقير لكم فيها منافع الى اجل مسمى ثم محلها الى البيت العتيق (سورة الحج آيت ٢٦.٢٧.٢٨.٣٣.٣٦)

اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے کعبہ کی جگہ معین کردی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے کہ تیرے پاس پا پیادہ اور پتلے دبلے اونٹوں پر دور دراز راستوں سے آئیں تاکہ اپنے فائدوں کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ جو چار پائے اللہ نے انہیں دیئے ہیں ان پر مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں پھر ان میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔ تمہارے لئے ان میں ایک وقت معین تک فائدے ہیں پھر اس کے ذبح ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے۔

والبدن جعلنها لكم من شعائر الله لكم فيها خير. فاذكروا اسم الله عليها صواف فاذا وجبت جنوبها فكلوا منها واطعموا القانع والمعتر. كذالك سخرنها لكم لعكم تشكرون.

اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں

سے بنایا ہے تمہارے لئے ان میں فائدے بھی ہیں پھر ان پر اللہ کا نام
کھڑا کر کے لو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ
اور سائل کو بھی کھلاؤ اللہ نے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ
تم شکر کرو۔

تفسیر: والبدن کا ذکر بھیمة الانعام میں آچکا ہے اس کو دوبا
مستقل طور پر ذکر کرنے کا مقصد تاکید ہے اور اسے ذبح کرنے کا طریقہ بتایا
کہ اسے کھڑے کر کے ذبح کرنا ہے۔ عام جانوروں کی طرح بھی اسے ذکر
جاسکتا ہے مگر اسے کھڑا کر کے ذبح کرنے میں آسانی ہے۔

تفسیر: یہاں پانچ آئتیں نقل کی گئی ہیں اور یہ آیات سورۃ الما
آیت ۹۷ کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کع
لوگوں کے قیام کی جگہ بنایا ہے الخ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم
کہ وہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے وغیرہ ذالک تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی سورۃ الحج کی
آیات میں اس کی وضاحت فرمادی چنانچہ آیت ۲۶ میں فرمایا ہے کہ ہم نے
ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ متعین کر کے بتادی تھی اور ساتھ ساتھ
انہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں بنانا اور میرے گھر
عبادت گزاروں کے لئے پاک رکھنا ہے اور یہ بھی اسے کہا تھا کہ تمام لوگوں میں
حج کا اعلان کرتے رہنا لوگ خود بخود دور دراز سے پیدل چل کر بھی وہ آئیں گے
اور سوار ہو کر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو منافع رکھے ہیں وہ ان کا مشاہد
کریں گے اور جو چارپائے اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے ہیں ان پر مقرر دنوں میں
اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں گے۔ پھر ان میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی

کھلاؤ۔ آیت چھبیس اور ستائیس کی بقیہ تشریح پہلے بیان ہو گئی ہے۔ یہاں آیت اٹھائیس اور تینتیس کی تشریح عرض کرنا ہے کہ سورۃ المائدہ والی آیت میں جس ہدیہ کا ذکر ہے اسے بیت اللہ کے آس پاس اور مکہ کے ایریا میں ذبح کرنا ہے اور ذبح کرتے وقت اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا ہے اور پھر حاجی خود بھی اسے کھا سکتا ہے اور فقیروں کو بھی کھلوائے اور آیت چھتیس میں اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنے کا حکم آیا ہے۔ بہر حال ان آیتوں میں پھر بھی اجمال ہے ان میں بسم اللہ اور ایام معلومات اور بہیمۃ الانعام کی تفسیر منقول نہیں اور نیز کلوا منہا اور اطعموا لبائس الفقیر کی تفسیر نہیں۔ یہ تفسیر آئندہ احادیث میں آ رہی ہے۔

اونٹ۔ گائے۔ بکری وغیرہ میں سے دوندے جانور کی قربانی جائز ہے

عن جابر قال قال رسول اللہ(صلی اللہ علیه وسلم) لا تذبحوا لامسنته الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان(رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت ذبح کرو مگر مسنا اگر وہ مشکل ہو تم پر تو پھر ذبح کرو چھ ماہ کا دنبہ (یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے)

عن مجاشع من بنی سلیم ان رسول اللہ (صلی اللہ علیه وسلم) کان یقول ان الجذعة یوفی مما یوفی منه الثنی (رواہ ابوداؤد. والنسائی و ابن ماجه)

حضرت مجاشع جو بنی سلیم سے تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ کی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جذعہ کفایت کرتا ہے اس سے جس سے کفایت کرتا ہے ثنی (یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے)

تشریح: یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ سے نقل کی گئی ہیں اور یہ دونوں حدیثیں سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملہ **بھیمة الانعام** کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ بیت اللہ میں چارپائے بطور ہدیہ لے جانا ہے مگر ان چارپاؤں کی عمریں تو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی ہیں کہ وہ کتنی عمر کے ہونے چاہئیں اور ظاہر بات ہے کہ ان کی عمر کا کوئی لحاظ تو ہوگا پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بیان فرمائی ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی فصاحت وبلاغت اور دانش بھی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے یہاں اپنے دو الفاظ بولے ہیں ایک مسنہ اور الثنی۔ شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ دونوں کا ایک ہی مقصد ہے۔ مسنہ اور ثنی اونٹوں میں سے وہ ہے کہ جس کی پانچ سال عمر پوری ہوگئی ہو اور چھٹا سال اس کا شروع ہو اور گائے میں سے وہ ہے کہ جس کی دو سال عمر ہوگئی ہو اور بکری اور دنبہ میں سے وہ ہے کہ جس کی ایک سال عمر ہوگئی ہو اور اگر بکری اور دنبہ میں سے وہ ہے کہ جس کی ایک سال عمر ہوگئی ہو اور اگر دنبہ سال بھر کا نہ ملے تو چھ ماہ کا بھی کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ سال بھر کے دنبہ کی طرح قد آور ہو۔ مقصد یہ ہے کہ مسنہ اور ثنی سے کم عمر کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے زیادہ عمر والوں کی قربانی ہو سکتی ہے بہر حال بھیمۃ الانعام کے الفاظ میں اجمال تھا کہ وہ کیسا ہونا چاہئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیل بیان فرمادی ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے قربانی ان چار قسم کے جانوروں کی جائز ہے اونٹ۔ گائے اور بھینس گائے میں شامل ہے بکری اور دنبہ کیونکہ مسنہ اور ثنی انہیں جانوروں کے مذکورہ عمر والے بچوں کو کہتے ہیں اور مذکورہ عمر سے کم والوں کی قربانی جائز نہیں۔ نیز ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی حکم اس وقت دیا تھا جب وہ سعی کے قابل ہو گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اس درجہ کی قربانی اللہ تعالیٰ کو جانوروں میں سے منظور ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو تفسیر بیان فرمائی تھی۔ یہ کہاں سے بیان فرمائی تھی؟ بھیمۃ الانعام سے تو معلوم نہیں ہوتی پس اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے تھے تو اس وقت آپ کے پیش نظر پورا قرآن ہوتا ہے یعنی سارے قرآن پر غور کر کے وہ تفسیر بیان فرماتے تھے اور قرآن مجید میں دوسری جگہ موجود ہے لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون اور ثنی اور مسنۃ سے کم عمر والے جانور اتنے محبوب اور قیمتی نہیں ہوتے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استنباط کر کے یہ تفسیر یہاں فرمائی تھی۔ (واللہ اعلم)

مندرجہ ذیل عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے

و عن علی قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن و ان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولاخرقاء رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی والدارمی و ابن ماجہ و انتہت روایتہ الی قولہ الاذن.

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم

کو حکم فرمایا کہ ہم اچھی طرح دیکھ لیا کریں (کہ قربانی کا جانور صحیح سالم، تندرست اور توانا ہے) آنکھ اور کان کو اور ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا اگلی طرف سے کان کٹا ہوا ہو یا پچھلی طرف سے اور نہ اس جانور کو کہ اس کے کان چیرے ہوئے ہوں، دراز ہوں یا تھے ہوں، اس کو ترمذی، ابوداؤد، نسائی دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کی روایت قول الاذن تک تمام ہو جاتی ہے۔

وعنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نضحى باعضب القرن والاذن. رواه ابن ماجه.

اور انہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانور کی قربانی کرنے سے منع کیا ہے جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مذہب امام حنیفہ کا یہ ہے کہ جس جانور کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں یا خول ان کا اتر گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے حدیث میں نہی تنزیہی ہے۔

و عن البرآء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل ماذا يتقى من الضحايا فاشار بيده فقال اربعا العرجاء البين ظلعها والعوراء البين عورها والمريضة البين مرضها والعجفاء التى لا تنقى-(رواه مالك و احمد والترمذيو ابودائود والنسائى و ابن ماجه والدارمى)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون کون سے جانور قربانی کے لائق

نہیں آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے ایک تو لنگڑا کہ اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، دوسرا کانا کہ اس کا کانا پن ظاہر ہو۔ تیسرا بیمار کہ اس کی بیماری ظاہر ہو اور چوتھا دبلا کہ ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ اس کو مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

تفسیر: اس بحث میں تین احادیث منقول ہیں اور یہ احادیث سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملہ بہیمۃ الانعام کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں جانوروں کے عیوب کا ذکر نہیں ہے مجمل ہے اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے جو مندرجہ بالا احادیث میں موجود ہے اور ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت اور تفصیل کہاں سے بیان فرمائی تھی آپ تو دینی معاملات میں اپنی طرف سے کوئی بات کرنے والے نہیں تھے پس اس کا جواب وہی ہے جو اس سے پہلے گزر گیا ہے کہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب چیز خرچ نہیں کرو گے اور احادیث میں مذکورہ عیوب والا جانور محبوب اور قیمتی نہیں ہوتا معمولی ہوتا ہے کہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت سے استنباط کر کے یہ وضاحت بیان فرمائی ہوگی اور ہم نے باربار عرض کیا ہے کہ ایسی تفسیر بیان کرنا صرف امام الانبیاء علیہ السلام کا ہی کام تھا ورنہ بہیمۃ الانعام سے یہ تفسیر سمجھ نہیں آتی۔ کیونکہ بہیمۃ الانعام تو حلال و حرام عیب دار سب جانوروں کو شامل ہے لہذا قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے احادیث نبویہ کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ یہ کہتے

ہیں کہ احادیث کی ضرورت نہیں وہ دراصل قرآن ہی کے منکر ہیں مگر انکار قرآن سے انہیں کفر کے میدان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اس لئے انہوں نے انکار حدیث کی راہ اختیار کی ہے کیونکہ قرآن حدیث کے سوا سمجھ ہی نہیں آئے گا تو لوگ اسے خود مسترد کردیں۔ گے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری لیکن ہر زمانہ میں مردان حق نے انہیں منہ توڑ جواب دیا ہے اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے۔

بطور علامت ہدیہ کے جانور کو ہار ڈالنا اور کوہان پر کچھ زخم کرنا جائز ہے

عن ابن عباس قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر بذی الحلیفة ثم دعا بناقته فاشعرها فی صفحة سنامها الایمن و سلت الدم عنها و قلدها نعلین ثم رکب راحلته فلما استوت به علی البیداء اهل بالحج رواه مسلم.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی پھر اپنی قربانی کی اونٹنی کو منگوایا اور اس کے کوہان کے داہنی جانب کے کنارے پر زخم کیا اس کا خون پونچھا اور اس کے گلے میں جوتیوں کا ہار ڈالا پھر اپنی سواری پر جس کا نام قصوا تھا سوار ہوئے پس جب اونٹنی کو لے کر بیداء سے چلے تو آپ نے حج کی لبیک کہی۔ (مسلم)

وعن عائشه قالت فتلت قلائد بدن النبی صلی اللہ علیه وسلم بیدی ثم قلدها واشعرها و اهداها فما حرم علیه شئی کان احل له متفق علیه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ کے قربانی کے جانوروں کے ہاروں کی رسی میں نے اپنے ہاتھوں سے بٹی پھر آپؐ نے ہاروں کو ان کے گلے میں ڈالا ان کے کوہان کو زخمی کیا اور قربانی کے جانور بنا کر ان کو مکہ کی طرف روانہ کر دیا اور رسول اللہؐ پر ان جانوروں کے بھیجنے سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

وعنها قالت فتلت قلائدها من عهن كان عندى ثم بعث بها مع ابى متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ہاروں کی رسی بٹی اس رنگین اون سے جو میرے پاس تھا پھر اسے میرے والد کے ساتھ بھیجا۔ (بخاری و مسلم)

وعن عائشه قالت اهدى النبى صلى الله عليه وسلم مرة الى البيت غنما فقلد ها متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے بکریوں کو قربانی کے لئے بیت اللہ کی طرف بھیجا اور ان کے گلے میں ہار ڈالا۔ (بخاری و مسلم)

تفسیر : یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث سورۃ المائدہ کی آیت ستانویں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدیہ اور قلائد کو بنایا ہے یعنی ہدیہ کے جانور کے گلے میں ہار ڈالنا چاہو تو ڈال سکتے ہو اور اگر نہ ڈالنا چاہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کے گلے میں

ہار ڈالا ہے یعنی آپ نے قلائدہ والی صورت کو ترجیح دی تھی۔ اب اگر اسے سنت سمجھ کر کوئی کرے تو بہتر ہے اور دوسرا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کی کوہان کو کچھ زخمی کیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے ڈاکو ان جانوروں کو لوٹ لیتے تھے۔ اور اگر کسی جانور کی کوہان کو زخمی دیکھتے تو اسے لوٹتے نہیں تھے۔ اور آج یہ خطرات نہیں ہیں، اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے تاہم اگر کوئی اسے سنت سمجھ کر کرے تو جائز ہے۔ ثواب اسے ہوگا لیکن زیادہ زخمی کرنا بدعت ہے اس سے جانور کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور بکری کو زخمی کرنا جائز ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کمزور ہے۔ یہ شعار صرف گائے اور اونٹ میں کیا جاسکتا ہے۔

گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں

وعن جابر قال نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحد یبیۃالبدنہ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ رواہ مسلم.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال میں ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ قربانی کی اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔ (مسلم)

وعن جابر قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشہ بقرۃ یوم النحر رواہ مسلم.

حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن حضرت عائشہؓ کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی۔

وعنہ قال نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ بقرۃ فی

حجية رواه مسلم.

حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی۔ (مسلم)

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں احادیث سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کی تشریح ہے کیونکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ سورۃ المائدہ والی آیت میں جس ہدیہ کا ذکر ہے وہ بہیمۃ الانعام ہونا چاہئے مگر بہیمۃ الانعام کی تفصیل نہیں ہے کہ ایک آدمی ہی اسے ذبح کرے یا زیادہ بھی شامل ہو کر اسے ذبح کر سکتے ہیں حضرت جابرؓ والی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سات آدمی اونٹ اور گائے میں شریک ہو سکتے ہیں اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی بھی گائے قربان کر سکتا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے قربان کی تھی۔ مگر اس روایت میں تمام بیویوں کی تعداد کا ذکر تو نہیں ہے مگر پہلی دو روایتوں کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سات ہی ہوں گی۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور بکری یا دنبہ کی قربانی میں زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ بتایا کہ اونٹ یا گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یہ آپ نے کہاں سے بیان فرمایا تھا۔ قرآن مجید کی کس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینی معاملات میں اپنی طرف سے تو کوئی بات کرنے والے نہیں تھے آپ کو تو صرف تشریح و توضیح اور تبلیغ قرآن کا حق تھا۔ آپ کو کتاب الٰہی

میں تحریف و تبدیلی اور ترمیم کا حق نہیں تھا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ آپنے قربانی کے جانوروں میں شرکت کے لئے یہ جو توضیح اور تشریح بیان فرمائی ہے یہ حضرت اسماعیل کا فدیہ جو دنبہ دیا گیا تھا اس سے ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک گائے یا اونٹ اوسط درجے کے سات دنبوں یا بکریوں کے برابر ہو سکتے ہیں اور ایسی تشریح اور تفسیر سمجھنے کی توفیق اور ملکہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ودیعت رکھا تھا۔

بوقت مجبوری ہدیہ کے جانور پر آدمی سوار ہو سکتا ہے

وعن ابی هریره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رای رجلا یسوق بدنة فقال ارکبها فقال انها بدنة قال ارکبها فقال انها بدنة قال ارکبها ویلك فی الثانیة او الثالثة متفق علیه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے قربانی کے جانور کو ہنکائے لئے چلا جارہا تھا آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا اس نے عرض کیا یہ قربانی کا جانور ہے فرمایا سوار ہو جا اس نے پھر یہی کہا کہ قربانی کا جانور ہے فرمایا سوار ہو جا اس نے پھر یہی کہا کہ یہ قربانی کا جانور ہے آپ نے فرمایا سوار ہو جا افسوس ہے تجھ پر۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابی الزبیر قال سمعت جابر ابن عبدالله سئل عن رکوب الهدی فقال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ارکبها بالمعروف اذ الجئت الیها حتی تجد ظهرا رواه مسلم.

حضرت ابوالزبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ بن عبداللہ سے سنا کہ

ان سے قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا مسئلہ پوچھا گیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ سوار ہو اس پر احتیاط سے (کہ اس پر ضرر نہ پہنچے) جبکہ تو سوار ہونے پر مجبور ہو یہاں تک کہ تجھ کو کوئی اور سواری مل جائے۔ (مسلم)

تشریح: یہ احادیث سورۃ المائدہ کی آیت ستانویں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدیہ کو محترم بتایا ہے۔ یعنی جس طرح بیت اللہ محترم ہے اسی طرح وہ جانور جو وہاں بطور ہدیہ لے جایا جائے وہ بھی محترم ہے اب اگر کسی کے پاس ہدیہ کا اونٹ ہے اور اس کے پاس سواری کے لئے کوئی اور چیز نہیں ہے تو کیا اس پر سوار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے۔ یہ اس کی توہین نہیں ہے ہاں اگر اس کے پاس سواری کا جانور یا کوئی گاڑی وغیرہ ہو تو پھر اس ہدیہ کے جانور پر سوار ہونا ضرور بے ادبی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ یہ تفسیر سورۃ بقرہ اس آیت لا یکلف الانفسا الا وسعھا سے ماخوذ نظر آتی ہے اگر اس مجبوری کی حالت میں بھی آدمی اگر اس پر سواری نہیں کرے گا تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے اور خود اس ہدیہ کے لئے نقصان کا خطرہ ہے اور اس کا حرم تک پہنچنا بھی مشکل ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر اور تفصیل بیان فرمائی تھی۔

راستے میں ہلاک ہونے والے ہدیہ کا حکم

و عن ابن عباسؓ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستة عشر بدنة مع رجل و امره فیها فقال یا رسول اللہ کیف

اصنع بما ابدع علی منها قال انحرھاثم اصبغ نعلیھا فی دمھا ثم اجعلھا علی صفحتھا و لا تاکل منھا انت ولا احد من اھلٔ رفقتك رواہ مسلم.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ اونٹ ایک شخص کے ساتھ مکہ کو روانہ فرمائے اور ان اونٹوں کا اس کو نگہبان مقرر کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ اگر ان اونٹوں میں کوئی نہ چل سکے کسی بیماری وغیرہ کے سبب یا تھک جانے کی وجہ سے تو میں کیا کروں آپؐ نے فرمایا اس کو ذبح کر لے اور اس کے خون میں ان جوتیوں کو جو اس کے گلے میں پڑی ہیں ڈبو کر اس کے کوہان پر نشان لگادے اور اس کا گوشت نہ تو تو کھا اور نہ تیرے ساتھی۔ (مسلم)

وعن ناجیه الخزاعی قال قلت یا رسول اللہ کیف اصنع بما عطب من البدن قال انحرھا ثم اغمس نعلھا فی دمھا ثم خل بین الناس و بینھا فیاکلونھا رواہ مالك والترمذی و ابن ماجه و رواہ ابو دائود والدارمی عن ناجیه الا سلعی.

حضرت ناجیہ خزاعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ جانوروں کی نسبت کیا کروں جو مرنے کے قریب ہیں قربانی کے جانوروں میں سے آپ نے فرمایا، ان کو ذبح کر لے اور ان کے خون میں ان کو جوان کر گردن میں ان کی گردنوں پر نشان لگادے اور پھر انکو لوگوں میں چھوڑ دے تا کہ وہ اس میں کھائیں۔ (مالک۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح: اس بحث میں دو حدیثیں ہیں۔ یہ مشکوۃ سے منقول ہیں اور یہ احادیث سورۃ المائدہ کی آیت ستانویں اور سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ ہدیہ ایام میں منیٰ میں ذبح کرنا ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ ہدیہ ان تاریخوں میں منیٰ میں نہ پہنچ سکے راستے میں ہی ہلاک ہو جائے تو اس کا کیا کرنا ہے؟ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حدیثوں میں اس کا جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہدیہ ہلاک ہونے کے قریب ہو یا وہ اتنا بیمار ہو کہ چل نہ سکتا ہو تو اسے ذبح کیا جا سکتا ہے مگر اس کے کھانے کے سلسلے میں تفصیل ہے کہ اگر وہ ہدیہ واجب یعنی دم قران یا تمتع ہو تو اسکے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بیچے یا کھائے یا کسی اور کو کھلائے مگر اس کا بدل دے گا اور اگر وہ ہدیہ نفلی ہو تو خود نہیں کھا سکتا اور اس کے قافلے میں شامل لوگ بھی نہیں کھا سکتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانوں کو گوشت مرغوب ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بہانہ بنا کر اسے پہلے ہی ذبح کر لیں اور کھا جائیں حالانکہ اسے حرم لےجاکر ایام منیٰ میں ذبح کرنا ہے وقت سے پہلے اور حرم سے باہر ذبح کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر پہلے ہی ذبح کر کے کھا جائیں تو وہ ثواب حاصل نہ ہو گا جس کی خاطر ہدیہ لے جا رہے تھے۔

لیکن چونکہ اس جانور کا گوشت اب ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے گلے میں جو جوتیوں وغیرہ کا ہار پڑا ہوا ہے ان کو اس کے خون میں ڈبو کر اس کے کوہان پر لگا دو تا کہ اور لوگ آئیں اور دیکھیں اور کھائیں اور ان دو حدیثوں میں جس ہدیہ کا ذکر ہے یہ نفلی ہدیہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین نے آپ کو اور آپ کے

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عمرہ کرنے سے روکا تھا تو آپ نے جو ھدایہ آپؐ خود لے گئے تھے یا آپ کے صحابہ لے گئے تھے وہ ہدایا ناجیہ خزاعی کو دے کر بھیجا تھا اس نفلی ہدیہ کا حکم ہے اور واجب ہدایا کا یہ حکم نہیں ہے جیسا کہ عن قریب آرہا ہے۔

☆☆☆

ھدایا کا گوشت کھانا جائز ہے اور اس کا توشہ بنانا بھی جائز ہے

وعن جابر قال كنا لا ناكل من لحوم بدننا فوق ثلث فرخص لنارسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كلوا وتزودوا فاكلنا وتزودنا متفق عليه۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھاتے تھے پھر اجازت دی رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فرمایا کھاؤ اور توشہ بناؤ (یعنی تین دن کے بعد بھی) پس کھایا ہم نے اور توشہ بنایا ہم نے۔ (بخاری و مسلم)

وعن عبدالله بن قرط عن النبی صلى الله عليه وسلم قال ان اعظم الايام عندالله يوماالنحرثم يوم القر قال ثور وهو اليوم الثانى و قال و قرب الرسول الله صلى الله عليه وسلم بدنات خمس اوست فطفقن يزدلفن اليه بايتهن يبدء قال فلما وجبت جنوبها قال فتكلم بكلمة خفية لم افهمها فقلت ما قال قال قال من شاء اقتطع رواه ابو دائود و ذكر حديث ابن عباس و جابر فى باب الاضحية۔

حضرت عبداللہؓ بن قرط کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں میں بڑا دن قربانی کا دن ہے اور پھر قر کا

دن۔اس حدیث کے راوی ثور نے کہا ہے کہ قر کا دن گیارہویں تاریخ ذی الحجہ کی ہے راوی کا بیان ہے۔کہ پانچ یا چھ قربانی کے جانور قریب لائے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔پس یہ جانور آپ کے قریب آنے لگے۔ تاکہ ان میں سے جس کو چاہیں پہلے ذبح کریں۔راوی کہتے ہیں کہ جب یہ جانور پہلو پر گر پڑے (یعنی ان کو ذبح کر دیا گیا۔) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے کچھ کہا۔جس کو میں نہ سمجھا۔میں نے قریب کے آدمی سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس نے کہا آپ نے فرمایا جو شخص چاہے ان جانوروں میں سے گوشت کا ٹکڑا لے جائے (ابوداؤد) ان عباس اور جابر کی حدیث باب الاضحیہ میں بیان کی گئی ہے۔

عن سلمة بن الاكوع قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة و في بيته منه شئ فلما كان العام المقبل قالوا يا رسول الله نفعل كما فعلنا العام الماضي قال كلوا و اطعموا وادخروا فان ذلك العام كان بالناس جهد فاردت ان تعينوا فيهم متفق عليه.

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو شخص قربانی کر دے پس تیسرے دن کے بعد اپنے گھر میں کچھ نہ رکھے (یعنی گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے) پھر جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا اس سال بھی ہم ایسا ہی کریں جیسا کہ گذشتہ سال ہم نے کیا تھا۔آپ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔اور پچھلے سال میں نے اس لئے منع کر دیا تھا کہ وہ سال محنت اور مشقت اور افلاس کا سال تھا میں نے مناسب سمجھا کہ اس طرح تم غریبوں کو مدد کر سکو گے (اور

گوشت تقسیم کردو گے)(بخاری و مسلم)

وعن نبیشة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا کنا نهینا کم عن لحومها ان تاکلوها فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وأتجروا الا وان هذه الایام ایام اکل وشرب وذکرالله رواه ابوداؤد

حضرت نبیشہ کہتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم تم کو منع کرتے تھے کہ اپنی قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ نہ کھاؤاور اس کی وجہ یہ تھی وسعت ہو(یعنی غربا کواس سے مدد مل جائے)اب خداوند تعالیٰ نے وسعت بخش دی ہے اب تم جب تک کہ جی چاہے کھاؤ۔ جمع رکھو اور صدقہ دو۔ خبردار ہو کہ یہ دن کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں (ابوداؤد)

تشریح : یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں۔اور یہ چاروں مشکوٰۃ المصابیح سے منقول ہیں۔اور یہ چاروں احادیث سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملہ فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر کی تفسیر ہے۔کیونکہ اس سے پہلے منٰی میں ھدایا ذبح کرنے کا بیان ہے۔اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اس میں سے کھاؤاور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔اور یہاں کلوا اور اطعموا دونوں صیغہ امر ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ھدایا کا گوشت حاجی نے کھانا بھی ہے اور اسے غربامیں تقسیم کرنا بھی ہے۔اور اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تین دن سے زیادہ ھدلیا کے گوشت کا ذخیرہ بنانا جائز نہیں۔اور انہیں یہ حکم دیا ہوا تھا کہ وہ گوشت غربا مساکین اور اقرباء میں تقسیم کرو۔اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں

وسعت عطا فرمائی اور آپ کے سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قربانی کے اہل ہو گئے تو پھر آپ نے انہیں اجازت دی تھی کہ اب تم گوشت کا ذخیرہ بنا سکتے ہو جب تک کہ ممکن ہو۔ پس ان جملوں کا مقصد یہ ہوا کہ اگر کوئی بائس الفقیر ہو تو اس کو قربانی ہدایا کا گوشت دینا ہے اور نہ ہو تو وہ گوشت ضائع نہیں کرنا خود کھانا ہے اور جب تک ممکن ہو اسے ذخیرہ بنانا ہے۔ اور آج کل سعودی حکومت اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعہ افغانستان وغیرہ غرباء علاقوں میں وہ گوشت پہنچاتی ہے۔ یہ اچھا اقدام ہے۔ فجزاهم الله احسن الجزاء اور دونوں صیغے کلوا واطعموا استحباب کے لئے ہیں وجوب کے لئے نہیں ہیں۔ اگر وجوب کے لئے ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کا ذخیرہ بنانے کی اجازت نہ دیتے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ اس گوشت کو مالک اور غرباء میں تقسیم نہ فرماتے بلکہ مالک ہی کو کھانے کا حکم دیتے لہٰذا یہ دونوں صیغے امر استحباب کے لئے ہیں۔ یعنی مرضی ہے کہ وہ سارا گوشت کھالے یا سارا افقراء میں تقسیم کر لوے۔

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ 'نیت اور دعا

عن جابر قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح کبشین اقربین مصلحین موجونین فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا واما انا من المشرکینO ان صلوٰتی و نسکی و محیایی و مماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذالك امرت وانا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامة بسم الله والله اکبر ثم ذبح (رواہ احمد، و ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذبح کے دن دو سینگوں والے ابلق خصی دنبے ذبح کئے جب ان کو قبلہ رخ لٹایا تو فرمایا میں نے اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کئے۔ میں ابراہیم کے مذہب پر ہوں جو کٹر توحیدی تھے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز۔ قربانی۔ زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے تابعداروں سے ہوں اے اللہ یہ مال تیری طرف سے آیا ہے اور تیرے لئے ہی قربانی کرتا ہوں اس کو محمد اور اس کی امت کی طرف سے قبول کرنا۔ اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں اور اللہ سب سے بڑا ہے یہ الفاظ پڑھ کر آپ نے جانور ذبح کیا۔ (یہ حدیث امام احمد۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کی ہے)

تشریح: یہ حدیث سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملہ **و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقنھم من بھیمۃ الانعام** کی تفسیر ہے کہ اس جملہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہ حجاج ان چارپاؤں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں گے جو اللہ نے انہیں کھانے کے لئے دیئے ہیں اور اس جملہ میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ زندہ جانوروں پر نام لیں گے یا مردہ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ تفسیر بیان فرمادی کہ اس سے مراد جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے اور وہ الفاظ بھی بتادیئے ہیں کہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کے الفاظ ہیں۔ اور نیت بھی بتادی کہ جانور صرف رضاالٰہی کے لئے ذبح کرنا ہے اور دعا بھی بتادی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نفلی قربانی دوسرے کی طرف سے ہو سکتی ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ لفظ اللہ کے نام کے سوا اور کوئی نام اللہ کا لیا جائے بھی ٹھیک ہے اور نیز پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھنا۔

اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہئے

وعن ابن عمر انه اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحرها قال ابعثها قیاماً مقیدة سنة محمد صلی الله علیه وسلم متفق علیه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ بٹھا کر ذبح کر رہا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کے پاؤں کو باندھ کر ذبح کر کہ یہ طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

تشریح: یہ حدیث مشکوۃ سے منقول ہے اور یہ حدیث سورۃ الحج کی آیت چھتیس کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت سے اشارہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہئے۔ صیغہ امر نہیں ہے صیغہ امر ذکر اللہ کا ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حدیث میں یہی فرمایا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس ذابح کے لئے بھی آسانی ہے اور اس اونٹ کی جان کنی میں بھی آسانی ہو گی اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اونٹ کو لٹا کر ذبح کرنا بھی جائز ہے مگر کھڑا کر کے ذبح کرنا افضل ہے۔ اور دوسری حدیثوں میں موجود ہے کہ اگر کوئی جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام قصداً ترک کر دے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا اگر بھول کر رہ جائے تو کوئی حرج نہیں اور باقی گائے۔ بکری وغیرہ کو لٹا کر گلے سے ذبح کرنا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہاں اونٹ کی ذبح کا طریقہ بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقیوں کو لٹا کر ذبح کرنا ہے۔

قصاب کو اجرت میں ہدیہ کا گوشت اور چمڑہ دینا جائز نہیں

وعن علی قال امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اقوم علی بدنه و ان اتصدق بلحمها و جلودها و اجلتها و ان لا اعطی الجزار

منها قال نحن نعطيه من عندنا متفق عليه.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپؐ کے اونٹوں کی خبر گیری کروں اور ان کے گوشت کو خیرات کر دوں اور چمڑہ اور جھولیں بھی صدقہ کر دوں اور قصائی کی مزدوری اس میں سے نہ دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدوری ہم اپنے پاس سے دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث مشکوۃ سے منقول ہے اور یہ بھی سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملہ فکلوا منها واطعموا البائس الفقير کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں فرمایا ہے کہ اس قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے کھاؤ اور فقیروں کو بھی کھلاؤ مگر یہ تفصیل نہیں کہ اس کے جسم کے کس کس حصہ کو کھانا ہے اور کس کو نہیں کھانا اور یہ بھی وضاحت نہیں فرمائی کہ کیا اس کے گوشت کو بیچ سکتا ہے یا نہیں اور اس کے چمڑے کو کیا کرنا ہے؟ یہ سب اجمال ہے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس کی وضاحت فرما دی کہ اس جانور کے گوشت اور چمڑے کو اجرت میں دینا جائز نہیں اس کی ذبح کی اجرت حاجی اپنے پاس سے دے۔ اور اس چمڑہ کے بارے میں فقہا نے لکھا ہے کہ اس کی حیثیت بھی قربانی کے گوشت جیسی ہے یعنی جس طرح گوشت انسان خود بھی استعمال کر سکتا ہے غرباء اور مساکین کو بھی دے۔ اسی طرح اس چمڑے کو بھی استعمال کر سکتا ہے اور کسی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے اور اگر اسے فروخت کرے تو پھر اس کی قیمت خود نہیں استعمال کر سکتا وہ صرف غرباء پر ہی خرچ کی جائے گی یہ سارا مضمون فکلوا منها و اطعموا البائس الفقير میں سمیٹا ہوا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تفصیل بیان نہیں فرمائی تھی اور ہدیہ کا جانور خواہ نفل ہدیہ

کا ہو یا ہدیہ تمتع اور قران ہو ان سب کا گوشت کھانا جائز ہے اور مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر سو اونٹ ذبح کئے تھے اور وہ کچھ تمتع کے تھے یا قران کے تھے اور زیادہ تر تو نفلی ہی تھے اور ان میں سے کچھ نہ کچھ کھایا تھا یا فقراء کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

فضائل قربانی اور ہدایا

و عن عائشه قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی الله من اهراق الدم وانه لیاتی یوم القیمة بقرونها و اشعارها و اظلافها و ان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع بالا رض فطیبوا بها نفسا(رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحر کے دن اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ کوئی بھی عمل ابن آدم کا زیادہ محبوب نہیں اور قیامت کے دن وہ جانور اپنے سینگھوں بالوں اور کھر وں کے ساتھ آئے گا اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں درجہ قبولیت پاتا ہے پس اس کے ذریعہ سے نفسوں کو خوش کرو۔ یہ حدیث صاحب مشکوۃ نے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے نقل کی ہے۔

عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یا رسول الله ماهذا الا ضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم علیه السلام قالوا فمالنا فیها یا رسول الله قال بکل شعرة حسنة قالوا فاالصوف یا رسول الله قال بکل شعرة من الصوف حسنة (رواه احمد و ابن ماجه)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا کہ یہ قربانی کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کا کیا ثواب ملے گا تو آپ نے فرمایا کہ ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی پھر انہوں نے عرض کیا کہ اون تو آپ نے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی ملے گی (یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے)

ہدایا ذبح کرنے کی جگہ

ثم محلها الی البیت العتیق ۔ پھر اس کے ذبح ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے۔

تفسیر: یہ جملہ اس سے پہلے آیت اٹھائیس کے **و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهیمة الانعام** کی تفسیر ہے کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہدایا کے جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں ذبح کرنا ہے تفصیل نہیں بیان فرمائی اور اس جملہ میں تفصیل بتادی ہے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے قریب ذبح کرنا ہے مگر پھر بھی اجمال باقی ہے کیونکہ بیت اللہ کے قرب وجوار میں تو بہت سار قبہ ہے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیث میں یہ تفصیل بتادی ہے۔

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحرت ههنا و منی کلها منحرفا نحروا فی رحالکم و وقفت ههما و عرفه کلها موفق و وقفت ههنی و جمع کلا مرفق(رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہاں قربانی کی ہے اور منی سب قربانی کی جگہ ہے اپنی

اپنی رہائش گاہوں میں قربانی کرلو۔ اور میں نے یہاں عرفات میں وقوف کیا ہے اور عرفات سب وقوف کی جگہ ہے جہاں کوئی چاہے وقوف کرلے۔ اور میں نے یہاں مزدلفہ میں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ سب وقوف کی جگہ ہے یہ حدیث صاحب مشکوۃ نے امام مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے جو حضرت جابر سے منقول ہے کہ کل فجاج مکہ طریق و منحر کہ مکہ کی تمام گلیاں راستے اور قربانی کی جگہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ مکہ کی تمام گلیوں میں اور منی میں ذبح کیا جاسکتا ہے اور آج کل سعودی حکومت نے ذبح خانہ منی میں مقرر کیا ہوا ہے یہ صرف گندگی سے بچاؤ کے لئے ہے حرج نہیں ہے۔

مقصد قربانی اور ہدایا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے

لن ينال الله لحومها ولا دمائوها ولكن يناله التقوى منكم كذالك سخرها لكم لتكبروا الله على ماهداكم و بشر المحسنين

(سورة الحج۔آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ کو نہ ان کا گوشت اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ تمہاری پرہیزگاری اس کے ہاں پہنچتی ہے اسی طرح انہیں تمہارے تابع کردیا ہے تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور ان کو خوشخبری سنادو۔

تفسیر: اس آیت میں قربانی کے دو مقصد بیان فرمائے ہیں ایک انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے تقویٰ کے دو درجے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ ہے اور دوسرا ادنیٰ درجہ ہے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے حلال و حرام ہونے میں آدمی کو شک پڑے وہ بھی نہ کھائے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عقیدہ توحید پر پختہ یقین ہو اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ

انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی بیان کرے جس کا طریقہ ابواب ماسبق میں بیان ہوا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قربانی کا مقصد انسان کے اندر اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب پیدا کرنا ہے اور مادہ پرستی نکالنا ہے۔

متمتع اور قارن پر ہدیہ واجب ہے

فاذا امنتم فمن تمتع باالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيامِ ثلة ايام فى الحج و سبعة اذا رجعتم تلك عشرة كامله ذالك لمن يكن اهله حاضرى المسجد الحرام۔

(سورة بقرة آيت١٩٦)

پھر جب تم امن میں ہو تو جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو ہدیہ سے جو میسر ہو دے پھر جو نہ پائے تو تین روزے حج میں رکھے اور سات جب تم لوٹو یہ دس پورے ہو گئے یہ اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو۔

تفسیر: اس سے پہلے ہدیا کے فضائل انہیں ذبح کرنے کا طریقہ وغیرہ کا بیان ہوا ہے اور اس بحث میں یہ بیان کرنا ہے کہ ہدیہ کی حیثیت کیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع اور قارن پر ہدیہ واجب ہے کیونکہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ جب تم امن میں ہو تو جو فائدہ حاصل کرے ساتھ عمرہ کے طرف حج کے تو اسے جو ہدیہ میسر ہو یہ بات پوری نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جملہ مقدر ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ فلیذبح ہے یعنی اسے چاہئے کہ وہ ہدیہ ذبح کرے اور یہ صیغہ امر ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حج اور عمرہ ملا کر کرنے والوں پر ہدیہ واجب ہے اصل میں حج کی تین قسمیں ہیں؛ افراد۔ تمتع۔ قران۔ حج افراد ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے۔ پھر حج کے تمام ارکان

ادا کرے اس پر ہدیہ واجب نہیں یہ نحر کی رمی کے بعد بال منڈوا کر یا ترشوا کر احرام کھول سکتا ہے اور بعد میں طواف زیارت کر لے۔ اور حج کی دوسری قسم تمتع ہے۔ تمتع کے لفظی معنی نفع اور فائدہ اٹھانے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں حج تمتع یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر بیت اللہ جا کر پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو وہیں سے حج کا پھر احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے اور ہدیہ ذبح کرنے کے بعد حجامت بنوا کر احرام کھول دے یہ صورت بہتر اور آسان ہے۔ حج کی تیسری قسم قران ہے۔ قران کا لغوی معنی ملانا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ ادا کرے پھر حج کے دنوں میں مناسک حج ادا کرے اور دونوں کے درمیان احرام نہ کھولے یہ قران ہے اور تمتع اور قران والے پر ہدیہ واجب ہے۔ البتہ ہدیہ متعین نہیں ہے آٹھ جانوروں میں سے جس کی بھی اسے طاقت ہو دے دے۔ (یعنی گائے مادہ نر۔ اونٹ مادہ نر۔ بکری مادہ نر۔ بھیڑ مادہ نر اور اگر ان میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ تین حج کے ایام میں اور سات حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنا ہے خواہ مکہ میں ہی رکھے یا گھر میں آکر رکھے۔ اگر نہیں رکھے گا تو اس پر ہدیہ لازم ہوگا جو حرم میں ہی ذبح کرنا ہے اور حج والے تین روزے ساتویں۔ آٹھویں اور نویں کی تک رکھنا ہے اور یہ ہدیہ حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنے کا شکرانہ ہے۔ دراصل دور جاہلیت میں لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس نظریہ کی تردید کی گئی ہے کہ یہ ناجائز ہے بلکہ حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنے کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں البتہ انہیں ملا کر ادا کرنے کا ہدیہ شکرانہ رکھا ہے۔ مگر مکی کے لئے اب بھی جائز نہیں ہے اور مکی سے مراد حدود حرم میں رہنے والا ہے یعنی حدود حرم والے کے

لئے علیحدہ عمرہ کرنا مشکل نہیں ہے وہ جب چاہیں کر سکتے ہیں بیرون حرم والوں کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ عمرہ علیحدہ کریں اور حج علیحدہ کریں ان کی آسانی کے لئے حج و عمرہ کو ملانے کی اجازت دی ہے اور بعض لوگ ہدیہ تمتع اور قران پر قیاس کر کے کہہ دیتے ہیں کہ قربانی منی کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور کہیں بھی قربانی جائز نہیں یہ غلط ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مدینہ میں قیام پذیر رہے تھے تو آپ ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ صرف ایک سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے سو اونٹ بطور ہدیہ تمتع یا قران منی میں ذبح کئے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حج کے موقعہ پر جو جانور وہاں ذبح کئے جاتے ہیں اس کو قرآن میں ہدیہ کہا گیا ہے۔ یہ شکرانہ ہے اللہ تعالیٰ نے حجاج کو جو حج و عمرہ ملا کر ادا کرنے کی اجازت دی ہے اس کا شکر کرنا ہے قربانی اور چیز ہے وہ تو ہر صاحب وسعت پر (جہاں بھی مسلمان رہتے ہوں) واجب ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کبھی کبھی ہدایا پر بھی قربانی کا اطلاق ہو جاتا ہے اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اطلاق اس لئے کیا جاتا ہے کہ قربانی قرب سے بنا ہے۔ اس کو قربانی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور خوشنودی کا ذریعہ ہے اور ہدیہ بھی اللہ تعالیٰ کے قرب اور خوشنودی کا ذریعہ ہے یہ ایسا ہی اطلاق ہے جیسا کہ ڈاکٹر یا طبیب مریض کو پرہیز کرنے کا کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ چند دن قربانی دو۔ اور جہاد پر بھی قربانی کا اطلاق ہوتا ہے بقیہ عبادات نماز۔ روزہ۔ زکوۃ پر بھی قربانی کا اطلاق ہوتا ہے یہ سب مجازات ہیں اس کو حقیقت سمجھنا غلط فہمی ہے۔

دسویں ذی الحجہ کو منی میں تیسرا کام حجامت بنوانا ہے

ثم لیقضوا تفثھم پھر انہیں چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں۔ سورۃ الحج آیت ۲۹)

لقد صدق اللہ رسولہ الرء یا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امین محلقین رء وسکم و مقصرین لا تخافون.

بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اپنے سر منڈائے ہوئے اور بال کترائے ہوئے بے خوف و خطر ہوں گے (سورۃ الفتح آیت ۲۷)

تفسیر: یہاں پہلی آیت میں اجمال ہے اور دوسری میں تفصیل ہے مگر اس آیت کا مضمون سمجھنے کے لئے مختصر سا شان نزول عرض کرنا ضروری ہے۔ ہجری ۶ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ بلا خوف و خطر عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ نے بھی اسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھا اور عمرہ کے لئے چلے گئے۔ حدیبیہ کے مقام پر جب پہنچے تو مشرکین نے روک دیا۔ آخر صلح حدیبیہ ہوئی اور طے پایا کہ آپ لوگ آئندہ سال آکر عمرہ ادا کریں چنانچہ آپ واپس ہو گئے۔ مگر صحابہؓ کو شک گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجری ۶ میں جو خواب دیکھا تھا وہ پورا نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جواب دیا ہے کہ وہ خواب ضرور پورا ہو گا۔ چنانچہ ہجری ۷ میں وہ پورا ہو گیا اور آپ نے جو خواب دیکھا وہ یہ تھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ امن کی حالت میں بیت اللہ میں داخل ہوئے اور حجامت بنوائی اور ہجری ۶ میں تو امن نہیں تھا۔ اصل میں خوابوں کی تعبیر کبھی جلدی سامنے آجاتی ہے اور کبھی دیر لگتی ہے اس کا پتہ اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے مگر ہمارا مقصد یہاں یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض نے اپنے سر کے بال منڈوائے اور بعض نے کٹوائے اور قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا

ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجامت ہونا شعار عمرہ میں سے ہے لیکن یہ وضاحت یہاں نہیں ہے کہ اس حجامت کی حیثیت کیا ہے فرض ہے یا واجب ہے یا سنت کا درجہ ہے اور کیا حاجی کے لئے بھی یہ حکم ہے یا نہیں یہ سب اجمال ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حلق رائسه فى حجة الوداع و اناس من اصحابه و قصر بعضهم متفق عليه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈولیا اور صحابہؓ میں سے بھی بعض لوگوں نے سر منڈایا اور بعض نے بال ترشوائے۔ (بخاری و مسلم)

و عن ابن عباس قال قال لى معاويه انى قصرت من راس النبى صلى الله عليه وسلم عندالمروة بمشقص متفق عليه.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ معاویہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال تراشے مروہ کے قریب بڑی قینچی سے۔ (بخاری و مسلم)

و عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى حجة الوداع اللهم ارحم المحلقين قالوا والمقصرين يا رسول الله قال اللهم ارحم المحلقين قالوا والمقصرين يا رسول الله قال والمقصرين متفق عليه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرمایا صحابہ نے عرض کیا اور سر کے بال ترشوانے والوں پر یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اے اللہ سر منڈانے

والوں پر رحم فرما صحابہؓ نے پھر پوچھا اور ترشوانے والوں پر یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا اور بال ترشوانے والوں پر بھی (بخاری و مسلم)

و عن یحییٰ ابن الحصین عن جدتة انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع دعا للمحلقین ثلاثا و للمقصرین مرة واحده رواه مسلم.

حضرت یحییٰ بن حصین رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبیؐ کو سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ دعا کرتے سنا اور بال ترشوانے والوں کے لئے ایک مرتبہ۔ (مسلم)

و عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم اتی منی فاتی الجمرة فرماها ثم اتی منزله بمنی و نحر نسکة ثم دعا بالحلاق و ناول الحالق شقه الایمن فحلقه ثم دعا اباطلحة الانصاری فاعطاه ایاه ثم ناول الشق الا یسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین الناس. (متفق علیه)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ منی میں تشریف لائے پھر جمرہ عقبہ کے پاس آئے اور وہاں کنکریاں ماریں۔ پھر منی میں اپنی قیام گاہ پر آئے اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا پھر مونڈنے والے کو طلب فرمایا اور اپنے سر کی داہنی سمت اس کے سامنے کی اور اس نے سر مونڈا پھر ابو طلحہؓ انصاری کو بلایا اور مونڈے ہوئے بال ان کو دیئے پھر اپنے سر کو بائیں طرف مونڈنے والے کے سامنے کیا اور فرمایا مونڈ اس نے مونڈا یہ بال بھی آپ نے ابو طلحہؓ کو دے دیئے اور فرمایا ان کو لوگوں میں تقسیم کرو۔ (بخاری و مسلم)

عن عائشه قالت کنت اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل

ان يحرم ويوم النجر قبل ان يطوف بالبيت ومسك متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگاتی تھی احرام باندھنے سے پہلے اور قربانی کے دن بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے بھی خوشبو لگاتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

وعن علیؓ و عائشہؓ قالا نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تحلق المراة راسها رواه الترمذی.

حضرت علیؓ اور عائشہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے عورتوں کو سر منڈانے سے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس على النساء الحلق انما على النساء التقصير.

(رواه ابو دائود و رواه الترمذی الدارمی).

حضرت ابن عباسؓ نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سر منڈانا عورتوں کے لئے نہیں بلکہ سر کے بال ترشوانا ان پر واجب ہے۔

(ابو داوٗد۔ ترمذی۔ دارمی)

تشریح: یہاں اس بحث میں آٹھ احادیث ہیں جو مشکوۃ المصابیح سے منقول ہیں اور یہ احادیث سورۃ الفتح کی آیت ستائیں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا ہے کہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ نے چاہا تو تم امن والے ہو گے دراں حالیکہ تم اپنے سر منڈانے والے یا بال کٹوانے والے ہو گے مگر اس میں اجمال ہے اور یہ آیت اگرچہ فوت شدہ عمرہ کے بارے میں اتری ہے اور سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ

معتمر نے یہ بال منڈوانا ہے یا ترشوانا ہے لیکن کس وقت اور کیوں! اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ یہ تفصیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور آپ نے عملاً بتلادیا کہ حلق الراس اور تقصیر الراس صرف عمرہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حجاج کے لئے بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ بعض آیات خاص موقعہ پر اتارتے ہیں مگر حکم ان کا عام ہوتا ہے یہاں بھی یہی حال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ آپ نے مروہ پر یعنی عمرہ سے فارغ ہو کر سر مبارک کے بال ترشوائے تھے اور دوسری تین حدیثوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے سر مبارک کے بال منڈوائے تھے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض نے بال منڈوائے تھے اور بعض نے ترشوائے تھے اور آپ نے سر منڈوانے والوں کے لئے تین بار دعا فرمائی تھی اور ایک مرتبہ ترشوانے والوں کے لئے دعا فرمائی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کے لئے سر ترشوانے کی نسبت منڈوانا بہتر اور افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آیت میں سر منڈانے کا ذکر کیا ہے اور بعد میں ترشوانے کا ذکر فرمایا ہے اور پانچویں حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے بعد سر مبارک منڈایا تھا اور پھر آپ نے اپنے وہ بال تبرکا صحابہؓ میں تقسیم کرا دیئے تھے اور چھٹی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سر مبارک منڈانے کے بعد خوشبو بھی لگائی تھی مقصد یہ ہے کہ اس وقت حاجی احرام کھولدے اور خوشبو تیل وغیرہ لگا سکتا ہے اور ساتویں اور آٹھویں حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال کٹوانے سے منع فرمایا ہے اور انہیں کچھ بال ترشوانے کی اجازت دی تھی۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بال کٹوانے میں حکمت کیا ہے؟ اور عورتوں کو اس سے منع کیوں فرمایا ہے؟ پہلے

سوال کا جواب یہ ہے کہ حاجی کو بال کٹوانے یا ترشوانے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اس کی قربانی ہے جانور کی جو قربانی کا حکم ہے اس میں اس کی پوری جان لی گئی ہے اور انسان سے پوری جان تو نہیں لی گئی مگر اتنا سفر اور قربانی کا خرچ اور دور دراز کی مشقت اٹھانا اور بال کٹوانا یا ترشوانا یہ بھی جانی قربانی سے کم نہیں ہے کیونکہ یہ اپنے جذبات اور احساسات کی قربانی ہے اور انسان یہ عملی نمونہ پیش کر کے یہ اظہار کرتا ہے کہ اے اللہ میں یہاں تک آپ کے احکامات اور فرامین کی تعمیل کر چکا اور اگر آپ مجھ سے یہ میری جان مانگیں گے تو وہ دینے کے لئے تیار ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فتح والی آیت جس میں حجاج کو سر کے بال کٹوانے یا ترشوانے کا فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صرف دوسری صورت یعنی بال ترشوانے کی اجازت دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عموم مردوں کے ساتھ مخصوص ہے عورتوں کے لئے یہ عموم نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر عورت بال کٹوائے گی تو اس کی زینت ختم ہو جائے گی اور وہ بے زینت اور بے آبرو ہو کر گھر واپس لوٹے گی یہ اس کی تذلیل اور رسوائی بنتی ہے۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں دی اور بال ترشوانے میں اس کی بے آبروئی نہیں ہے اور مرد خواہ بال کٹوائے یا ترشوائے ان دونوں صورتوں میں اس کی بے آبروئی نہیں ہے کیونکہ مرد عموماً بال کٹواتے بھی ہیں اور ترشواتے بھی ہیں کوئی برا نہیں مناتا اور اس کے بعد حاجی نے ناخن ترشوا کر زیر ناف بغلوں کے بال مونڈنا ہے اور لبوں کے بال تراشنا ہے پھر غسل کرنا ہے یہ مضمون ثم الیقضو تفثھم میں اجمال کے طور پر موجود ہے نیز اور اس کے بعد حاجی احرام اتار کر سلے ہوئے کپڑے پہن لے اور تیل اور خوشبو استعمال کر سکتا ہے مگر ابھی میاں بیوی ہم بستر نہیں ہو سکتے جب تک کہ طواف زیارت نہیں کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حل لہ کل شئی الا انساء

حجامت کے بعد اس کے لئے ہر چیز حلال ہے مگر عورت سے جماع اس کے لئے حلال نہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو منی میں حلق یا تقصیر کے بعد چوتھا کام ایفاء نذر ہے

ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم ولیطوفوا بالبیت العتیق(سورۃ الحج آیت ۲۹) پھر انہیں چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں۔

تفسیر: یہاں اس آیت میں تین حکم ہیں پہلا **ثم لیقضوا تفثهم** ہے اس کی تشریح اس سے قبل بیان ہو گئی ہے اور دوسرا حکم ہے **و لیوفوا نذورهم** یعنی ایفاء نذر کریں نذر اس چیز کو کہتے جو پہلے انسان پر لازم نہ ہو اور خود اپنے اوپر لازم کرلے یہ تین قسم کی ہے۔ایک یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر مانے مثلا یوں کہے کہ اگر فلاں پیر نے میری فلاں مشکل حل کر دی تو میں اس کے نام کا بکرا ذبح کروں گا۔ یہ نذر ماننا شرک ہے اور اس کا ایفا بھی شرک ہے اور اسکا کھانا بھی حرام ہے جیسا کہ **انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل به لغیر اللہ** میں ہے اور دوسری نذر اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے۔ یعنی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا فلاں کام کر دیا تو اس کے نام کا بکرا دوں گا یہ نذر ماننا جائز ہے اور یہ پورا کرنا واجب ہے اگر کام اس کا ہو جائے اور وہ نذر پوری نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔اگر گھر میں یہ نذر مانی ہوئی ہے تو گھر میں پوری کرے اور یوں نذر مانی تھی کہ مکہ میں ذبح کروں گا تو اب منی میں اسے ذبح کرے۔ یہاں یہی مراد ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نذر تو وہ اللہ تعالیٰ کی مانتا ہے مگر کسی حرام یا گناہ کی نذر مانتا ہے یہ نذر پوری کرنا گناہ ہے یہ نذر اس کو پوری نہیں کرنا چاہئے مگر یہ قسم بن گئی ہے اس لئے اس نے کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا اور چوتھی کسی فرض یا واجب امر

سنت کی نذر ماننا ہے تو یہ نذر بنتی نہیں ہے اور آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں جو نذر اس نے مانی تھی وہ حجامت کے بعد بھی ذبح کر سکتا ہے اس کے لئے پہلے حلق یا قصر ضروری نہیں ہے اور اس میں سے آدمی خود کھا بھی نہیں سکتا اس کو صرف غرباء اور مساکین ہی کھا سکتے ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کے الوداعی خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مال۔ جان اور آبرو کو بھی حرمات اللہ میں شامل فرمایا

ومن يعظم حرمات الله فهو خيرله عند ربه۔

(سورۃ الحج آیت ۳۰)

اور جو اللہ کی معزز چیزوں کی تعظیم کرے سو یہ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔

عن ابی بکره قال خطبنا النبی صلی الله علیه وسلم یوم النحر قال ان الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق الله السموت والارض السنة اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلث متوالیات ذوالقعده و ذالحجة والمحرم و رجب مضر الذ ی بین جمادی و شعبان و قال ای شهر هذا قلنا الله و رسوله اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه فقال الیس ذالحجة قلنا بلی قال ای بلد هذا قلنا الله و رسوله اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه قال الیس البلدة قلنا بلی قال فای یوم هذا قلنا الله و رسوله اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه قال الیس یوم النحر قلنا بلی قال فان دماء کم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلد کم هذا فی شهرکم هذا و ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا

بعدی ضلا لا یضرب بعضکم رقاب بعض الاهل بلغت قالوا نعم قال اللهم اشهد فلیبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع متفق علیه.

حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے یہ خطبہ فرمایا سال گھوم گیا ہے اپنی اس وضع کے موافق جس پر کہ تھا وہ اس روز کہ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو (یعنی جس روز خدا تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا پھر اسی دن پر آگیا اور سال پورا ہو گیا) سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں تین تو مسلسل یعنی (ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے پھر آپ نے پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ خوب جانتے ہیں (یہ سنکر آپؐ خاموش ہو گئے ہم نے خیال کیا کہ آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھیں گے آپ نے فرمایا کیا ذوالحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں۔ آپنے فرمایا یہ کون سا شہر ہے ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپ نے پھر سکوت فرمایا اور ہم نے سمجھا کہ آپ کوئی اور نام رکھیں گے پھر فرمایا کہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں پھر آپ خاموش ہو گئے اور ہم نے گمان کیا کہ آپ اس دن کا نام اور رکھیں گے پھر آپ نے فرمایا کہا یہ دن قربانی کا نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا (آج کے دن سے) تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم پر حرام ہے جس طرح

تمہارے اس دن اس شہر اور اس مہینہ میں (قتل و غارت گری اور آبرو ریزی) حرام ہے اور (اے لوگو!) عنقریب تم اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کو پوچھے گا خبردار ہو کہ میرے بعد (یعنی میری وفات کے بعد) تم گمراہ نہ ہو جانا کہ مارے بعض تمہارا بعض تمہارے کی گردنوں کو (قتل کرے) خبردار ہو کیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا (یعنی احکام الٰہی کو تم تک پہنچا دیا) ہم نے عرض کیا ہاں (یارسول اللہ آپ نے خدا تعالیٰ کے احکام کو ہم تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا) پھر آپؐ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ (یعنی ان لوگوں کے اقرار پر) تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہے اس لئے کہ بعض وہ لوگ جن کو پیام پہنچایا جائے پیام کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

عن عمرو بن الاحوص قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في حجة الوداع اى يوم هذا قالوا يوم الحج الاكبر قال فان دمائكم و اموالكم و اعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا الا لا يجني جان الا على نفسه الا لا يجني جان علىٰ ولده ولا مولودا على والده الا و ان الشيطن قد ايس ان يعبدفي بلدكم هذا ابدا ولكن ستكون له طاعة فيما تحتقرون من اعمالكم فسيرضى به رواه ابن ماجه والترمذی و صححة.

حضرت عمرو بن الاحوصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں یہ فرماتے سنا یہ کون سا دن ہے حاضرین نے کہا حج اکبر کا دن ہے آپ نے فرمایا تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے اس دن میں اور

اس شہر میں حرام ہے خبردار ہو کوئی ظالم ظلم نہیں کرتا۔ مگر اپنی جان پر خبردار ہو کوئی باپ اپنی اولاد پر اور کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم نہیں کرتا۔ خبردار ہو شیطان ناامید ہو گیا اس سے کہ عبادت کی جائے اس کی تمہارے اس شہر (مکہ) میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لیکن تم شیطان کے مطیع رہو گے۔ ان اعمال میں جن کو حقیر سمجھو گے (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں کو حقیر سمجھو گے تو گویا شیطان کی اطاعت کرو گے) پس وہ ان گناہوں سے خوش ہو گا جن کو حقیر سمجھو گے۔ (ابن ماجہ۔ ترمذی)

وعن رافع بن عمر والمزنی قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یخطب الناس بمنی حین ارتفع الضحی علی بغلة شهباء وعلیؓ یعبر عنه والناس بین قائم و قاعد رواه ابو دائو.

حضرت رافع بن عمرو مزنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے منی میں چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے درمیان خطبہ فرماتے سنا آپ شہباء (سرخ و سفید بالوں والی) خچر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ آپ کے بیان کو دہراتے جاتے تھے (تاکہ دور کے لوگ سن لیں) بعض لوگ کھڑے تھے اور بعض بیٹھے تھے۔ (ابو داؤد)

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث ہیں جو مشکوۃ سے نقل کی گئی ہیں اور یہ تینوں احادیث سورۃ الحج کی اس آیت تیس کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمادیا ہے کہ جو حرمات اللہ کی تعظیم کرے تو یہ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے لیکن اس میں حرمات اللہ کی تشریح نہیں ہے کہ اس میں کون سی چیزیں شامل ہیں اور کون سی شامل نہیں۔ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیلات بیان

فرمائی ہیں یعنی میقات سے احرام باندھنے کے بعد حاجی مکہ عرفات مزدلفہ۔ منی میں جو جو احکامات اور اوامر بجالاتا ہے یہ تعظیم حرمات اللہ کا عملی نمونہ ہے اور مذکورہ مقامات حرمات اللہ میں شامل ہے اور اسی طرح اشہر حرام ذی قعدہ۔ ذی الحج۔ محرم اور رجب بھی حرمات اللہ ہی میں شامل ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دور جاہلیت میں مشرک قوموں نے جس طرح عقیدہ توحید و قیامت اور رسالت کو بگاڑ دیا تھا اور جس طرح بعینہ عبادات میں ردوبدل کیا ہوا تھا کہ غیر اللہ کے نام کی نذریں اور نیازیں دیتے تھے سیٹیوں اور تالیوں کا نام انہوں نے نماز رکھا ہوا تھا۔ ننگے بدن طواف بیت اللہ کرتے تھے۔ اور بیت اللہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے صفا اور مروہ پر بھی بت تھے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے عرفات میں نہیں جاتے تھے اسی طرح حج کے مہینوں میں بھی انہوں نے تبدیلی کی ہوئی تھی کبھی سال بارہ مہینے کا قرار دیتے تھے اور کبھی تیرہ مہینے کا قرار دیتے اور ہر دو برس کے بعد حج کے مہینوں میں تبدیلیاں کرتے تھے اور بعد والے مہینے کو حج کا مہینہ قرار دیتے تھے اس طرح حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال قرار دیتے تھے اور جن مہینوں کو حلال قرار دیتے تھے ان میں لڑائیوں کو جائز کرتے تھے اور ان میں ایک دوسرے کو مارتے تھے اور جس دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حجۃ الوداع کیا تھا یہ کافروں کے حساب سے بھی سال بارہ مہینے کا تھا اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ دے رہے تھے یہ ذوالحج کا ہی مہینہ تھا اور آپ نے اپنے خطبہ کے شروع میں فرمادیا کہ زمانہ اب بدل چکا ہے یعنی مشرکین کا دور اب نہیں آئے گا۔ اب سال بارہ مہینے کا ہی چلے گا اور اس کے حساب سے حج کرنا ہے اور آپ نے اپنے خطبہ کے شروع میں سورۃ توبہ آیت ۳۶ اور ۳۸ کی طرف اشارہ فرمایا جن میں یہ سارا مذکور مضمون سمیٹا ہوا ہے اور وہ آیتیں یہ ہیں :

قالت الیھود عزیر ن ابن اللہ وقالت النصری المسیح ابن اللہ ذالک قولھم بافواھھم یضاھون قول الذین کفروا من قبل قتلھم اللہ انی یوفکون اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابامن دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الالیعبدوالھا واحد لااله الا ھو سبحنه عما یشرکون یریدون ان یطفوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ و لوکرہ الکفرون ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھروہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشکرون.

ان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ یوم خلق السموت والارض منھا اربعة حرم ذلك الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم و قاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة واعلموا ان اللہ مع المتقین انما النسی زیادۃ فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیواطوا عدۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم اللہ زین لھم سوء اعمالھم واللہ لا یھدی القوم الکفرین.

یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں وہ کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر الٹے

جارہے ہیں انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہیں چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ اپنی روشنی کو پورا کیئے بغیر نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔

بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن سے اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیئے ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی سیدھا دین ہے سو ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے یہ مہینوں کا ہٹادینا کفر میں اور ترقی ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں۔ اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام رکھتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے عزت دی ہے پھر حلال کر لیتے ہیں جو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ان کے برے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر :

آیت تیس اور اکتیس میں یہودی اور عیسائیوں نے عقائد میں جو تبدیلی کی تھی اس کا بیان ہے اور آیت بتیس اور تینتیس میں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان غلط عقائد سے آگاہ فرمایا ہے اور آیت چھتیس اور سینتیس میں مشرکین عرب نے حج کے مہینوں میں جو تبدیلیاں کی تھیں ان کا بیان ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چھ چیزیں بیان فرمائی ہیں پہلی چیز یہ ہے کہ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے ہیں اسی دن سے اس نے مہینوں کی تعداد بھی بارہ رکھی ہے۔ جن میں سے چار محترم ہیں ذی قعد۔ ذی الحج۔ محرم اور رجب۔ یہ تفصیل حدیث میں ہے اور فرمایا ہے کہ یہی سیدھا دین ہے یعنی ان مہینوں کا احترام کرو گے تو تمہارا دین سیدھا رہے گا اور اگر ان مہینوں کا احترام نہیں کرو گے تو تمہارا دین بگڑ جائے گا اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرنا یہ مقصد نہیں کہ باقی مہینوں میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنا جائز ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ان مہینوں میں خصوصی طور پر ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرنا ہے جیسا کہ ایام حج میں حجاج سے عملی مشقت کرائی جاتی ہے اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ سب مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں یعنی وہ کافر اس دن الٰہی میں فتنہ اور رکاوٹیں ڈالنے والے کافروں سے لڑو کیونکہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں یعنی وہ کافر اس دین الٰہی پر چلنے والے مسلمان کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے اور چوتھی چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور پانچویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینے جو محترم قرار دیئے ہیں ان میں

ردوبدل کفر ہے ان میں کافریہ تبدیلی کر کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیتے ہیں۔ اور اسے وہ نیکی سمجھتے ہیں اور چھٹی چیز یہ بیان فرمائی کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا یعنی ہدایت کی جو راہیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں وہ خود ہی بگاڑ دیتے ہیں تو ہدایت کہاں سے آئے گی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحج کی آیت چھتیس اور سینتیس کی طرف اشارہ کرنے کے بعد آپ نے صحابہ رضوام اللہ علیہم اجمعین کو سات چیزوں کی وصیت فرمائی تھی پہلی وصیت یہ تھی کہ تمہارا خون تمہاری عزت اور مال اس طرح محترم ہیں جس طرح اس دن کا احترام ہے اس مہینے کا احترام ہے یعنی ہر مومن کو چاہئے کہ وہ دوسرے مومن کا اسی طرح احترام کرے جس طرح مکہ شہر اور ماہ ذوالحج کا احترام کرتے ہو اور دوسری وصیت فکر آخرۃ کی ہے کہ قیامت ہوگی اور ہر ایک سے اپنے اپنے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی اور تیسری وصیت یہ کہ میرے بعد گمراہی نہ اختیار کرنا اور چوتھی وصیت یہ فرمائی کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانا اور پانچویں وصیت یہ فرمائی کہ یہ دین دوسروں تک پہنچانا ہے۔ اور چھٹی وصیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی پر زیادتی نہ کرو کیونکہ جو آدمی کسی پر زیادتی کرتا ہے تو اس کا وبال اس کی ذات پر پڑتا ہے اور ساتویں وصیت یہ ہے کہ باپ بیٹے پر اور بیٹا باپ پر زیادتی نہ کرے اور آخر میں ایک عظیم پیشن گوئی فرمائی کہ مکہ شہر میں شیطان کی پرستش اب نہیں ہوگی یعنی اب ایسا نہیں ہوگا کہ پھر بیت اللہ میں بت نصب ہوں اور لوگ ان کی پوجا کریں البتہ اور بد اعمالیاں ہوں گی لوگ ان کو معمولی سمجھیں گے۔ الحمد للہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے اور اس زمانے سے لے کر آج تک یہ بیت اللہ شرک سے پاک ہے۔ مکہ کے علاوہ بقیہ عرب میں بت پرستی اور قبر پرستی ایک زمانہ میں عام ہوگئی تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب اس سے بھی

سعودی عرب پاک ہو گیا ہے اور تیسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں یہ خطبہ چاشت کے وقت شہبا (سرخ وسفید) خچر پر سوار ہو کر دیا تھا اور یہ خطبہ سنت ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مال جان اور آبرو کو جو حرمات اللہ میں شامل فرمایا تھا یہ کہاں سے معلوم کیا تھا؟ کیا قرآن مجید میں کوئی ایسا آیت ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی حرمات اللہ میں شامل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت چھیانویں میں ہے **ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین** اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بیت اللہ تمام لوگوں کی رشد و ہدایت اور برکات کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اصل مقصد بیت اللہ کی عظمت و توقیر نہیں ہے بلکہ اصل مقصد انسان کو بیت اللہ کے ذریعہ ہدایت دینا اور اس پر برکتیں نازل کرنا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جس کی خاطر ایسا کیا گیا ہے وہ بھی کوئی معمولی تو نہیں ہوگا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ مومن کو خیر البریہ فرمایا ہے یعنی مومن اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہے یعنی مومن تو حرمات اللہ میں ہے کافر نہیں ہے کیونکہ کافر خدا کا وجود نہیں مانتا اور جب بیت اللہ اور اس کے مضافات حرمات اللہ میں شامل ہیں تو جس کی خاطر یہ سب کچھ بنایا گیا ہے وہ یقیناً حرمات اللہ میں شامل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجمل آیت کی تفسیر بیان فرماتے تھے تو ان کے سامنے پورا قرآن ہوتا تھا اور آپ نے پورے قرآن کی روشنی میں یہ تفسیر بیان فرمائی تھی اور ایسی بصیرت اور ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو عطا فرمایا تھا ؎

کعبہ بنیاد خلیل آذر است   دل گزرگاہ جلیل اکبر است

دسویں ذی الحجہ کو پانچواں کام طواف زیارت ہے

والیطوفوا بالبیت العتیق انہیں چاہئے کہ وہ قدیم گھر کا طواف کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں حجاج کو بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا ہے اور ولیطوفوا صیغہ امر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طواف فرض ہے اور یہ حج کا تیسرا فرض ہے پہلا فرض احرام ہے اور دوسرا وقوف عرفات ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق میں حج کے فرض دو ہی ہیں طواف زیارت اور وقوف عرفہ اور احرام شرط ہے یعنی ان تین میں سے اگر ایک بھی رہ جائے تو اتفاقاً اس کا بدل نہیں ہے آدمی کو حج پھر کرنا پڑے گا اور باقی چیزیں واجبات ہیں جن کا تدارک جنایت سے ممکن ہے۔ اگر وہ ادا کر دے تو حج ہو جاتا ہے اس کی تفصیل عن قریب آ رہی ہے۔ اور آیت کے سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طواف منیٰ میں حجامت بنوانے کے بعد کرنا ہے مگر یہ تعین نہیں ہے کہ بعد میں کس وقت کرنا ہے آیت میں وقت کا ذکر نہیں ہے۔ کیا اسی دن کرنا ہے یا رات کو کرنا ہے یا دوسرے تیسرے دن کرنا ہے۔ اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور نیز یہ بھی نہیں ہے کہ طواف کے کتنے چکر ہوں گے کیا اس میں اضطباع اور رمل بھی ہے یا نہیں؟ اور کیا لباس پہن کر یہ طواف کرنا ہے یا احرام کی حالت میں کرنا ہے اور صفا اور مروہ کی سعی کا بھی ذکر نہیں ہے بہر حال ولیطوفوا کا یہ جملہ انتہائی مجمل ہے۔ تفصیل آئندہ احادیث میں آ رہی ہے اور ہم پہلے بار بار عرض کر چکے ہیں کہ احادیث کے سوا قرآن مجید سمجھنا ناممکن ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فہم قرآن کے لئے احادیث کی ضرورت نہیں وہ دراصل قرآن ہی کے منکر ہیں لیکن اگر وہ انکار قرآن کا اعلان کرتے ہیں تو انہیں کفر کے میدان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اس لئے انہوں نے انکار حدیث کی راہ اختیار کی ہے کیونکہ جب ایک آدمی احادیث کو جب چھوڑ دے گا تو قرآن تو اس کی

سمجھ میں نہیں آئے گا تو وہ خود بخود قرآن کو بھی چھوڑ دے گا۔

عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم افاض یوم النحر ثم صلی الظھر بمنا

(یعنی راجعاء ابو داؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ یعنی زیارت کیا نحر کے دن پھر ظہر کی نماز منی میں پڑھی واپس جا کر۔

عن عائشه و ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخر الطواف یوم النحر الی اللیل (ابو داؤد)

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کا طواف رات تک موخر کیا (یہ دونوں حدیثیں ابو داؤد نے نقل کی ہیں)

ثم افاض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی البیت فصلی الظھر بمکہ (ابو دائود)

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف افاضہ کیا پھر ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں پڑھی۔

اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزیارت الی اللیل (بخاری)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کو رات تک موخر کیا۔

تشریح: یہاں اس بحث میں چار احادیث جمع کی گئی ہیں پہلی حدیث جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن طواف زیارت کیا اور ظہر کی نماز بھی آپ نے منی میں پڑھی اور دوسری روایت جو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ

آپ نے طواف زیارت رات تک موخر کیااور تیسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مفصل منقول ہے اس میں ہے کہ آپ نے بیت اللہ کا طواف افاضہ کیااور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں پڑھی۔ اور چوتھی روایت امام بخاری سے منقول ہے کہ آپنے زیارت کو رات تک موخر کیااس میں طواف کاذکر نہیں ہے پس ان روایات میں تعارض ہے۔ اور شارحین نے ان کے مابین تطبیق یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ نے طواف زیارت دن میں کیا تھااور ظہر کی نماز بھی مکہ میں پڑھی تھی۔ اور قیلولہ منی میں فرماتے تھے اور رات کو بیت اللہ کی زیارت کے لئے جاتے تھے اور یہ آپکا نفلی طواف ہو تا تھا۔ اور رات والی روایت کے راویوں کو وہم ہو گیا کہ انہوں نے آپ کے نفل طواف کو فرض سمجھ لیا اس طرح امام بخاری والی روایت کو ترجیح ہو جاتی ہے اور احادیث کے مابین تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور اس اعتبار سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایا ذبح کرنے کے بعد دسویں ذی الحج کو ظہر سے پہلے یہ طواف کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقت اس طواف کے لئے افضل ہے اور سنت ہے اور اس کے بعد بار ہویں ذی الحج تک اس کی اجازت ہے کیونکہ ولیطوفوا بالبیت العتیق کا عطف و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام پر ہے اور ایام معلومات سے مراد یہی تین دن ہیں یعنی جس طرح ان تین ایام میں قربانی جائز ہے اسی طرح طواف زیارت بھی جائز ہے لیکن اگر کوئی آدمی بار ہویں تاریخ سے تاخیر کرے گا تو مکروہ ہے اس پر دم لازم آئے گا جس کی تفصیل عن قریب آرہی ہے۔

اگر حاجی نے طواف قدوم کے وقت سعی کی تو پھر اس طواف میں اس پر سعی بھی نہیں اور رمل بھی نہیں اور اگر اس نے سعی پہلے نہیں کی تھی تو اب طواف زیارت کے بعد اس پر سعی بھی کرنا ہے اور طواف شروع کرتے وقت پہلے تین چکروں میں رمل

کرنا ہے اور طواف کے اختتام پر مقام ابراہیم کے پاس یا مسجد حرام میں جہاں بھی ممکن ہو دو نفل پڑھنا ہے کیونکہ یہ دو نفل ہر طواف کے بعد پڑھے جاتے ہیں خواہ وہ طواف فرض ہو یا نفل۔ اور اس طواف کے بعد اب میاں بیوی باہم بے حجاب ہو سکتے ہیں جیسا کہ پہلے حدیث میں آگیا ہے اور اب طواف زیارت کے بعد فوراً منیٰ میں واپس آنا ہے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت کے بعد منیٰ میں آگئے تھے اور اب اس کے لئے ادھر ادھر مکہ کی گلیوں میں گھومنا جائز نہیں ہے کیونکہ ابھی اس پر دو دن کی رمی بھی باقی ہے اور اس نے منیٰ میں ہی قیام کرنا ہے اور یہ سب عبادات ہیں ان میں سیر و سیاحت کی اجازت نہیں مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ترتیب بیان فرمائی یا اس پر عمل کیا کہ پہلے منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ کو رمی کرنا پھر حجامت بنوانا پھر ہدایا ذبح کرنا پھر طواف زیارت کرنا یہ کہاں سے معلوم کیا تھا؟ کیا قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود ہے؟ پس اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس اور انتیس میں جس ترتیب سے یہ افعال مذکور ہیں کہ (پہلے ہے یذکروا اسم اللہ پھر فرمایا ہے فکلوا منھا الخ پھر فرمایا ہے ثم الیقضوا تفثھم پھر فرمایا ولیطوفوا بالبیت العتیق) اسی ترتیب کا لحاظ رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ افعال خود بھی ادا فرمائے تھے اور اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اسی طرح ادا کرنے کی تعلیم و ترغیب دی تھی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان افعال کے درمیان یہ ترتیب رکھی ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ افعال اس ترتیب سے ادا کئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے اس منشا کو سمجھنا پیغمبر ہی کا کام تھا۔ جو آپ نے بتا دیا اور سمجھا دیا۔

افعال حج میں تقدیم وتاخیر کے متعلق آپؐ کے فتووں کا بیان

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقف فی حجة الوداع بمنی للناس یسالونه فجاءہ رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح فقال اذبح ولاحرج فجاء اخر فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی فقال ارم ولا حرج فما سئل النبی صلی اللہ علیه وسلم عن شئی قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج متفق علیه وفی راویۃ لمسلم اتاہ رجل فقال حلقت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج و اتاہ اخر فقال افضت الی البیت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منی کے اندر قیام پذیر ہوئے تاکہ لوگ ان سے مسائل دریافت کریں پس آپؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا ناواقفیت کے سبب میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈالیا آپ نے فرمایا ذبح کر اور پھر سر منڈالے کوئی حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے عرض کیا ناواقفیت کے سبب میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی ہے آپ نے فرمایا اب کنکریاں مارلے اور کوئی حرج نہیں ہے مختصر یہ کہ تقدیم و تاخیر کے جو مسائل آپ سے دریافت کئے گئے آپ نے سب کے جواب میں یہی کہا کہ اب کرلے کوئی حرج نہیں ہے (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈالیا ہے آپؐ نے فرمایا کنکریاں مارلے

کوئی گناہ نہیں ہے ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ کنکریاں مارنے سے پہلے میں نے طواف کرلیا ہے آپ نے فرمایا اب کنکریاں مارلے کوئی گناہ نہیں۔

وعن ابن عباسؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسال یوم النحر بمنی فیقول لا حرج فساله رجل فقال رمیت بعد ما امسیت فقال لا حرج رواه البخاری

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قربانی کے دن منی میں لوگ آپ سے مسائل دریافت کررہے تھے اور آپ ہر ایک کے جواب میں یہ فرماتے تھے کوئی حرج نہیں پس ایک شخص نے پوچھا میں نے شام ہونے کے بعد کنکریاں ماریں آپ نے فرمایا کوئی گناہ نہیں (بخاری)

عن علیؓ قال اتاه رجل فقال یا رسول اللہ انی افضت قبل ان احلق قال احلق او قصر ولا حرج وجاء اخر فقال ذبحت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج رواه الترمذی.

حضرت علیؓ کہتے ہیں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے فرض طواف کرلیا آپ نے فرمایا سر منڈالے یا بال ترشوالے کوئی حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے کہا میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی ہے فرمایا کنکریاں مارلے کوئی حرج نہیں (بخاری)

عن اسامة بن شریك قال خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حاجا فکان الناس یاتونه فمن قائل یا رسول اللہ سعیت قبل ان اطوف او اخرت شیئا او قدمت شیئا فکان یقول لا حرج الا علی

رجل ن اقترض عرض مسلم وهوا ظالم فذلك الذی حرج و هلك رواه ابو دائود.

حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے چلا پس لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مسائل پوچھتے تھے بعض یہ کہتے تھے کہ یارسول اللہؐ میں نے طواف سے پہلے صفاومروۃ کی سعی کرلی۔ بعض کہتے تھے یہ کام میں نے بعد میں کیااور بعض کہتے یہ کام میں نے پہلے کرلیا آپ سب کے جواب میں کہہ دیتے کہ کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ اس شخص پر ہے جو ظالم ہو اور کسی مسلمان کی آبروریزی کرے یہ شخص ہلاک ہوا۔(ابوداؤد)

تشریح: یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں۔ یہ احادیث سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس اور انتیس کی تفسیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں رمی۔ حلق۔ ذبح اور طواف زیارت کی ترتیب بیان فرمائی ہے اب اس ترتیب کی حیثیت کیا ہے ؟اگر کوئی حاجی اس ترتیب کے خلاف کرے تو کیا اس کا حج ہو جائے گا یا نہیں ؟اور کیا اسپر کوئی تاوان بھی ہے یا نہیں ؟امام شافعی اور امام احمدؒ ان مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب سنت ہے اور حج میں ترک سنت سے کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان احادیث میں مصرح ہے کہ جن لوگوں نے یہ غلطی کی تھی اور انہوں نے آپ سے استفسار کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ہم مشرب سورۃ الحج مذکورہ آیتوں کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب واجب ہے اگر کوئی آدمی سہواًوہ ترتیب چھوڑدے گا تو وہ گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن اس پر دم واجب ہے

کیونکہ وہ تارک واجب ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب رکھی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب ضروری ہے اور مذکورہ بالا احادیث میں جو آپ کے مبارک الفاظ ہیں لا حرج ولا حرج ان کا مقصد یہ ہے کہ گناہ نہیں ہے یہ ایسے ہی الفاظ ہیں جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت میں ہے **فمن حج البیت اواعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما۔** یعنی صحابہ صفا اور مروہ کی سعی کو رسم جاہلیت جان کر گناہ سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی غلطی فہمی کو دور فرمایا ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ مباح ہے کوئی کرے یا نہ کرے کوئی حرج نہیں اسی طرح یہاں حج کے موقع پر بعض صحابہ سے غلطی ہوگئی تھی کہ بے شعوری میں ترتیب ارکان بدل گئی تھی وہ یہ سمجھے ہوں گے کہ شاید ہمارا حج ہی نہیں ہوا یا یہ سمجھے ہونگے کہ یہ ہم سے گناہ ہوگیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وہم کو دور فرمایا اور باقی جس طرح سعی بین الصفا والمروۃ کا اپنا مقام ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے یہاں بھی یہی حال ہے کہ ارکان حج میں اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب رکھی ہے وہ واجب ہے اور حج میں یہ اصول ہے کہ جہاں واجب رہ جائے وہاں دم واجب ہوتا ہے۔

منیٰ میں گیارہویں ذی الحجہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حج

عن عبدالرحمن بن معاذ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم قال خطب النبی صلی اللہ علیه وسلم الناس بمنا ونزلهم منازلهم و قال ینزل المهاجرون هنا و اشار الی میمنة القبله والانصار هنا و اشار الی میسرة الالقبله ثم ینزل الناس حولهم.

عبدالرحمٰن بن معاذ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں لوگوں کو خطبہ دیا اور

انہیں پہلے اپنے اپنے مرتبہ کی حیثیت سے بٹھایا اور فرمایا کہ مہاجرین یہاں بیٹھیں اور قبلہ کی دائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ انصار یہاں بیٹھیں اور قبلہ کے بائیں جانب انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ باقی لوگ ان کے آس پاس بیٹھیں۔

عن رجلین من بنی بکر قالا رئینا رسول الله صلی الله علیه وسلم یخطب بین اوسط ایام التشریق و نحن عند را حلته وهی خطبة رسول الله صلی الله علیه وسلم التی خطب بمنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے قبیلہ بنی بکر کے دو آدمیوں سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایام تشریق کے درمیانے دنوں میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور ہم آپ کی سواری کے قریب تھے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خطبہ تھا جو آپ نے منی میں دیا تھا۔

عن عبدالرمن بن معاذ الیتمی قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم و نحن بمنافقتحت اسماعنا حتی کنا نسمع مایقول و نحن فی منازلنا فطفق یعلمهم مناسکهم حتی بلغ الجمار فوضع السباتین فی اذنیه ثم یقول بحصی الخذف ثم امرالمهاجرین فنزلوا فی مقدم المسجد وامرالانصار فنزلوا من وراء المسجد ثم نزل الناس بعد ذالك۔ یہ تینوں احادیث ابو داؤد سے نقل کی گئی ہیں)۔

حضرت عبدالرحمان بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا در آں حال کہ ہم منا تھے پھر ہمارے کان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ ہم آپ کی ہر بات سن رہے تھے

حالانکہ ہم اپنی رہائش گاہوں میں سکون پذیر تھے پھر آپ نے ان لوگوں کو حج کے احکامات سمجھانے شروع کئے یہاں تک کہ آپ جمرات کو کنکریاں مارنے کا طریقہ سمجھانے تک پہنچے تو آپ نے اپنی دونوں انگشت سبابہ (شہادت) اپنے دونوں کانوں میں ڈالیں پھر فرمایا کہ چنے کے دانے کے برابر کنکریاں مارنا ہے پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کی اگلی جانب بیٹھے اور انصار کو حکم دیا تو وہ مسجد کی پچھلی جانب بیٹھے اور باقی لوگ اس کے بعد بیٹھے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یایھا الناس لا یقتل بفضکم بعضا اذا رمیتم الجمرۃ فارموا بمثل حصی الحذف (ابو دائود)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! ایک دوسرے کو قتل مت کرو جب جمرہ پر کنکریاں مارو تو چنے کے دانے کے برابر کنکری مارو۔

تشریح: یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ چاروں احادیث سورۃ الحج کی آیت (ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ) کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں حرمات اللہ کی تعظیم و تکریم کی تعلیم اور ترغیب ہے اور فضیلت بیان فرمائی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ حرمات اللہ میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تفصیل تو خطبہ یوم النحر میں بیان فرمائی کہ ایک مومن کی جان و مال اور عزت و آبرو کا بھی احترام کرنا ہے اور گیارہویں ذی الحج کے خطبہ میں اکرام و احترام مومن کچھ مزید تفصیل بیان فرمائی ہے چنانچہ پہلی حدیث جو حضرت عبدالرحمان بن معاذ سے مروی ہے اس میں آپ کا عملی نمونہ ہے کہ آپ جب خطاب فرمانے لگے تو مہاجر کو بیت اللہ کی دائیں جانب بٹھایا اور انصار کو بیت اللہ کی بائیں جانب بٹھایا اور باقی لوگوں کو ان کے پیچھے بٹھایا اس انداز سے بٹھانے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن

مجید میں مہاجرین کے فضائل زیادہ فرمائے گئے ہیں اور ان کے بعد انصار کے فضائل ہیں اور ان کے بعد باقی مسلمانوں کے فضائل ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے اور نماز باجماعت کے اندر بھی یہی ترتیب ہے آپ نے فرمایا ہے کہ سمجھ دار لوگ میرے زیادہ قریب ہیں اور یہ بڑوں کے اکرام واحترام کا طریقہ سکھایا ہے اور دوسری حدیث میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ گیارہویں ذی الحج کو منی میں دیا تھا اور تیسری حدیث میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں حج کے مناسک بیان فرمائے تھے اور ظاہر بات ہے کہ آپ نے گیارہویں بارہویں اور تیرہویں کے احکامات ہی بیان فرمائے ہونگے کیونکہ آپ نے ایک خطبہ تو ساتویں ذی الحجہ کو دیا تھا جس میں آپ نے آٹھویں اور نویں ذی الحج کے احکامات بیان فرمائے تھے اور ایک خطبہ آپ نے عرفات میں دیا تھا اس میں عرفات ومزدلفہ اور منی کی دسویں ذی الحج کے احکامات بیان فرمائے تھے اور ان کے احکامات پر عمل بھی صحابہؓ کر چکے تھے اور دسویں ذی الحج کو آپ نے منی میں جو خطبہ دیا تھا وہ احکامات حج کے بارے میں نہیں تھا بلکہ وہ عمومی نوعیت کا تھا اور اب گیارہویں ذی الحج کو جو خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا یہ گیارہویں اور اس کے بعد احکامات کے متعلق ہی ہو سکتا ہے اور یہ خطبہ مسنون ہے امام موسم حج نے یہ خطبہ دینا ہے اور یہ خطبہ ایک ہی دفعہ دینا ہے درمیان میں بیٹھنا نہیں ہے اور اسی طرح ساتویں ذیالحج کو خطبہ دینا ہے اس میں بھی نہیں بیٹھنا البتہ خطبہ عرفات میں دو خطبے ہیں اور درمیان میں بیٹھنا ہے اور چوتھی حدیث میں رمی کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ چنے کے دانے کے برابر کنکریاں مارنا ہے کوئی بڑی چیز نہیں مارنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی آدمی زخمی ہو جائے یا مر جائے تو اس سے دوسرے حاجی کی تعظیم وتکریم کی جائے توہین وتذلیل ہو جائے گی اور حج کا

مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور حج کا مقصد جیسا کے پہلے آچکا ہے کہ حج کا مقصد بیت اللہ کی طرح اور ان ایام حج اور شہر حرم کی طرح ہر مومن کا احترام واکرام کرنا ہے اور آج کل حجاج اتنے دور دراز سے خرچ برداشت کر کے اور مشقت اٹھا کر کے جاتے ہیں مگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین پر عمل نہیں کرتے وہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے بجائے جوتی مارتے ہیں بڑے بڑے پتھر مارتے ہیں اور سینکڑوں انسان وہاں زخمی ہو جاتے ہیں اور پاؤں کے نیچے روندے اور کچلے جاتے ہیں یہ تو مومن کی بہت بڑی توہین ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حاجی کو تعظیم وتکریم مومن کی تعظیم نہیں ہے معلمین حضرات فیس تو لے لیتے ہیں مگر وہ حجاج کو تعلیم اور ارکان حج سمجھاتے نہیں ہے ان کے پیش نظر دینار اور تحصیل زر ہے۔

گیارہویں ذی الحج کو منیٰ میں قیام اور تینوں جمرات کو کنکریاں مارنے کا طریقہ

وعن عبدالرحمن بن یعمر الدیلی قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحج عرفة من ادرک عرفة لیلة جمع قبل طلوع الفجر فقد ادرک الحج ایام منی ثلثة فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ و من تاخر فلا اثم علیہ رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ والدارمی و قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح.

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر دیلیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے حج عرفہ ہے (یعنی حج کا سب سے بڑا رکن نویں تاریخ کو مقام عرفات میں ٹھہرنا ہے) جس نے عرفہ کو پالیا (یعنی میدان عرفات میں پہنچ گیا) مزدلفہ کی رات میں فجر کے روشن ہونے سے پہلے اس

نے حج کو پالیا(اور) منی (میں ٹھہرنے) کے تین دن ہیں (یعنی گیارہویں۔ بارہویں۔ تیرہویں۔) پس جو شخص جلدی کرے اور دو دن کے بعد چلا آئے اس پر گناہ نہیں اور جو شخص تین دن سے زیادہ قیام کرے اس پر بھی گناہ نہیں (ترمذی۔ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

و عنها قالت افاض رسول الله صلى الله عليه وسلم من اخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع الى منى فمكث بهاليالى ايام التشريق يرمى الجمرة اذا زالت الشمس كل جمرة بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة و يقف عندالاولى والثانيه فيطيل القيامة و يتضرع و يرمى الثالثة فلا يقف عندها رواه ابو دائود.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے قربانی کے دن آخری وقت میں ظہر کی نماز پڑھ کر فرض طواف کیا اس کے بعد منی میں واپس آگئے اور منی میں تشریق کے دن (یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں) بسر کئے ان دنوں میں آپؐ جمروں پر دن ڈھلے کنکریاں مارتے تھے ہر جمرہ پر سات کنکریاں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے اور پہلے دوسرے جمرے پر دیر تک ٹھہرتے اور عجز و زاری کے ساتھ مانگتے اور تیسرے جمرہ (عقبہ) پر کنکریاں مار کر چلے آتے اس کے قریب نہ ٹھہرتے۔

(ابوداؤد)

وعن و بره قال سالت ابن عمر متى ارمى الجمار قال اذا رمى امامك فارمه فاعدت عليه المسئلة فقال كنا نتحين و اذا زالت الشمس رمينا رواه البخارى.

حضرت وبرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا میں کب کنکریاں ماروں انہوں نے کہا جب تیرا امام کنکریاں مارے اس وقت تو بھی مار میں نے دوبارہ پھر یہی کہا انہوں نے کہا ہم انتظار کرتے تھے جب دن ڈھل جاتا تھا تو ہم کنکریاں مارتے تھے۔ (بخاری)

وعن سالم عن ابن عمر انه كان يرمى جمرة الدنيا بسبع حصيات يكبر على اثر كل حصاة ثم يتقدم حتى يسهل فيقوم مستقبل القيلة طويلا يدعواو يرفع يديه ثم يرمى الوسطى بسبع حصيات يكبر كلما رمى بحصاة ثم ياخذ بذات الشمال فيسهل و يقوم مستقبل القبلة ثم يدعوا و يرفع يديه و يقوم طويلاثم يرمى جمرة ذات العقبة من بطن الوادى بسبع حصيات يكبر عند كل حصاة ولا يقف عندها ثم ينصرف فيقول هكذا رايت النبى صلى الله عليه وسلم يفعله رواه البخارى.

حضرت سالم ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نزدیک کے جمرہ پر (جو مسجد خیف کے قریب واقع ہے اور جس کا نام جمرہ اولی ہے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رخ کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر جمرہ وسطی پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے پھر بائیں جانب بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رخ کھڑے ہوتے اور دعا کرتے اور ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے پھر جمرہ ذات العقبہ پر نالے میں کھڑے ہو کر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے اور اس کے قریب دیر تک نہ ٹھہرتے پھر واپس آتے اور کہتے

اسی طرح میں نے نبیؐ کو کرتے دیکھا ہے۔(بخاری)

وعن ابن عمرؓ قال استاذن عباسؓ بن عبدالمطلب رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یبیت بمکة لیالی منی من اجل سقایته فاذن له متفق علیه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عباس ابن مطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی درخواست کی کہ منی کے قیام کی راتوں میں انکو مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ وہ زمزم پر لوگوں کو پانی پلائیں آپ نے اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

وعن ابن البداح بن عاصم بن عدی عن ابیه قال رخص رسول الله صلی الله علیه وسلم لرعاء الابل فی البیتوته ان یرموا یوم النحر ثم یجمعوا رمی یومین بعد یوم النحر فیرموه فی احدهما رواه مالك والنسائی والترمذی و قال الترمذی هذا حدیث صحیح.

حضرت ابو البداحؒ بن عاصم بن عدیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ رات کو منی میں قیام نہ کریں اور یہ کہ قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں پھر دو دن کی کنکریاں مارنے کو ایک دن میں جمع کر لیں (یعنی دو دن کی ایک دن ماریں) خواہ قربانی کے دوسرے دن خواہ تیسرے دن۔

(مالک۔ترمذی۔نسائی۔ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

تشریح : یہاں اس بحث میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں اور یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ مناسک کی تفصیل ہے کیونکہ اس خطبہ میں نبی صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگشت شہادت اپنے کانوں میں ٹھونس

کر زور دار آواز میں فرمایا تھا کہ کنکریاں چنے کے دانے کے برابر مارنا ہے کوئی بڑی چیز مار کر کے ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا مگر تفصیل نہیں بتائی کہ کنکریاں کس وقت مارنا ہے کتنی مارنا ہے ؟ اور ساتھ کیا کیا کلمات پڑھنا ہے کیا نہیں پڑھنا یہ تفصیل نہیں ہے یہ تفصیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا احادیث میں بیان فرمائی ہیں اور بتادیا کہ گیارہ ذی الحج کو یہ کنکریاں مارنے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ پہلی دو حدیثوں میں وقت بتایا ہے کہ ان کا وقت زوال کے بعد ہے اور تیسری حدیث میں تفصیل ہے اور اس میں چھ چیزوں کا بیان ہے پہلی یہ ہے کہ مسجد خیف کے قریب جو جمرہ ہے اسے کنکریاں مارنا ہے اور اس کو جمرہ اولی بھی کہتے ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ اسے سات کنکریاں مارنا ہے کم یا زیادہ نہیں مارنا اور تیسری چیز یہ ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ ساتھ اللہ اکبر کہنا ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ پھر نرم زمین میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہے اور پانچویں چیز یہ ہے کہ پھر درمیانی جمرہ کو سات کنکریاں مارنا ہے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا ہے اور چھٹی چیز یہ ہے کہ اس کی بائیں جانب نرم زمین میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر بھی دعا مانگنا ہے اور ساتویں چیز یہ ہے کہ نالے میں کھڑے ہو کر جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارنا ہے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا ہے مگر یہاں کھڑے ہو کر دعا نہیں کرنا حضرت ابن عمر نے پہلے اپنا یہ عملی نمونہ پیش کیا اور پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے اور چوتھی حدیث بھی حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے اس میں آپ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایام منیٰ میں مکہ میں رہنے کی اجازت حاصل کرلی تھی کیونکہ آپ آب زم زم کے انتظام پر مامور تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایام منیٰ میں راتوں کو وہاں رہنا سنت ہے واجب نہیں ہے اگر

واجب ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو یہ اجازت نہ دیتے اور نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی طرح ضرورت مند لوگ منی میں قیام کے بجائے مکہ رہ سکتے ہیں مثلاً خدام کعبہ وغیرہ اور پانچویں حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت دی تھی کہ وہ یوم النحر کی رمی کریں اور راتوں کو منی میں نہ رہیں اور گیارہویں تاریخ کی رمی بھی بارہویں کو کر لیں اس میں گیارہویں کی قضا ہو جائے گی اس سے فقہا نے مسئلہ نکالا ہے کہ ارکان حج میں تقدیم جائز نہیں تاخیر جائز ہے۔

منی میں بارہویں اور تیرہویں کی رمی بھی بعد الزوال کرنا ہے

عن نافع عن ابن عمر انه كان ياتى الجمار فى الايام الثلثة بعد يوم النحر ماشيا ذا هبا و راجعا و يخبران النبى صلى الله عليه وسلم كان يفعل ذالك. رواه ابو داؤد

حضرت نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ یوم النحر کے بعد تین دنوں میں چلتے ہوئے جاتے ہوئے اور لوٹتے ہوئے جمروں کی رمی کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

عن جابر بن عبدالله يقول رئيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمى على راحلته يوم النحر ضحى فاما بعد ذالك بعد زوال الشمس (ابو دائود)

تشریح: یہاں اس بحث میں دو حدیثیں ہیں پہلی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام منی میں تینوں جمروں پر رمی کی تھی اور دوسری حدیث کا مقصد یہ ہے دسویں ذی الحج کی رمی تو چاشت کے وقت کی تھی اور بعد کے تین

ایام کی رمی زوال کے بعد کی تھی اور سوار ہو کر کی تھی اور رمی کی تفصیل وہی ہے جو گیارہویں کو کی تھی مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ اولی اور وسطی کو کنکریاں مارتے وقت جو تکبیر یا دعا وغیرہ فرمائی تھی یہ آپ نے کہاں سے معلوم کی تھا کیا قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے جس میں اس کی ترکیب ہو یا آپ نے اپنی ہی طرف سے ایسا کیا تھا؟ اور نیز اس ذکر واذکار کے لئے منی کا تعین کہاں سے معلوم کیا تھا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ کی آیت دو سو سے لے کر دو سو تین کے جملہ واذکرو واللہ فی ایام معدودات تک کی روشنی میں یہ عملی نمونہ پیش فرمایا تھا چنانچہ آیات ملاحظہ فرمائیں :

اذا قضیتم مناسکم فاذکروااللہ کذکرکم آباءکم اواشد ذکرفمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وماله فی الاخرۃ من خلاق.و منهم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرۃ حسنة وقنا عذاب النار اولئك لهم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب واذکرواللہ فی ایام معدودات (سورۃ البقرۃ آیت دو سو تا دو سو تین)

پھر جب حج کے ارکان ادا کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور اس کے لئے آخرۃ میں کوئی حصہ نہیں اور بعض یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دینا میں نیکی اور آخرۃ میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اپنی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو۔

تفسیر: یہاں پہلے فرمایا ہے کہ جب تم حج کے مناسک ادا کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کے بعد فرمایا ہے جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو مگر اس میں اجمال ہے کیونکہ یہاں الفاظ کا ذکر بھی نہیں ہے کہ کن الفاظ سے یاد کرنا ہے اور جگہ کا ذکر بھی نہیں ہے کہ کہاں یاد کرنا ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اور قولاً اس کی تفصیل بیان فرمادی جو پہلے گزر چکی ہے اور آپ نے یہ تفصیل کذکرکم کے شروع میں جو کاف تشبیہ ہے اس سے استنباط فرمائی ہے کیونکہ مشرک لوگ ان دنوں میں جب منی میں جمع ہوتے تھے تو اپنے اپنے آباؤ اجداد کی بڑائی بیان کرتے تھے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ کو یاد کرو جیسا کہ آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو یعنی اس کی بڑائی بیان کرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ بیان فرمادیئے ہیں کہ وہ اللہ اکبر ہے اور جگہ اور دنوں کا تعین بھی اسی کاف سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مشرک لوگ اس منی انہیں دنوں میں جمع ہوتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ اولی اور وسطی کو کنکریاں مارتے وقت جو دعائیں فرمائی تھیں یہ بھی آپ نے ان ہی آیات کی روشنی میں فرمائی تھیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کی دو جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے پہلی آیت میں پہلی جماعت کا ذکر ہے کہ وہ صرف دنیا مانگنے کے لئے حج کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کو آخرۃ میں کوئی حصہ نہیں ملے گا یعنی دنیا ان کو ملے گی آخرۃ میں انہیں کچھ نہیں ملے گا اور دوسری جماعت کا ذکر دوسری آیت میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگتے ہیں اور آخرۃ بھی مانگتے ہیں ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی محنت کا صلہ دے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی روشنی میں جمرات کو مارتے وقت یہ دعائیں مانگی تھی اور جمرہ عقبہ کو کنکری مارنے کے بعد ٹھہرے نہیں تھے کیونکہ جمرات کو کنکریاں مارنا

عبادت ہے اور اس جمرہ کے مارنے کے بعد عبادت ختم ہو جاتی ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے جب جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری تھیں تو اس کے بعد اس کے پاس قیام تو نہیں فرمایا لیکن چلتے چلتے دعا مانگی تھی اور واذکروا اللہ فی ایام معدودات سے مراد باتفاق مفسرین یہی ایام تشریق ہیں اور ان میں ذکر اللہ سے مراد بھی یہی تکبیرات اور دعائیں ہیں اور پہلے بھی فرمایا فاذکروا اللہ اور دوبارہ پھر فرمایا ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات۔ یہ بطور تاکید بھی ہو سکتا ہے اور پہلے واذکروا اللہ کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے یعنی پہلے واذکروا اللہ میں نہیں بتایا تھا اور دوسرے میں بتادیا ہے اور اگر ثانی واذکروا اللہ کو عام ٹھہرایا جائے تو بھی ٹھیک ہے یعنی رمی کے وقت جو اللہ اکبر کہا جاتا ہے یا جو دعا مانگی جاتی ہے وہ بھی مراد لی جائے اور ان کے علاوہ اور ذکر اذکار مراد لیں تو بھی ٹھیک ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اذکار منقول نہیں ہیں اور ان جمرات کو کنکریاں مارنے کا اور اس موقعہ اللہ اکبر کہنے اور دعائیں کرنے کا مقصد شرک سے اظہار نفرت برات اور عقیدہ توحید کا اعلان ہے کہ ہم ایک خدا کو ماننے والے ہیں غیر اللہ کے پرستار نہیں ہیں۔

قربانی اور جمرات کو کنکریاں مارنے کا پس منظر

رب ھب لی من الصالحینo فبشرناہ بغلام حلیمo فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ما ذا تریo قال یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرینo فلما اسلما و تله للجبینo و نادینه ان یا ابراهیمo قد صدقت الرؤیا انا کذالك نجزی المحسنین o ان هذا لهوا البلاء المبین o و فدیناه بذبح عظیمo و ترکنا علیه فی الاخرین oسورۃ صافات۔

ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے صالح لڑکا عطا کر پھر ہم نے اسے ایک حلم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا کہا اے بیٹے بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے ابا جو حکم آپ کو ہوا ہے کر دیجئے آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے پس جب دونوں نے تسلیم کر لیا اور اس نے اسے پیشانی کے بل لٹادیا تو ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچا کر دکھایا بے شک ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں البتہ یہ کھلی آزمائش ہے اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض اسے دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات چھوڑی۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کا پس منظر بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نیک اولاد کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور ان کو حسب منشیا بردبار بیٹا عطا فرمایا اور وہ بیٹا سعی کے قابل ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ بیٹے کو ذبح کررہے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ حکم ملا تھا کہ وہ بیٹا قربان کرو۔ تو انہوں نے پہلے اپناوہ خواب بیٹے کے سامنے بیان فرمادیا تو وہ بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہونے کو تیار ہو گیا اور والد سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ میں صبر کروں گا آپ مجھے قربان کردیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس بیٹے کو قربان کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹایا تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آگئی کہ بس بس تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے یہ تیرا امتحان تھا تم اس میں پورے اترے ہو اور ایسے امتحانوں میں پورا اترنے والوں کو ہم بہت اونچا بدلہ دیتے ہیں چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ

تعالیٰ نے صلہ دیا اور فرمایا فدیناہ بذبح عظیم۔ اس جملہ کی تفسیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ ہم نے اس کو فدیہ دیا بسبب بڑی ذبح کے یعنی ذبح عظیم سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام لئے جائیں اور فی الواقع یہ بہت بڑی ذبح اور قربانی کا نمونہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بیٹا بڑھاپے میں نصیب ہوا تھا اور ان کی اس وقت چھیاسی سال عمر تھی کوئی نرینہ یا انثیٰ اولاد نہیں تھی اور اس وقت ایسے بیٹے کو (کو سراپا مابعلاہے) قربانی کے لئے پیش کرتے وقت خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل مبارک پر کیا گزری ہوگی اور وہ بیٹا جس نے تسلیم ورضا کا یہ نمونہ پیش کیا اس کے دل میں کیا خیال ہوگا یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس وقت وہی باپ بیٹا جانتے ہوں گے۔ شعر

رشتہ دا گردانم افگندہ دوست   میکشد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بہر حال ایسا ایثار اور قربانی یقیناً ذبح عظیم ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ذبح عظیم سے مراد وہ دنبہ لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بواسطہ جبرئیل علیہ السلام جنت سے دیا تھا اور یہ ذبح عظیم اس وجہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ یہ دنبہ جنت سے عطا فرمادیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تو اس قربانی کی بنا رکھی تھی جیسا کہ بیت اللہ کی انہوں نے بناء رکھی تھی اور تا قیامت جتنے لوگ ان کی طرح قربانی دیں گے جتنا ثواب ان کو ہوگا اتنا ثواب ان دونوں باپ بیٹے کو ہوتا رہے گا اور یہ تو سرسری تفسیر ہے جو ہدیہ ناظرین کی گئی ہے تفصیل نہیں ہے اس میں کئی طرح کا اجمال ہے تفصیل مندرجہ ذیل آرہی ہے۔

عن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه قال لما امر ابراهيم عليه السلام بالمناسك عرض له الشيطان عند السعى فسابقه فسبقه ثم

ذهب به جبریل علیه السلام الی جمرۃ العقبۃ فعرض له الشیطان فرماہ بسبع حصیات حتی ذھب ثم عرض له عندجمرۃ الوسطی فرماہ بسبع حصات وثم تله للجبین وعلی اسماعیل الصلوۃ والسلام قمیص ابیض فقال له یابت انه لیس لی ثوب تکفننی فیه غیرہ فاخلعه حتی تکفننی فیه فمالجه لیخلعه فنودی من خلفه یا ابراهیم قد صدقت الرأیا فالتفت ابراهیم فاذا بکش ابیض اقرن اعین قال ابن عباس لقد رئیتنا ان نتبع ذالك الضرب من الکباش عن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی قوله تبارك و تعالیٰ(وفدیناہ بذبح العظیم) قال خرج علیه کیش من الجنة قد رعی قبل ذالك اربعین خریفا فارسل ابراهیم الصلوۃ والسلام ابنه و اتبع الکیش فاخرجه الی جمرۃ الاولی فرماہ بسبع حصیات ثم افلته عندها فجاء الی جمرۃ الوسطی فاخرجه عندها فرماہ بسبع حصیات ثم افلته فادرکه عند جمرۃ الکبری فرماہ بسبع حصیات فاخرجه عندها ثم اخذہ فاتی به منحر من منی فذبحه.(ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی کا حکم دیا گیا تو سعی کے وقت شیطان نے انکا مقابلہ کیا تو ابراہیم اس سے آگے بڑھ گئے پھر جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم الصلوۃ والسلام کو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو پھر شیطان سامنے آیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا پھر جمرہ وسطی کے پاس وہ شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آیا تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماری تھیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایااور اسماعیلؑ پر سفید قمیض تھی توانھوں نے کہا کہ اے ابا

اس قمیض کو اتار لیں کیونکہ اور کپڑا نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفنائیں گے پس ابراہیم علیہ السلام جب وہ قمیض اتارنے لگے تو پیچھے سے آواز آئی ابراہیم بس تو نے خواب سچا کر دیا ہے لوٹ کر دیکھا تو سفید رنگ کا سینگوں والا آنکھوں والا دنبہ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اسی لئے ہم اسی قسم کا دنبہ قربانی کے لئے تلاش کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تشریح میں منقول ہے فدیناہ بذبح عظیم فرمایا کہ جنت سے ایک دنبہ آپ کے لئے لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چرتا رہا تھا تو ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بھاگ کر جمرہ اولی کے پاس چلا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا پھر اس کو جمرہ وسطی کے پاس لائے تو وہاں سے بھی وہ بھاگ گیا حضرت ابراہیم نے اسے سات کنکریاں ماریں پھر اس کو پکڑ لیا پھر جمرہ کبری کے پاس اسے سات کنکریاں ماریں پھر اس کو وہاں سے نکالا اور پکڑا اور اسے منی کی قربان گاہ میں لائے اور اس کو ذبح کیا۔

تشریح: یہاں یہ دو اثر ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مقنول ہیں اور یہ اثر سورۃ الصافات کی منقولہ آیات کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیات میں پانچ طرح کا اجمال ہے پہلا اجمال یہ ہے کہ آیت ایک سو دو اور ایک سو تین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تھا تو انہوں نے اس بیٹے سے مشورہ کے بعد اس بیٹے کی قربانی پیش کر دی لیکن ان آیتوں میں جگہ کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ قربانی کہاں پیش کی تھی اور نیز کوئی رکاوٹ بھی پیش آئی

تھی یا نہیں ؟ پس ان اثرات میں ایک تو یہ بتادیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ قربانی منی میں پیش کی تھی اور دوسرا یہ بتادیا کہ شیطان نے رکارٹ ڈالی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو گھر سے لے کر نکلے تو پہلے سعی کی تھی تو سعی میں شیطان نے آپ کا مقابلہ کیا اور وہ حضرت ابراہیم کے ساتھ وہ دوڑا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے نکل گئے اور جب منی میں جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو شیطان پھر سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگادیا پھر جب جمرہ وسطی کے پاس پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے پھر سات کنکریاں مار کر بھگادیا پھر کچھ آگے بڑھ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹادیا اور آیت ایک سو چار سے لے کر ایک سو سات میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے حضرت اسماعلی علیہ السلام کو ذبح نہیں ہونے دیا اور اس کے عوض بہت بڑا ذبیحہ دیا اور اب وہ ذبیحہ کیا چیز تھی اس کا ذکر نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے وہ ذبیحہ جنتی دنبہ تھا جو چالیس سال تک جنت میں چر تارہا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو چھوڑ کر اس دنبہ کے پیچھے ہو گئے تو وہ بھاگ گیا پہلے جمرہ اولی کے پاس اسے سات کنکریاں ماریں پھر وسطی کے پاس پھر کبرا کے پاس اسے سات کنکریاں ماریں اور اسے پکڑ لیا پھر قربان گاہ میں اسے ذبح کیا اور آیت ایک سو آٹھ میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دنبہ والی قربانی کا نمونہ بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ دیا اور جمرات جمرۃ کی جمع ہے کنکریوں کو کہتے ہیں اور یہاں مراد وہ جگہ ہے جہاں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں اور اس جنتی دنبہ کو ماری تھیں اور اب وہاں آسانی کے لئے برجیاں بنادی گئی ہیں اب ان پر کنکریاں مارنا ہے اور حاجی نے جس طرح حضرت ابراہیم والا

قربانی کا نمونہ پیش کرنا ہے اسی طرح ان جمرات پر کنکریاں مارنے کا نمونہ بھی پیش کرنا ہے اور اس کا مقصد عقائد شرکیہ اور بت پرستی سے اظہار نفرت ہے اور چنے کے دانے کے برابر کنکریاں اس لئے مارنا ہے کہ بڑی کنکری مارنے سے کسی کو چوٹ اور زخم نہ آجائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف ایک دن میں ہی رمی کی تھی تین دن انہوں نے رمی نہیں کی تھی اور آج کل تین یا چار دن جو رمی کی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے جیسا کہ پہلے آیت گزری ہے **واذکروا اللہ فی ایام معدودات** اور ایام معدودات سے مراد دسویں ذی الحج سے لے کر تیرہویں ذی الحج تک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ ان دنوں میں منی میں جمع ہو کر اپنے اپنے آباؤ اجداد کی بڑائیاں بیان کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دنوں میں بڑوں کی بڑائیاں اور عظمتوں کو بیان کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان کے بجائے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔

حاجی بارہ ذی الحج کو منی سے مکہ جا سکتا ہے

فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلااثم علیہ لمن اتقی.واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون.

(سورۃ بقرۃ آیت ۲۰۳)

پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ نفع اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: اس آیت سے ظاہری اور سرسری طور پر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں

ایک یہ ہے کہ اس میں دو نظریوں کی تردید ہے جس کی تفصیل تفاسیر میں یوں لکھی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعض مشرکین بارہ ذی الحج کو منی سے مکہ جانے کو گناہ سمجھتے تھے فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ میں ان کی تردید ہے اور بعض مشرکین تیرہ ذی الحج تک تاخیر کو گناہ سمجھتے تھے ومن تاخر فلا اثم علیہ میں ان کی تردید ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بارہ یا تیرہ ذی الحج کو حجاج منی سے مکہ جاسکتے ہیں مگر اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے کیونکہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعجل یا تاخیر گناہ نہیں لیکن اگر کوئی تاخیر کرے تو اس کی حیثیت کیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے اس کا ذکر پہلے احادیث میں گزر گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہویں ذی الحج کو منی میں قیام کیا ہے اور زوال کے بعد رمی کی ہے پس تیرہویں تک قیام سنت ہوا اور یہ افضل ہے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب انہیں دو کاموں کا اختیار ہوتا تھا تو وہ ان دو میں سے جو بہتر ہوتا اسے اختیار کرتے تھے اور یہاں منی میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہویں ذی الحج تک قیام فرمایا ہے اور جمرات ثلاثہ کو رمی بھی کی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تیرہویں تک قیام اور رمی کرنا بہتر اور افضل ہے اور تیرہویں کی آنے والی رات تک جائز ہے۔

منی سے مکہ جاتے وقت کچھ دیر قیام ابطح سنت ہے

اس جگہ کا نام ابطح محصب اور خیف بنی کنانہ بھی ہے یہ وہ جگہ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بنی ہاشم کو قریش نے بند کیا تھا اور ان کے ساتھ ہر قسم کا بائی کاٹ کیا ہوا تھا اور انہوں نے باہم مل کر ایک تحریر لکھی تھی اور اسے بیت اللہ کے دروازے پر لٹکا دیا تھا اور تین سال کے بعد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی کہ اس

تحریر کو دیمک کھا گئی ہے چنانچہ جب اسے دیکھا گیا تو فی الواقع اسے دیمک کھا گئی تھی۔ حالانکہ اس علاقہ کی آب وہوا کا یہ تقاضا نہیں تھا اس طرح یہ معاہدہ غیبی طور پر خود ہی ختم ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر جب منی سے مکہ واپس جا رہے تھے تو یہاں آپ نے چار نمازیں ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی پڑھی ہیں اور تھوڑی دیر آرام بھی فرمایا ہے اب یہ قیام سنت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظھر والعصر والمغرب والعشاورقدرقدۃبالمحصب ثم رکب الی البیت فطافه رواہ البخاری.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ظہر کی عصر کی مغرب کی اور عشا کی اور مقام محصب میں تھوڑی دیر سور ہے پھر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور طواف کیا۔ (بخاری)

و عن عبدالعزیز بن رفیع قال سالت انس بن مالك قلت اخبرنی بشئی عقلته عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این صلی الظھر یوم الترویة قال بمنی قال فاین صلی الظھر یوم النفر قال بالا بطح ثم قال افعل کما یفعل امراؤك متفق علیه.

حضرت عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے کہا مجھ کو وہ بات بتایئے جو آپ نے رسول اللہ سے سیکھی ہے یا معلوم کی ہے آٹھویں تاریخ کو آپ نے کہاں نماز پڑھی انہوں نے کہا منی میں پھر میں نے پوچھا واپسی کے دن (یعنی تیرہویں تاریخ کو) آپ نے الظہر کی نماز کہاں پڑھی انہوں نے کہا مقام ابطح میں پھر انسؓ نے کہا کر تو اسی طرح جس طرح

تیرے سردار کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وعن عائشه قالت نزول الابطح ليس بسنة انما نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه كان اسمح لخروجه اذ خرج متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مقام ابطح میں اترنا سنت نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں صرف اس لئے اترے تھے کہ وہاں سے واپسی میں آسانی ہو۔ (یعنی وہاں اپنا سامان رکھ دیں اور مدینہ کو واپس جاتے ہوئے لے لیں اور واپس جانے میں دقت نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں ان میں سے پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منی سے واپسی کے وقت وادی محصب میں ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھی ہیں اور دوسری حدیث میں صرف نماز عصر کا ذکر ہے باقیوں کے بارے میں سکوت ہے تعارض نہیں ہے اور صاحب ہدایہ نے حدیث نقل کی ہے **انه عليه السلام قال لا صحابه انا نازلون غدا عند خيف. خيف بني كنانه حيث تقاسم المشركون فيه على شركهم يشير الى جهدهم على هجران بني هاشم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کل ہم خیف بنی کنانہ کے پاس اتریں گے جہاں مشرکین نے جمع ہو کر بنو ہاشم کے ساتھ بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے نزول ابطح کا مقصد کفار مکہ کو شوکت اسلام دکھانا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے لہذا وادی محصب کا کچھ دیر قیام سنت ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی نفی معلوم ہوتی ہے لہذا محدثین نے تطبیق یہ دی ہے حضرت عائشہ کی حدیث کا مقصد سنت مؤکدہ ہے اور احادیث بالا کا مقصد یہ ہے کہ یہ قیام سنت زوائد میں سے ہے یعنی

اگر کوئی حاجی منیٰ سے واپسی پر قیام وہاں کرے تو ٹھیک ہے اسے ثواب ہے نہ کرے تو گناہ نہیں ہے۔

حجاج طواف وداع کر کے مکہ سے واپس ہوں

و عن ابن عباس قال کان الناس ینصرفون من کل وجه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا ینفرن احدکم حتی یکون اخر عهده بالبیت الا انه خفف عن الحائض متفق علیه.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لوگ (حج سے فارغ ہو کر) ہر طرف جارہے تھے (یعنی اپنے گھروں کو اور طواف وداع کی کسی کو پرواہ نہ تھی) رسول اللہؐ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا تم میں سے کوئی شخص (مکہ سے باہر کا رہنے والا) اس وقت تک واپس نہ جائے جب تک بیت اللہ سے اپنے آخری عہد کو پورا نہ کرلے (یعنی بیت اللہ کا رخصتی طواف نہ کرلے) مگر یہ طواف حیض والی عورتوں پر موقوف کر دیا گیا ہے (بخاری و مسلم)

وعنها قالت احرمت من التنعیم بعمرةفدخلت فقضیت عمرتی وانتظرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالابطح حتی فرغت فامر الناس بالرحیل فخرج فمر بالبیت فطاف به قبل صلوة الصبح ثم خرج الی المدینة هذا الحدیث ما وجدتة بروایة الشیخین بل براویة ابی دائود مع اختلاف یسیر فی اخره.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے تنعیم (نام مقام) سے عمرہ کا احرام باندھا تو پھر میں داخل ہوئی کہ میں اپنے عمرہ کو پورا کیا اور رسول اللہؐ میرے انتظار میں ابطح کے اندر قیام پذیر رہے جب میں عمرہ سے فارغ ہو گئی تو آپ

نے لوگوں کو روانگی کا حکم دیا اور بیت اللہ میں پہنچ کر صبح کی نماز سے پہلے طواف کیا پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوداؤد اس حدیث کو میں نے شیخین کی روایت میں نہیں پایا بلکہ آخر میں قدرے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد میں پایا۔

وعن عائشه قالت حاضت صفية ليلة النفر فقالت ما اراني الا حابستكم قال النبى صلى الله عليه وسلم عقرى حلقى اطافت يوم النحر قيل نعم قال فانفرى متفق عليه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تیرھویں تاریخ کو یعنی حج سے واپسی کے دن صفیہ کو خون آنے لگا انہوں نے کہا میرا خیال ہے میں تم لوگوں کو روکوں گی (اس لئے کہ میں نے طواف وداع نہیں کیا ہے) آپ نے فرمایا ہلاک اور زخمی کرے اس کو اللہ (یہ جملے محبت و پیار کے ہیں بددعا کے نہیں) کیا اس نے قربانی کے دن طواف کیا ہے کہا گیا ہاں آپ نے فرمایا تو چل۔

(بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں اس بحث میں تین احادیث ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ منیٰ سے واپسی کے بعد صحابہ رضوام علیہم اجمعین اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے گھروں کو جب واپس ہو رہے تھے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ کوئی بھی آدمی طواف وداع کے سوا واپس نہ جائے جب تک کہ اپنا آخری عہد (طواف وداع) پورا نہ کرے یہ وجوب کی نشانی ہے اگر طواف وداع واجب نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانے والے صحابہ کو واپس نہ فرماتے البتہ حائضہ پر تخفیف ہے کیونکہ طواف وداع مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اور بعد میں حضرت عائشہؓ سے

جو روایت ہے اس میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت ہے اس میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی طواف وداع کیا ہے اور تیسری حدیث کی تشریح پہلے گزر گئی ہے اور اس طواف وداع کی اہمیت اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ حاجی اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے جیسا کہ دوسری جگہ حدیثوں میں آیا ہے اور مہمان کو میزبان کی اجازت کے سوا نہیں جانا جائے اسی لئے حجاج جب طواف وداع کرتے ہیں تو ان پر انتہائی گریہ اور رقت طاری ہوتی ہے جیسا کہ خاص عزیز کی جدائی کے وقت طاری ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی طور پر یہ جدائی نہ حاجی برداشت کرتا ہے اور نہ خدا برداشت کرتا ہے لہذا اس آخری ملاقات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے مگر مکی پر طواف وداع نہیں ہے۔

حجاج کرام کو چشمہ اسماعیلی سے آب زم زم نوش کرنا چاہیے

وعن ابن عباس ان رسول اللهصلى الله عليه وسلم جاء ال السقاية فاستسقى فقال العباس يا فضل اذهب الى امك فات رسول الله صلى الله عليه وسلم بشراب من عندها فقال اسقنى فقال يا رسول الله انهم يجعلون ايديهم فيه قال اسقنى فشرب منه ثم اتى زمزم وهم يسقون ويعملون فيها فقال اعملوا فانكم على عمل صالح ثم قال لولا ان تغلبوا لنزلت حتى اضع الحبل على هذا واشار الى عاتقه رواه البخارى و مشكوة

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کی سبیل پر تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا۔ حضرت عباسؓ نے فضل

سے کہا تو اپنی ماں کے پاس جا اور ان کے پاس سے رسول اللہ کے لئے پانی لا۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو اسی پانی سے پلاؤ۔ ابن عباس نے کہا یا رسول اللہ لوگ اس پانی میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسی میں سے پلاؤ۔ پس آپؐ نے پانی پیا اس کے بعد آپؐ چاہ زمزم پر تشریف لائے اور عبدالمطلب کی اولاد پانی پلانے میں پوری کوشش اور محنت سے کام کر رہی تھی۔ آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کام میں مشغول رہو تم ایک نیک کام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر مجھ کو اس کا خوف نہ ہوتا کہ میرے ہاتھ لگاتے ہی لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے (یعنی کام کرنے کے لئے) تو میں اونٹنی سے اترتا اور رسی کو اس پر رکھتا اور اشارہ طرف اپنے مونڈھے کے کیا (یعنی پانی کھینچنے کے لئے رسی کو مونڈھے پر باندھ کر چـ) (بخاری)۔

عن جابر یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ماء زمزم لماشرب له (ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آب زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب زمزم کا پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے **اللهم انی اسئلك علماً نافعاً و رزقاً واسعا وشفاء من كل داء**۔ اے اللہ میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء چاہتا ہوں۔ (فضائل حج مولانا زکریا صاحبؒ)

تشریح : یہاں اس بحث میں تین احادیث منقول ہیں اور یہ احادیث بھی سورۃ الحج کی آیت اٹھائیس کے جملے لیشھدوا منافع لھم و ویذکروا اسم اللہ تا آخر کی تفسیر ہے کیونکہ ان جملوں میں فرمایا ہے کہ حاجیوں کو چاہئے کہ بیت اللہ میں اللہ تعالی نے ان کے لئے جو منافع رکھے ہیں ان کا مشاہدہ کریں اور اللہ تعالی کا نام لیں اور آیت تیس میں فرمایا کہ جو اللہ تعالی کے معزز چیزوں کی تعظیم کریں گے تو یہ ان کے لئے بہتر ہے مگر یہاں منافع کی تفصیل نہیں ہے کہ وہ کون سے منافع ہیں اور حرمات اللہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں اور ان کی تعظیم کا کیا طریقہ ہے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیل بیان فرمائی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سی تفصیلات سپرد قلم ہو چکی ہیں اور یہاں تین احادیث ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت کے بعد چشمہ زمزم پر تشریف لے گئے اور ساقین سے پانی مانگا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے فضل سے فرمایا کہ تمہاری والدہ کے پاس جو زمزم کا پانی ہے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی لاؤ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اسی سے پلاؤ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس میں لوگ گندے ہاتھ ڈال دیتے ہیں تو پھر فرمایا اسی سے پلاؤ چنانچہ انہوں نے آپ وہ زمزم' پلایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی بڑا اہم اور متبرک ہے اور آپؐ نے ساقین سے فرمایا کہ یہ کام کرو یہ بڑا اچھا کام ہے میں خود یہ پانی نکالتا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ میری سنت سمجھ کر سارے نکالنا شروع کر دیں گے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رش زیادہ تھا اس لئے آپ نے پانی خود نہیں نکالا تھا اور دوسرے ٹائم پر جب رش کم ہو گیا تو آپ نے خود نکالا اور نوش فرمایا اس سے بھی اس پانی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور دوسری حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

منقول ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ منافع بیان فرمائے ہیں کہ جس بھی مقصد کے لئے یہ آب زمزم پیا جائے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے اور تیسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آب زمزم نوش فرماتے وقت جو دعا فرمائی تھی اس کا بیان ہے کہ علم نافع رزق واسع اور شفاء امراض کی دعا فرمائی تھی۔ یہ بڑی جامع دعا ہے اور وہاں آدمی جو دعا کرتا ہے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ حجاج کو چاہئے کہ طواف وداع کے بعد بھی آب زمزم نوش کر کے اور یہ دعا کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوں انشاء اللہ مذکورہ بالا برکات کا وہ مشاہدہ کرتے رہیں گے۔

چشمہ زمزم کا پس منظر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کے حکم سے جب اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جہاں اب آب زمزم ہے وہاں چھوڑ کر واپس اپنے وطن شام جانے لگے تو اس وقت بہت سی دعائیں فرمائی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ یہاں امن والا شہر بنادے اور ان کو پھلوں کا رزق دے اور تھوڑی سی کھجوریں اور تھوڑا سا پانی چھوڑ کر چلے گئے اور جاتے وقت حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ آپ ہمیں یہاں وادی بیابان میں کیوں چھوڑ کر جاتے ہیں تو خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ دیا پھر حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ آپ کو یہ اللہ تعالی کی طرف سے حکم ملا ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں تو حضرت ہاجرہ نے کہا کہ جائیں اللہ تعالی ہمیں ضائع نہیں کرے گا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو چلے گئے اور حضرت ہاجرہ کے پاس جو پانی کا ذخیرہ تھا وہ ختم ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ پانی تلاش کرنے کی خاطر صفا پہاڑی پر چڑھی چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر پانی نظر نہ آیا پھر مروہ پر چلی گئیں وہاں بھی چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر کہیں

پانی نظر نہ آیا تو پھر صفا پر آ گئیں اور اس طرح سات چکر لگائے اور چکر لگاتے وقت درمیان سے جلدی اور دوڑ کر چلتی تھیں کیونکہ صفا اور مروہ پر تو اسے اسماعیل علیہ السلام نظر آجاتے تھے اور درمیان سے نظر نہیں آتے تھے اور ساتویں چکر پر قدرتی آواز آئی کہ اللہ تعالی نے پانی تمہارے بچے کے پاس پیدا کر دیا ہے چنانچہ واپس جا کر دیکھا تو اسماعیل علیہ السلام تو ایڑیاں رگڑ رہے تھے اور ان کے قدموں کی طرف پانی بہہ رہا تھا تو حضرت ہاجرہ نے فرمایا زمزم (تھم جا) اور پھر اپنے ہاتھوں سے پانی کی حوض بنا دی اور بعد میں قبیلہ جرہم کا تجارتی قافلہ وہاں سے گزرا تو انہوں نے حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہاں آبادی ڈالی جو مکہ کے نام سے مشہور ہے اور چونکہ یہ چشمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت ہاجرہ کی قربانی اور اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے بخشا تھا اس لئے انوار و برکات کا مظہر ہے۔

حاجی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہو تو ہدیہ دے کر احرام کھولے

و اتموا الحج والعمرة لله. فان احصر تم فما استیسر من الهدی. ولا تحلقوا رئوسکم حتی یبلغ الهدی محله. فمن کان منکم مر یضا اوبه اذی من راسه ففدیة من صیام او صدقة او نسك(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۶)

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو پس اگر رد کے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ تک نہ پہنچ جائے پھر جو کوئی تم مین سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی سے فدیہ دے۔

تفسیر: ہجری ۶ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان

اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے تو مشرکین نے روک لیا تھا اور یہ فیصلہ ہوا تھا کہ آپ آئندہ سال آکر عمرہ ادا کریں تو اسوقت یہ آیت اتری تھی اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے پہلی یہ ہے کہ حج اور عمرہ پورا کرو یعنی حج یا عمرہ کی نیت اگر آدمی کرے اور پھر رکاوٹ پیدا ہو جائے تو حج اور عمرہ کی قضا ضروری ہے اور حج تو فرض ہے ہی اگر اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اس کی قضا فرض ہے اور عمرہ تو نفلی ہے لیکن تمام نفلی عبادیات میں اصول یہ ہے کہ نفل عبادات شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے اور اگر اس میں کوئی خلل آجائے یا کسی وجہ سے باطل ہو جائے تو اس کی قضا بھی لازم ہے اور فرض ہو جاتی ہے اور عمرہ چونکہ ہے تو نفل ہی لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرے کی قضا بھی فرض ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اگر رکاوٹ پیدا ہو جائے تو جو ہدیہ میسر ہو دے دو اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ ہدیہ حلال ہونے سے پہلے سر نہیں منڈوا سکتے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو سر منڈوالے اور اس کا فدیہ دے دے اور فدیہ متعین نہیں کیا تین چیزوں (روزہ۔ صدقہ یا قربانی) میں سے کوئی اختیار کرے کر سکتا ہے اور یہ آیت مجمل ہے تفصیل احادیث میں آرہی ہے اور جب یہ آیت اتری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ہی ہدایا قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔

و عن ابن عمر انه قال اليس حسبكم سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان حبس احدكم عن الحج طاف بالبيت و الصفا والمروة ثم حل من كل شئى حتى يحج عاما قابلا فيهدى او يصوم انكم تبحرون هديا (رواه البخاری)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (انہوں نے لوگوں سے) کہا کہ کیا تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کافی نہیں ہے کہ اگر تم

میں سے کوئی شخص حج سے روکا جائے تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفاو مروہ کی سعی کر کے حلال ہو جائے ہر چیز سے اور آئندہ سال حج کرے اور جانور کی قربانی کرے یا روزہ رکھے اگر قربانی کا جانور میسر نہ ہو۔(بخاری)

و عن عائشه قالت دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم على ضباعة بنت الزبير فقال لها لعلك اردت الحج قالت و الله ما اجدنی الا وجعة فقال لها حجی و اشترطی و قولی اللهم محلی حيث حبستنی (متفق عليه)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر کی بیٹی ضباعہ کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو انہوں نے کہا(ہاں ارادہ تو ہے) لیکن قسم ہے اللہ کی میں اپنے آپ کو بیمار پاتی ہوں آپ نے فرمایا تم حج کا احرام باندھو اور شرط کر دو اور یہ کہو کہ اے اللہ میرے حرام سے حلال ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں میں (بیماری کے سبب) روک دی جاؤں۔(بخاری و مسلم)

و عن الحجاج بن عمرون الانصاری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كسر او عرج فقد حل و عليه الحج من قابل رواه الترمذی و ابوداؤدالنسائی وابن ماجهوالدارمی و زادابوداؤد فی رواية اخرى او مرض و قال الترمذی هذا حديث حسن و فی المصابيح ضعيف.

حضرت حجاجؓ بن عمر و انصاریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کا پاؤں ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ احرام سے حلال ہو گیا اور اس پر آئندہ سال حج واجب ہے۔

(ترمذی۔ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماج۔دارمی۔ اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یا بیمار ہو جائے(ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے)

عن ابن عباس قال قد احصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحلق راسه و جامع نساء ہ و نحر ھدیہ حتی اعتمرعاما قابلا رواہ البخاری.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ روکا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو(یعنی مشرکوں نے آپ کو مکہ نہ جانے دیا) پس سر منڈایا آپ نے اپنا اور اپنی عورتوں سے خلوت کی اور اپنی قربانی کو ذبح کرڈالا اور اگلے سال عمرہ کیا۔(بخاری)

و عن عبداللہ بن عمرؓ قال خرجنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحال کفار قریش دون البیت فنحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھدایا ہ و حلق و قصر اصحابه رواہ البخاری.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (عمرہ کے لئے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ کفار قریش نے راستہ میں ہم کو روک دیا(اور بیت اللہ نہ جانے دیا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کرڈالا اور سر منڈایااور آپ کے صحابہ نے بال ترشوا دیئے۔(بخاری)

وعن المسورین مخرمة قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحرقبل ان یحلق و امر اصحابه بذلك رواہ البخاری.

حضرت مسور بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ نبی نے سر منڈانے سے پہلے قربانی کی اور صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بھی سر منڈانے سے پہلے قربانی کریں۔(بخاری)

عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرا اصحابه ان يبدلوا الهدى الذى نحروا عام الحديبيه فى عمرة القضاء رواه.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ ان جانوروں کے بدلہ میں جو حدیبیہ کے سال (روکے جانے کے سبب) تم نے ذبح کئے تھے قضاء کے عمرہ میں اور جانور ذبح کرو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس بحث میں سات احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ المصابیح سے منقول ہیں اور یہ احادیث سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ حج و عمرہ پورا کرو اور اگر رکاوٹ ہو تو جو ہدیہ میسر ہو دے دو مگر اس میں تفصیل نہیں کہ کس قسم کی رکاوٹ ہو تو ہدیہ دو۔ اور اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے یہ رکاوٹ دشمن کی معلوم ہوتی ہے لیکن شان نزول والی آیتوں کے بارے میں تمام مفسرین کا اصول ہے کہ وہاں حکم عام ہوتا ہے اور اگر شان نزول کو دیکھ کر اس آیت کے حکم کو مخصوص کر دیا جائے تو قرآن تقریباً سارا ہی مخصوص ہو جائے گا۔ لہذا یہاں بھی شان نزول کا لحاظ نہیں ہوگا جبکہ یہاں الفاظ بھی عام ہیں اور اس آیت میں کسی خاص رکاوٹ کا ذکر بھی نہیں ہے لہذا یہاں رکاوٹ سے مراد عام رکاوٹ لی جائے گی خواہ وہ دشمن کی وجہ سے ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے غرض یہ کہ جس قسم کی رکاوٹ سے حاجی مناسک اور احکامات حج ادا نہ کر سکے اس وقت ہدیہ دے کر وہ احرام کھول سکتا ہے مگر اس کی پانچ صورتیں بنتی ہیں۔ پہلی صورت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر مفرد حاجی سے وقوف عرفات کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے رہ جائے یعنی دسویں ذی الحج کی طلوع فجر کے بعد عرفات پہنچے تو اس کا حج فوت ہو گیا ہے اور اب وہ عمرہ کے ارکان ادا کر کے یعنی بیت اللہ کا طواف

اور صفا مروہ کی سعی کر کے وقتی طور پر احرام سے باہر آجائے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے پھر ہدیہ ذبح کرے یا روزہ رکھے اگر ہدیہ نہ ہو اور دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے بھی احصار ہوتا ہے البتہ ان میں تھوڑا سا تعارض ہے امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے تطبیق یہ ہے کہ عورت حاجہ اگر شرط لگائے کہ اگر میں جہاں بیمار ہو جاؤں گی تو وہیں سے احرام سے نکل آؤں گی اس کا فائدہ اس کو یہ ہو گا کہ اس کا ہدیہ محلّہ تک پہنچنا ضروری نہیں وہ پہلے حلال ہو سکتی ہے اور دوسری صورت بعد والی تین حدیثوں میں بیان فرمائی ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ عمرہ کرنے والے کے راستے میں دشمن یا بیماری کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو تو جہاں کہیں رکاوٹ ہو وہیں ہدیہ دے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اگر وہ ہدیہ حرم پہنچانا ممکن ہو تو اس آدمی سے دن اور وقت متعین کر لینا چاہیۓ جو ہدیہ لے جا رہا ہے اور اگر ہدیہ پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت کسی آدمی کو دے اور اس کے ساتھ دن اور وقت طے کرے کہ فلاں دن اور اتنے بجے ہدیہ ذبح کرنا ہے اسوقت کے بعد یہ سر منڈوا کر یا ترشوا کر احرام سے باہر آسکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضوام اللہ علیہم اجمعین نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے پہلے ہدایہ ذبح کیۓ اور اس بحث میں مذکورہ آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور اگر اس نے مقرر وقت کے بعد اس گمان سے کہ ہدیہ لے جانے والے نے ہدیہ اس وقت حرم میں ذبح کر دیا ہو گا احرام کے منافی کوئی کام کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہدیہ اس وقت حرم میں ذبح نہیں ہوا تھا تو اس پر ایک جانور دینا لازم ہو گا اور آئندہ سال عمرہ کی قضا واجب ہو گی کیونکہ اس آیت میں اتموا کا جملہ العمرہ کے ساتھ الگ بھی لگ سکتا ہے تو عبارت یہ بنے گی کہ اتموا العمرہ یعنی عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو اور یہ اتموا امر کا

صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا عمرہ لازم ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ قارن تھا یعنی حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی ہوئی تھی اور حج میں رکاوٹ آگئی تو وہ عمرے کا طواف کرے اور اس کی سعی کرے اور پھر دوسرا طواف کرے اور پھر سعی کرے بوجہ فوت ہو جانے حج کے اور سر منڈوائے یا بال کتروائے اور اس سے دم قران باطل ہو جائے گا اور اگر یہ ہدیہ لایا ہو تو اسے جو چاہے کہ کرے اور چوتھی صورت تمتع کی ہے یہ بھی وہی کرے گا جو قارن کرے گا اور اس سے بھی دم تمتع باطل ہو جائے گا اور یہ بھی ہدیہ ساتھ لایا تھا تو اسے چاہیے کرے مگر آئندہ سال اس قارن اور متمتع نے حج کی قضا کرنا ہے اور پانچویں صورت یہ ہے کہ حاجی نے صرف حج کی نیت کی ہوئی ہو اور اس کا حج فوت ہو جائے تو اس پر ہدیہ بھی نہیں اور عمرہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ صرف آئندہ سال حج کرے۔ یہ پانچوں صورتیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۶ میں غور کرنے سے خود خود معلوم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دعا ابراہیم علیہ السلام سے مکہ کو دار الامان بنایا

واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا بلدا امنا وارزق اهله من الثمرٰت من آمن منهم بالله واليوم الاخر قال ومن كفرفامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النار و بئس المصير. (سورة البقرة آيت ١٢٦)

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا اور جو کافر ہو گا سو اسے بھی تھوڑا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر: اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز ابراہیم علیہ السلام کی مکہ

شہر کو دار الامان بنانے کی دعا ہے اور یہ صرف انسانوں کے لئے امان نہیں ہے جانوروں کے لئے اور چرند و پرند کے لئے امان ہے البتہ موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت ہے جس کی تفصیل پہلے ہی گزر گئی ہے اور دوسری چیز ایمان داروں کے لئے روزی کی دعا ہے مگر اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ میں کافروں کو بھی روزی دوں گا یعنی جب یہ مکہ دار الامان ہے اس میں جانور بھی مامون ہیں تو کافروں کو اس سے کیوں محرم رکھا جائے۔ اس لئے ہجری ۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے صلح کر کے واپس ہو گئے تھے اور مشرکین سے جنگ نہیں کی تھی اور ہجری ۸ کے اندر بھی فتح مکہ کے وقت آپ نے کفار کو امان دے دی تھی تاکہ مکہ کا تقدس پامال نہ ہو ورنہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو کفار کا قتل عام کرا سکتے تھے کیونکہ کفار نے مسمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے ہوتے تھے لیکن آپ نے صرف مکہ کے تقدس کی خاطر ایسا نہیں کیا تھا اور تیسری چیز کفر کی سزا دوزخ ہے۔

انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة الذی حرمهاوله کل شئی

(سورۃالنمل آیت ۹۱)

مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے عزت دی ہے اور ہر چیز اسی کی ہے۔

تفسیر: اس آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضور اقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ اعلان کر کہ مجھے اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں اس میں اس شہر کے رب کا نام اس لئے لیا کہ مشرکین نے بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو اس آیت میں یہ حکم دیا کہ اس شہر کے رب کی عبادت

کروبتوں کی عبادت نہ کرو اور دوسری چیز رب ہذا البلدۃ کی اضافت ہے جو تشریفی ہے یعنی اور شہروں کا رب بھی تو اللہ تعالی ہی ہے لیکن خصوصی طور پر اس بلد کو جو رب ہذہ البلدہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے اس لئے اس کو خصوصیت حاصل ہے جیسا کہ پہلے سورۃ البقرۃ والی آیت میں یہ تفصیل گزر گئی ہے اور تیسری چیز ہے حرمہا یعنی اللہ تعالی نے اسے عزت دی ہے اور اس کو محترم بنایا ہے اور چوتھی چیز یہ ہے ولہ کل شئی یعنی ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے مگر اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ تفصیل آئندہ احادیث میں آرہی ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکہ لا ھجرۃ ولکن جھاد و نیۃ و اذا استنفرتم فانفروا قال یوم فتح مکۃ ان ھذا البلد حرمہ اللہ یوم خلق السموت والارض فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیمۃ و انہ لم یحلل القتال فیہ لاحد قبلی ولم یحل لی الا ساعۃ من نہار فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیمۃ لا یعضدشو کہ ولا ینفر صیدہ ولا یلتقط لقطۃ الا من عرفھا ولا یختلی خلالھافقال العباسؓ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا الاذخر فانہ لقینھم و لبیوتھم فقال الا الا اذحز متفق علتہ وفی روایۃابی ھریرہ لا یعضد شجرھا ولا یلتقط سا قطتھا الا منشد۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کہ اب ہجرت (فرض) نہیں ہے مکہ سے مدینہ کی طرف لیکن جہاد فرض ہے اور (عمل کی خالص وپاک) نیت اور جب بلائے جاؤ تم جہاد کے لئے پس نکلو (گھروں سے جہاد کی طرف) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فتح مکہ کے دن ہی یہ فرمایا یہ شہر (یعنی حرم کی ساری زمین) حرام کیا ہے (اس کی توہین و تذلیل کو) اللہ نے اس روز جس روز کہ پیدا کیا اس نے آسمانوں اور زمین کو پس وہ حرام کیا گیا ہے خدا کی حرمت کے سبب قیامت تک اور نہیں حلال ہوا (زمین حرم میں) کسی کے لئے قتال مجھ سے پہلے اور نہ میرے لئے حلال ہوا مگر دن کی صرف ایک ساعت کے لئے پس وہ حرام کیا گیا ہے خدا کی حرمت کے سبب قیامت تک نہ کاٹا جائے (زمین حرم کا) خار دار درخت (بھی اگرچہ وہ ایذا دے) اور نہ بھگایا جاوے حرم کا شکار اور نہ اٹھائی جائے (زمین حرم سے) کوئی پڑی ہوئی چیز مگر وہ شخص جو بیان کر دے اس کی حقیقت اور شناخت (یعنی اس کا مالک) اور نہ کاٹی جائے اس کی گھاس عباس نے کہا یا رسول اللہ مگر اذخر تو ایسی چیز ہے کو لوہاروں کے گلانے میں کام آتی ہے اور گھروں میں اس کی ضرورت پڑتی ہے آپ نے فرمایا مگر اذخر کاٹ لی جائے (بخاری و مسلم) اور ابو ہریرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نہ کاٹا جائے درخت اس کا اور نہ اٹھالی جائے گری پڑی چیز اس کی مگر تلاش کرنے والا اٹھا سکتا ہے)

و عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل لاحدکم ان یحمل بمکۃ السلاح رواہ مسلم.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کے لئے مکہ میں (لڑنے کے لئے) ہتھیار اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (مسلم)

و عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکہ یوم الفتح و علی راسہ المغفر فلما نزعہ جاء رجل و قال ان ابن خطل متعلق

باستار الکعبۃ فقالؑ اقتلہ متفق علیہ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اس حال میں مکہ کے اندر داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا جب آپ نے اس کو سر مبارک سے اتارا تو ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا ابن خطل کعبہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے آپ نے فرمایا اس کو مار ڈال (بخاری و مسلم)

و عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل یوم فتح مکہ و علیہ عمامعۃ سوداء بغیر احرام رواہ مسلم۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے اندر اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا اور احرام باندھے ہوئے نہیں تھے۔ (مسلم)

وعن عائشہ قالت قال رسول اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یغزوا جیش ن الکعبۃ فاذا کانوا ببیداء من الارض یخسف باولھم و آخرھم قلت یا رسول اللہ و کیف یخسف باولھم و اخرھم و فیھم اسواقھم و من لیس منھم قال یخسف باولھم و اخرھم یبعثون علی نیاتھم متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کرے گا (آخری زمانہ میں (ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کا اور کعبہ کو خراب کرنے کا پس جب کہ وہ ایک بیداء کی زمین پر پہنچے گا اول سے آخر تک زمین میں دھنسادیا جائے گا میں نے (یہ سنکر) عرض کیا یا رسول اللہ ان کو اول سے آخر تک (یعنی سب کو) کیونکر دھنسادیا جائے گا ان میں تو بازاری (یعنی سودا بیچنے والے) بھی ہونگے اور وہ لوگ بھی جو ان میں سے نہیں ہیں (یعنی ان کے ہم خیال و ہم

عقیدہ) آپ نے فرمایا(ہاں) ان سب کو زمین میں دھنسادیا جائے گا پھر اٹھایا جائے گا ان کو انکی نیتوں کے موافق۔(بخاری مسلم)

و عن ابی هریره قال قال رسول النبی صلی الله علیه وسلم یخرب الکعبة ذو السویقین من الحبشة متفق علیه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خراب کرے گا کعبہ کو حبشیوں میں سے وہ شخص جس کی پنڈلیاں چھوٹی اور تپلی ہوں گی۔

و عن ابن عباس عن نبی صلی الله علیه وسلم قال کانی به اسود افحج یقلعها حجرا حجرا رواه البخاری.

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گویا میں دیکھتا ہوں کعبے کے خراب کرنے والے کو وہ ایک شخص ہوگا سیاہ رنگ جس کہ پنجے آپس میں ملے ہوں گے اور ایڑیاں اور پنڈلیاں دور دور ہوں گی وہ خانہ کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا(بخاری)

عن یعلی بن امیة قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال احتکار العطام فی الحرم الحاد فیه رواه ابو دائود.

حضرت یعلی بن امیہؓ کہتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں غلہ کو بند کر کے رکھنا الحاد ہے (یعنی کجروی دبے دینی ہے)۔(ابوداؤد)

وعن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لمکة ما اطیبك من بلد و احبك الی و لو لا ان قومی اخرجونی منك ما سکنت غیرك رواه الترمذی و قال هذا حدیث حسن صحیح غریب استادا.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ کی

نسبت جب کہ فتح مکہ کے بعد آپ وہاں سے واپس ہوئے) کیا اچھا شہر ہے تو اور کس قدر پیارا ہے تو مجھ کو اگر میری قوم مجھ کو یہاں سے نہ نکالتی تو میں مکہ کے سوا کہیں نہ رہتا۔

(ترمذی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے غریب ہے اسناد کے اعتبار سے)

وعن عبدالله بن عدی بن حمرا قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم واقفا علی الْزورة فقال والله انك لخیر ارض الله واحب ارض الله الی لله و لو لا انی اخرجت منك ما خرجت رواه الترمذی و ابن ماجه.

حضرت عبداللہ بن عدی حمراءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام زورہ پر کھڑے ہوئے یہ فرماتے سنا قسم ہے خدا کی (اے کعبہ کی زمین) تو خدا کی زمینوں میں بہترین زمین ہے اور خدا کی زمینوں میں تو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھ کو تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

عن ابی شریح ن العدوی انه قال لعمر و بن سعید وهو یبعث البعوث الی مکه ائذن لی ایها الامیر احدثك قولا قام به رسول الله صلی الله علیه وسلم الغدمن یوم الفتح سمعته اذنای ووعاه قلبی و ابصرته عینای حین تکلم به حمد الله و اثنی علیه ثم قال ان مکة حرمها الله و لم یحرمها الناس فلا یحل لاحد یومن بالله والیوم الاخر ان یسفك بها وما لا یعضد بها شجرة فان احد ترحض بقتال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقولوا له ان الله قد اذن لرسوله و لم یاذن لکم و انما اذن لی فیها ساعة من نهار و قد عادت حرمتها الیوم کحرمتها

بالامس ولیبلغ الشاھد الغائب فقیل لابی شریح ما قال لك عمر و قال قال انا اعلم بذلك منك یا ابا شریح ان الحرم لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بحربةمتفق علیه و فی البخاری الحزبة الخیانة.

حضرت ابو شریح عدویؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن سعید (یعنی عمرو بن العاص) سے کہا جب کہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے اے امیر مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں وہ بات آپ کے سامنے بیان کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد دوسرے دن خطبہ میں فرمایا تھا اس بات کو میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے جبکہ فرمایا آپ نے اس بات کو سب سے پہلے آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا مکہ عظمت بخشی ہے اس کو خداوند تعالی نے اور نہیں بزرگی دی ہے اس کو لوگوں نے پس نہیں جائز ہے اس شخص کے لئے جو خدا پر اور آخرۃ کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ کہ خونریزی کرے اسمیں اور انہیں جائز ہے یہ کہ کاٹے اس کا درخت پھر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتال کیا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ خداوند تعالی نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے چنانچہ نے فرمایا ہے کہ اجازت دی گئی مجھ کو مکہ میں لڑنے کی دن کی صرف ایک ساعت کے لئے اور اب اس کی عظمت و حرمت حسب دستور حال ہو گئی ہے یعنی آج اس کی وہی عظمت و حرمت ہے جو کل تھی اور چاہئے کہ اس خبر کو وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں شریح سے پوچھا گیا کہ اس کے جواب میں عمرو بن

العاص نے تم سے کیا کہا شریح نے بیان کیا کہ عمرو بن العاص نے مجھ سے کہا اے ابو شریح میں اس حدیث کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں لیکن حرم کی زمین نافرمان کو پناہ نہیں دیتی اور نہ خون کر کے بھاگ جانے والے کو پناہ دیتی ہے اور نہ اس شخص کو جو کوئی جرم کر کے بھاگا ہو۔ (بخاری و مسلم)

وعن عياش بن ابی ربيعة المخزومی قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلن لا تزال هذه الامة بخير ما عظموا هذه الحرمة حق تعظيمها فاذا ضيعوا ذالك هلكوا رواه ابن ماجه.

حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومیؓ کہتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت ہمیشہ بھلائی میں رہے گی جب تک کہ وہ عظمت کرے گی اس حرمت کی پوری طرح عظمت کتنا (یعنی مکہ کی عظمت حرمت) اور جب وہ اس حرمت کو ضائع کر دے گی تو ہلاک ہو جائے گی۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اس بحث میں بارہ احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ سے منقول ہیں اور یہ احادیث سورۃ النمل کی آیت اکیانویں کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں جو لفظ البلد ہے اس میں الف لام عہد خارجی ہے اس سے اشارہ مکہ مکرمہ کی طرف ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو بھی مکرم معزز اور محترم بتایا ہے اور اب اس کا احترام کیا ہے اس کی تعظیم و تکریم اور عزت کس طرح کرنا ہے اس کی تفصیل نہیں ہے اور اس آیت کا تقاضا ہے کہ اس کی تفصیل ہونی چاہئے اگر کوئی آدمی اس کی کوئی تفصیل یا تشریح اپنے طرف سے بیان کرے گا تو یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ وہ تفصیل منشاء الہی کے مطابق بھی ہے یا نہیں اس لئے کسی غیر کی بیان کردہ تفصیل قابل اعتماد نہیں ہو سکتی تفصیل وہی قابل اعتماد اور قبول ہو گی جو اللہ تعالیٰ خود بیان فرمائیں گے یا اس کا کوئی

نمائندہ نبی اور مرسل بیان کرے چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے نمائندہ اور فرستادہ تھے نے وہ تفصیل بیان فرمائی ہے جو مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی کعبہ شہر مکہ اور پورے حرم کا احترام کرے گا وہ برکات پاتا رہے گا اور جو اس کی بے ادبی کریں گے وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے جیسا کہ ابرہ کے لشکر کی تباہی کا واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں موجود ہے اور یہاں بھی فرمایا ہے کہ قیامت قریب ایک لشکر اسے تباہ اور خراب کرنے کے لئے آئے گا تو وہ بیدا میں دھنس جائے گا کعبہ اور مکہ کے آس پاس جو سرزمین میں ہے وہ زمین حرم کہلاتی ہے یعنی جس طرح کعبہ مکہ کی توہین حرام ہے اسی طرح حدود حرم کی توہین بھی حرام ہے اور میقات کے اندر اندر جو سرزمین ہے وہ حرم ہے اور محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حد بندی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتائی تھی۔

دعا امام الانبیاءؑ سے اللہ تعالیٰ نے مدینے کو دار الامان بنایا

عن علی قال ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی هذه الصحیفة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینة حرام ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیها حدثا او اوی محدثا فعلیه لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم فمن احفر مسلما فعلیه لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل و من و الی قوما بغیر اذن موالیه فعلیه لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل متفق علیه وفی راویة لهما من ادعی الی غیر ابیه و تولی غیر موالیه فعلیه لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لن یقبل منه

صرف ولا عدل.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے کوئی چیز نہیں لکھی مگر قرآن اور وہ چیز جو اس صحیفہ میں ہے (اور اس صحیفہ میں یہ ہے کہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ حرم ہے مقام عیر سے زوراء تک (یہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو مدینہ کے دونوں طرف واقع ہیں) پس جو شخص کہ پیدا کرے . مدینہ میں کوئی نئی بات یا نئی بات پیدا کرنے والے کو پناہ دے اس پر خدا کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہیں قبول کئے جاتے اس کے فرض اور نہ نفل۔ مسلمانوں کا عہد ایک ہے کوشش کر سکتا ہے اس کے لئے ادنی شخص بھی (یعنی ایک معمولی آدمی بھی عہد کرے تو اس کو نبھانا تمام مسلمانوں کا فرض ہے) پس جو شخص کسی مسلمان کے عہد کو توڑے اس پر خدا کے فرشتوں کی اور سارے مسلمانوں کی لعنت ہے نہیں قبول کئے جاتے اس کے فرض اور نفل (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص دعوے کرے اپنے باپ کے سوا غیر باپ کی جانب (یعنی اپنے آپ کو دوسرے کی طرف منسوب کرے یا منسوب کرے اپنے مالک کے سوا (دوسرے مالکوں کی طرف) پس اس پر خدا کی اور اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے قبول نہیں کئے جاتے اس کے فرض اور نفل)

وعن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انی احرم ما بين لابتى المدينة ان يقطع عضاهها او يقتل صيدها و قال المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون لا يدعها احد رغبة عنها الا ابدل فيها من هو خير منه ولا يثبت احد على لاوائها وجهدها الا كنت شفيعا او شهيدا

يوم القيمة رواه مسلم.

حضرت سعدؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مدینہ کے دوسنگستانوں (پہاڑوں کے درمیان کو حرام (یعنی حرم قرار دیتا ہوں نہ کاٹے جائیں اس کے خاردار درخت نہ مارا جائے اس میں شکار پھر فرمایا مدینہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اس میں رہتے ہیں) اگر وہ سمجھیں نہ چھوڑے گا اس کو کوئی شخص بے رغبتی سے مگر یہ کہ اللہ بدل دے گا اس سے بہتر شخص اس کو اور جو شخص ثابت قدم رہے مدینہ میں سختی اور بھوک پر اور محنت و مشقت پر میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کی اطاعت کی گواہی دوں گا۔ (مسلم)

وعن ابی هریره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یصبر علی لاواء المدینة و شدتها احد من امتی الا كنت له شفیعا یوم السیمة رواه مسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبر کرے گا مدینہ کی سختی اور بھوک پر میری امت میں سے قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (مسلم)

و عنه قال كان الناس ـــــ اذا راو اول الثمرة جاء به الی النبی صلی الله علیه وسلم فاذا اخذه قال اللهم بارك لنا فی ثمرنا و بارك لنا فی مدینتنا و بارك لنا فی صاعنا و بارك لنا فی مدنا اللهم ان ابراهیم عبدك و خلیلك و نبیك و انی عبدك و نبیك و انه دعاك لمكة و انا ادعوك للمدینة بمثل ما دعاك لمكه و مثله معه ثم قال یدعوا صغر ولیدله فیعطیه ذلك الثمر رواه مسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کوئی نیا پھل دیکھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کو لاتے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کو اپنے ہاتھ میں لیتے تو فرماتے اے اللہ برکت دے ہمارے لئے پھلوں میں ہمارے گھروں میں ہمارے صاع میں (صاع ایک پیمانہ کا نام ہے) اور ہمارے مد میں (مد بھی پیمانہ کا نام ہے) اے اللہ ابراہیم تیرا بندہ تیرا خالص دوست اور تیرا نبی تھا اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں ابراہیم نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اسی طرح کی دعا جس طرح کی ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے کی تھی اور اس کے مانند ایک اور دعا ابوہریرہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے چھوٹے بچوں کو بلاتے اور وہ پھل ان کو دے دیتے۔ (مسلم)

و عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ان ابراهیم حرم مکه فجعلها حراما و انی حرمت المدینة حراما ما بین ما زینتها ان لا یهراق فیها دم ولا یحمل فیها سلاح لقتال ولا تحبط فیها شجرة الالعلف رواہ مسلم.

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابراہیمؑ نے عظمت دی مکہ کو پس بنایا اس کو حرم اور میں عظمت دیتا ہوں مدینہ کو اور حرم بناتا ہوں اس کو اس کی دونوں طرفوں کے درمیان میں نہ تو خونریزی کی جائے اس میں اور نہ ہتھیار اٹھایا جائے لڑنے کے لئے اور نہ جھاڑے جائیں اس کے درختوں کے پتے مگر جانوروں کے چارہ کے لئے (مسلم)

وعن عامر بن سعد ان سعدا رکب الی قصعه بالعقیق فوجد عبداً یقطع شجرا او یحبطه نسلبه فلما رجع سعد جاء ہ اهل العبد فکلموہ

ان یرد علی غلامھم او علیھم مااخذمن غلامھم فقال معاذ اللہ ان ارد شیا نفلنیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابی ان یرد علیھم رواہ مسلم.

حضرت عامرؒ بن سعد کہتے ہیں کہ سعد (ابن عاص) اپنے قصر واقع عقیق کی طرف سوار ہوئے (راستہ میں) ایک غلام کو دیکھا جو درخت کاٹ رہا تھا یا پتے جھاڑتا تھا آپ نے اس کے کپڑے چھین لئے پھر جب واپس آئے تو غلام کے مالک حاضر ہوئے اور کہا کہ جو چیز انہوں نے غلام سے لی ہے وہ ان کو یا ان کے غلام کو واپس دے دیں۔ سعد نے کہا خدا کی پناہ میں اس چیز کو واپس نہ دوں گا جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوائی ہے اور کپڑوں کو واپس دینے سے بالکل انکار کر دیا۔ (مسلم)

و عن عائشه قالت لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم المدینة وعك ابوبکر و بلال فجئت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخبرته فقال اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکه او اشد و صححھا و بارك لنا فی صاعھا و مدھا و اتقل حماھا فاجعلھا بالحجفه متفق علیه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ابوبکرؓ اور بلالؓ کو بخار آنے لگا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انکی بیماری کی خبر دی آپ نے فرمایا اے اللہ دوست بنا تو مدینہ کو ہمارا جس طرح کہ دوست بنایا تھا تو نے مکہ کو ہمارا بلکہ اس سے زیادہ عزیز اور دوست کر تو مدینہ کی آب و ہوا کو اور برکت دے ہمارے لئے مدینہ کی صاع اور مد میں اور دور کر دے اس کے بخار کو اور بھیج دے اس کی بیماری کو جحفہ میں (جحفہ میں یہودی رہتے تھے) (بخاری و

مسلم)

وعن عبدالله بن عمر في رؤيا النبی صلی الله علیه وسلم فی المدینة رایت امراة سوداء ثائرة الراس خرجت من المدینة حتی نزلت مهیعة فتاولتها ان المدینة نقل الی مهیعة وهی الحجنة (رواه البخاری.)

حضرت عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب دیکھنے کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جو آپ نے مدینہ کے متعلق دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک کالی عورت کو دیکھا جس کے پال پراگندہ تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں چلی گئی پھر فرمایا میں نے اسکی یہ تعبیر لی ہے کہ مدینہ کی دبامہیعہ کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی جُحفہ کی طرف (بخاری)

و عن سفیان ابن ابی زهیر قال سمعت قول رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یفتح الیمن فیاتی قوم یبسون فیتحملون باهلیهم ومن اطاعهم والمدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون و یفتح الشام فیاتی قوم یبسون فیتحلمون باهلیهم ومن اطاعهم والمدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون و یفتح العراق فیاتی قوم یبسون فیحملون باهلیهم ومن اطاعهم والمدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون متفق علیه.

حضرت سفیان بن ابی زہیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ فتح کیا جائے گا یمن اور روانہ ہو گی مدینے سے ایک جماعت جو کوچ کرے گی اپنے اہل و عیال اور متبعین کے ساتھ اور مدینہ بہتر تھا ان کے لئے اگر وہ جانتے اور فتح کیا جائے گا شام پس روانہ ہو گی ایک جماعت اپنے اہل و عیال اور متبعین کے ساتھ اور مدینہ بہتر تھا ان کے لئے اگر وہ جانتے اور فتح کیا جائے گا عراق پس روانہ ہو گی ایک قوم اپنے اہل و عیال اور

متبعین کے ساتھ اور مدینہ بہتر تھا ان کے لئے اگر وہ جانتے (یعنی یہ ممالک فتح کئے جائیں گے اور مدینہ کے باشندے ان شہروں میں چلے جائیں گے) (بخاری و مسلم)

و عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت بقریة تاکل القریٰ یقولون یثرب و ھی المدینة تنفی الناس کما تنفی الکیر خبث الحدید (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حکم دیا گیا ہے مجھ کو ہجرت کا ایسی آبادی میں جو غالب آتی ہے تمام بستیوں پر (یعنی جو لوگ اس میں رہتے ہیں وہ غالب و فاتح رہتے ہیں دوسروں پر) لوگ اس آبادی کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے جو دور کرتا ہے برے آدمیوں کو اس طرح جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

و عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ تعالی سمی المدینہ طابہ (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خداوند تعالی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (مسلم)

وعن جابر بن عبداللہ انؓ اعرابیا بایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاصاب الاعرابی وعك بالمدینة فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد اقلنی بیعتی فابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثم جاء ہ فقال اقلنی بیعتی فابی ثم جاء فقال اقلنی بیعتی فابی فخرج الاعرابی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما المدینة کالکیر تنفی خبثھا و ینصع طیبھا متفق علیہ.

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی پس اس کو سخت بخار آنے لگا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد میری بیعت مجھ کو واپس کر دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا وہ دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا میری بیعت مجھ کو واپس کر دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوا اور کہا میری بیعت مجھ کو واپس کر دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا پھر وہ دیہاتی بغیر اجازت کے مدینہ سے چلا گیا ر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ بھٹی کی مانند ہے دور کرتا ہے اپنے میل کو اور خالص کرتا ہے اپنے اچھے کو (مسلم بخاری)

و عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقوم الساعة تنفی المدینة شرارها کما ینفی الکیر خبث الحدید.

(رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ اپنے شریروں کو اس طرح نہ نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کو نکال دیتی ہے (مسلم)

و عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علی انقاب المدینة ملئکه لا یدخلها الطاعون ولا الدجال متفق علیه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ کے راستوں یا دروازوں پر فرشتے مقرر ہیں نہیں داخل ہوگا اس میں طاعون اور نہ دجال (بخاری و مسلم)

و عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس من بلد

الا یسیطا الدجال الا مکة والمدینة لیس نقب من انقابها الا علیه الملئکة صافین یحر سونها فینزل السبخة فترجف المدینة باھلها ثلث رجفات فیخرج الیه کل کافر و منافق متفق علیه.

حضرت انسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس کو دجال پائمال نہ کرے گا مگر مکہ اور مدینہ کو (کہ وہ انکو پائمال نہ کر سکے گا) ان کے راستوں یادروازوں پر صف بستہ فرشتے ہوں گے جو نگہبانی کا فرض انجام دیتے ہوں گے پس اترے گا دجال مدینہ کے باہر ایک شور زمین پر اور حرکت میں آئے گا مدینہ مع اپنے باشندوں کے تین مرتبہ اور نکل جائے گا ہر وہ شخص مدینہ سے باہر جو کافر اور منافق ہوگا اور دجال کے پاس چلا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

و عن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یکید اھل المدینة احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء متفق علیه.

حضرت سعدؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مدینہ والوں سے مکر و فریب کرے گا وہ اسطرح گھل جائے گا جس طرح نمک پانی کے اندر گھل جاتا ہے۔ (بخاری)

و عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قدم من سفر فنظر الی جدرات المدینة او ضع راحلته و ان کان علی دابة حرکها من حبها رواہ البخاری.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو مدینہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تو اپنے اونٹ کو دوڑاتے اور اگر گھوڑے یا خچر وغیرہ پر سوار ہوتے تو جلد چلاتے اس کو اور یہ اس وجہ سے کہ آپ کو مدینہ سے محبت تھی (بخاری)

و عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم طلع له احد فقال هذا جبل یحبنا و نحبه اللهم ان ابراهیم حرم مکه و انی احرم ما بین لابتیها متفق علیه۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب احد پہاڑ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ محبت رکھتا ہے ہم سے اور ہم محبت رکھتے ہیں اس سے اللہ حرم بنایا ابراہیم نے مکہ کو اور میں حرم بناتا ہوں سنگستان مدینہ کی دونوں طرفوں کو (بخاری و مسلم)

و عن سهل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احد جبل یحبنا و نحبه رواه البخاری۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد ایک پہاڑ ہے جو دوست رکھتا ہے ہم کو اور دوست رکھتے ہیں ہم اس کو۔ (بخاری)

عن سلیمان بن ابی عبداللہ قال رایت سعد بن ابی وقاص اخذ رجلا یصید فی حرم المدینة الذی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسلبا فجاء موالیه فکلموه فیه فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حرم هذا الحرام و قال من اخذ احدا یصید فیه فلیسلبه فلا ارد علیکم طعمة اطعمینها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولکن ان شئتم رفعت الیکم ثمنه رواه ابو داؤد۔

حضرت سلیمانؓ بن ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو اس حرم مدینہ میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے شکار کھیلتے ہوئے پکڑ لیا اور اس کے کپڑے اتار لئے پھر اس شخص کے مالک سعدؓ کے پاس آئے اور اس شخص کی یا اس کے

کپڑوں کی بابت سعد سے گفتگو کی سعد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم قرار دے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص اس حرم میں کسی کو شکار کھیلتا ہوا پکڑے وہ اس شکاری کے کپڑے اتار لے پس جو چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دلوائی ہے میں ہرگز اس کو واپس نہیں دوں گا لیکن اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت تم کو دے دوں گا۔

وعن صالح مولى لسعد ان سعدا وجد عبيدا من عبيد المدينة يقطعون من شجر المدينة فاخذ متاعهم و قال يعني لمواليهم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى ان يقطع من شجر المدينة شئ و قال من قطع منه شيا فلمن اخذه سلبه رواه ابو داؤد۔

حضرت سعدؓ کے آزاد کردہ غلام صالح کہتے ہیں کہ سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے ایک غلام کو مدینہ کا درخت کاٹتے ہوئے پایا آپ نے اس کے سامان کو چھین لیا اور پھر اس غلام کے مالکوں سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مدینہ کا درخت نہ کاٹا جائے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مدینہ کے درخت میں سے کچھ کاٹے تو اس کا اسباب اس شخص کے لئے ہے جو اس کو پکڑ لے۔ (ابو داؤد)

و عن الزبير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان صيد وج و عضاهه حرم الله رواه ابو داؤد و قال محي السنة وج ذكروا انها من ناحيه الطائف وقال الخطابى انه بدل انها۔

حضرت زبیرؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقام وج کا شکار اور اس کے خاردار درخت حرام ہیں حرام کئے گئے ہیں خدا کے حکم سے (ابو داؤد) امام محی السنۃ کا بیان ہے کہ وج کا ایک مقام کا نام ہے جو طائف کے جانب واقع ہے۔

وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت بها فانی اشفع لمن یموت بها رواه احمد والترمذی و قال هذا حدیث حسن صحیح غریب اسنادا.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اس کی طاقت رکھے کہ مرے مدینہ میں تو اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ میں مرے میں اس شخص کی شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مرے گا (مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہاں جاکر توطن اختیار کرے اور شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے (احمد ترمذی)

و عن ابی ہریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اخر قریة من قری الاسلام خرابا نالمدینة رواه الترمذی و قال حدیث حسن غریب.

حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام کی بستیوں میں سے جو بستیاں خراب ہوں گی ان میں سب سے آخری درجہ مدینہ کا ہوگا (یعنی مدینہ سب کے بعد خراب ہوگا) (ترمذی یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے)

و عن جریر بن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الله اوحی الی ای هولاء الثلثة نزلت فهی دار هجرتك المدینة اوالبحرین او قنسرین رواه الترمذی.

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خداوند تعالی نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ ان تین شہروں میں سے تم جس میں ہجرت کر جاؤ گے پس وہی تمہارا ہجرت کا گھر ہوگا یعنی مدینہ بحرین اور قنسرین۔ (ترمذی)

عن ابی بکرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل المدینة رعب المسیح الدجال لها یومئذٍ سبعة ابواب علی کل باب ملکان رواہ البخاری.

حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانے دجال کا خوف مدینہ میں داخل نہ ہوگا) اس روز (جس روز کہ دجال نکلے گا) مدینہ کے سات دروازے ہونگے ہر دروازہ پر دو فرشتے حفاظت کے لئے مامور ہونگے) (بخاری)

و عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اجعل المدینه ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة متفق علیه.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لئے یہ دعا فرمائی اے اللہ مدینہ کو اس برکت سے دوگنی برکت عطا فرما جو تو نے مکہ کو دی ہے (بخاری و مسلم)

و عن رجل من ال الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیمة ومن سکن المدینة و صبر علی لاوائها کنت له شهیدا و شفیعا یوم القیمة و من مات فی احد الحرمین بعثه اللہ من الامنین یوم القیمه.

اولاد خطابؓ میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ارادہ کر کے میری زیارت کرے قیامت کے دن وہ میرا ہمسایہ اور میری پناہ میں ہوگا اور جو شخص توطن پذیر ہوا مدینہ میں اور اس کی مصیبتوں اور سختیوں پر صبر کیا قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوگا اور جو شخص مرے گا دونوں حرموں (مکہ و مدینہ) میں سے کسی ایک میں اٹھائے گا اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن امن پانے

والوں میں (بیہقی)

و عن ابن عمر مرفوعا من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیوتی رواهما البهیقی فی شعب الایمان.

حضرت ابن عمر مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے حج کیا پھر مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہو گا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بیہقی)

و عن یحیی بن سعید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان جالسا و قبر یحفر المدینة فاطلع رجل فی القبر فقال بئس مضجع المومن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم بئسما قلت قال الرجل انی لم ارد هذاانما اردت القتل فی سبیل الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لامثل القتل فی سبیل الله ما علی الارض بقعة احب الی ان یکون قبری بها منها ثلث مرات رواه مالك مرسلا.

حضرت یحیٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ کے اندر ایک قبر کھودی جا رہی تھی پس ایک شخص نے قبر میں جھانکا اور کہا قبر مومن کی بہت بری خواب گاہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بری ہے وہ چیز جو تو نے کہی اس شخص نے کہا میرا منشا یہ نہیں تھا بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ خدا کی راہ میں شہید ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے (گھر میں مرنا مومن کے لئے بری خواب گاہ ہے) آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں شہید ہونے کے برابر کوئی چیز نہیں پھر فرمایا زمین کا کوئی ٹکڑا مجھ کو اتنا محبوب نہیں کہ وہاں میری قبر ہو جتنا کہ مدینہ میں تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے (یعنی مدینہ مجھ کو ساری دنیا سے پسند ہے اور وہیں اپنی قبر پسند کرتا ہوں) (مالک مرسلا)

ص

فق

قل

drawn fro
t can be retai
iles governing

صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی ... کہ آج کی رات ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) میرے پروردگار کی irrent peri اور کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھ اور کہہ عمرہ حج میں اور ایک روای ——— الفاظ ہیں کہ کہہ عمرہ اور حج (یعنی یہاں کی نماز کا ثواب اس عمرہ کے برابر ... تو حج کے ساتھ کیا جائے یا عمرہ اور حج دونوں کے برابر (بخاری)

اس بحث میں کل اکتیس احادیث نقل کی گئی ہیں جو مشکوۃ ... منقول ہیں ان سب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ مدینہ منورہ دار الامان معزز اور محترم شہر ہے مگر اس کے احترام میں ائمہ میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اس کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ اسکی تعظیم و تکریم کرنا ہے مگر اس کے درخت کاٹنا جائز ہے اور اس میں شکار کرنا بھی جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک اس کی حرمت مکے جیسی ہے اس کے درخت وغیرہ کاٹنا حرام ہے مگر ان کے نزدیک بھی درخت کاٹنے والے پر ضمان نہیں ہے۔

اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم واجعل لی هذه التاليف وسيلة و لعلوا الدرجات كفيله.

احقر حمید الرحمان عباسی

استاذ تفسیر

مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور